رجسٹرڈ نمبر اے ۲۲۴

علیگڈھ منتھلی

نمبر ۱۲ جلد ۱۲	بابت ماہ دسمبر سنہ ۱۹۱۴ء	قیمت سالانہ [illegible] معہ محصول ڈاک قیمت فی رسالہ [illegible]

مقام اشاعت مدرسۃ العلوم علیگڈھ

فہرست مضامین حصہ اردو

پبلشر مسٹر ڈی۔ آکالوف۔ ایم۔ اے۔ پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈھ

اسسٹنٹ اڈیٹر قاضی جلال الدین صاحب لکچرر مدرسۃ العلوم علیگڈھ

باہتمام بابو شمبھو ناتھ صاحب [illegible]

در اسٹینڈرڈ پریس الہ آباد طبع شد

شرح چھپائی اشتہارات حصّہ اُردو

ایک صفحہ	واسطے ایک سال کے	۲۴ روپیہ
"	واسطے نصف سال کے	۱۲ روپیہ
"	واسطے تین ماہ کے	۷ روپیہ
"	واسطے ایک ماہ کے	۲ روپیہ ۸ آنہ

1952

نصف صفحہ کے لئے مذکورہ بالا شرح کا نصف لیا جاوے گا اور نصف صفحہ سے کم ہونے کی صورت مین بھی نصف صفحہ کی اُجرت لیجائیگی

اُجرت ہمیشہ پیشگی وصول ہوگی۔

ڈی آکٹر لونی۔ ایم۔ اے۔ مینیجر

علیگڈھ منتھلی مدرستہ العلوم علیگڈھ

علیگڑھ منتھلی

نمبر ۱۲ جلد ۱۲	بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۴ء	قیمت سالانہ للعہ معہ محصول ڈاک قیمت فی رسالہ ۱۲؎

جزیرہ نمائے سینا و جبل موسیٰ

خدا کی قدرت ہے کہ ایک طرف مصر اور دوسری طرف شام کا ملک ایسے اہم قطعات عالم ہیں کہ جنہیں زمانہ قدیم سے طبعی۔ جغرافی تاریخی۔ ملکی۔ مذہبی اور قومی تغیر و تبدل اعلیٰ پیمانہ پر ہوتا رہا ہے اور مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی ترقی کا اگر کوئی گہوارہ ہے تو وہ انھیں دو اقطاع مقدس میں ملتا ہے۔

الہامات ربانی اور حضرت جبرئیل کا مہبط ہے تو یہی شام ہے جو سوائے حضرت خاتم المرسلین پیغمبر آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام انبیائے کرام کا مولد اور آرامگاہ ہے خدائے تعالیٰ نے جب اپنا جلوہ دکھلانا چاہا تو ایک ایسے قطعہ کو پسند فرمایا جو مصر اور شام کے درمیان واقع ہے اسی کا نام جزیرہ نمائے

سینا ہے۔ اسکے شمال مین بحر روم موجزن ہے
اور جنوب مین بحر قلزم۔ مشرق مین خلیج عقبہ
اور اسقدر خشکی کا حصہ واقع ہے جو عقبہ اور العریش
کے درمیان ہے۔ مغرب مین خلیج سوئز اور نہر
سوئز بحرین (قلزم و روم) کو ملا رہی ہین جزیرہ
نما کے دکن کے وسط مین **جبل موسیٰ** ہے جسکو
کوہ طور بھی کہتے ہین۔

طور ایک قصبہ کا نام ہے جو جبل موسیٰ سے
دور جنوب و مغرب کی سمت ساحل خلیج سوئز پر
واقع ہے۔ یہہ جزیرہ نما الیسا لق و دق ہو کا میدان
ہے کہ جسمین صدیان گذرنے پر بھی کوئی تغیر و
تبدل ظہور پذیر نہین ہوتا۔ سال بھر کے کسی
کسی مہینہ مین ایسا ہوتا ہے کہ ہلکی سبزی کی
ایک تہ بعض بعض جگہہ سطح زمین پر پیدا ہو جاتی ہے اور
کہین کہین پست قد کھجور اور کیکر کے جھاندے نظر
پڑتے ہین۔ دس پانچ کھاری پانی کے کنوئین بھی
ہین جہان خانہ بدوش بدو اپنے مویشی او گلون کو لیکر
جا پڑتے ہین۔ پہاڑ بکثرت ہین لیکن منڈے اور خشک اور
اُنکے وسط مین جو وادیان ہین وہ بجائے سرسبز ہونے کے
اور نظر فریب جھاڑیون کے خشک ریت کنکر پتھر
اور وحشت خیز تودون سے پر ہین۔ اسلئے بنی اسرائیل
براہ راست **مصر** سے **شام** نہ جاسکے اور ویرانون مین
ٹکراتے رہے آخر کار جنوبی کنارہ کی راہ سے راستہ پایا
یہہ راستہ سوئز سے شروع ہوتا ہے چنانچہ چند گھنٹون
کی مسافت کے بعد مقام **عیون موسیٰ** آجاتا ہے۔
یہہ وہی جگہہ خیال کیجاتی ہے جسکا ذکر قرآن پاک



(THE WELLS OF MOSES. (عیون موسیٰ))

کی اثنتا عشرۃ عینا والی آیت مین آتا ہے۔

یہان چند کنوئین مختلف جسامت کے موجود ہین جنمین سے بعض اتھلے اور بعض نہایت گہرے پختہ بنے ہوے ہین۔ اکثر کا پانی نہایت تلخ اور چند کا پی سکنے کے قابل ہے۔ جابجا تالاب بھی ہین جنکی سطح آبی پودون سے ڈھکی رہتی ہے۔

عیون موسیٰ سے وادی **غرندیل** تک پچاس میل کا راستہ ایک ہموار پتھریلے میدان مین ہوکر گزرتا ہے۔ بعض اوقات اسجانب نہایت شدت سے بارش ہوتی ہے تب جابجا کنکریلی زمین مین چھوٹے بڑے تالاب نمودار ہوکر خوشبودار جھاڑیون کو اُگنے کا موقع دیتے ہین جو آفتاب کی تیز شعاعون کے پڑتے ہی جھلس کر خاک ہوجاتی ہین۔ وادی **غرندیل** کا دہانہ تین گز سے زیادہ وسیع نہین ہے۔ اس وادی کی اندرونی دیوارین سفید سیدھی ناہموار چٹانون سے بنی ہین جنمین سے ایک جگہ چشمہ کی صورت مین پانی جھرتا ہے جس سے ریگستانی خوشنما پودھے پیدا ہوجاتے ہین۔ اور چشمہ کے دونون کنارون پر جڑیلی گھانس دور دور پانی مین پھیلکر آب روان کا خوب لطف اُٹھاتی ہے آگے چلکر روئیدگی کی شان بالکل بدلجاتی ہے جنگلی کھجور بھی نہایت پست قد دیکھی جاتی ہے۔ اور جھاڑیون مین رتم یا جنگلی جھاڑون کا پیڑ نشوونما اور خوبصورتی دونون مین غنیمت ہے۔

جزیرہ نما کی طبعی تقسیم

جزیرہ نمائے سینا جو ہمیشہ جنوبی ہند کی ہمشکل ہے طبعی طور پر دو حصون مین منقسم ہے شمالی حصہ ایک مرتفع میدان ہے جو بادیۃ التیہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ وہ صحرا ہے جہان بنی اسرائیل چالیس سال چکر مین رہے تھے۔ ساخت اسکی چونہ کے پتھر سے ہے۔ جنوبی حد اس مرتفع حدبہ کی ایک سلسلۂ کوہ سے محدود ہے جسکا نام جبل التیہ ہے اسکے جنوب مین سنگلاخ زمین اور کوہستانی ہربونگ شروع ہوتا ہے ہربونگ اسلئے کہا گیا کہ ہر قسم کی بےترتیبی کے ساتھ پہاڑون کے سلسلے۔ چٹانین اور چوٹیان نہایت وحشت انگیز طریقہ سے ملے جلے واقع ہین جنمین سے بعض نو ہزار فیٹ تک بلند ہین۔ موسم سرما مین انپر برف جم جاتا ہے۔ سواے برف کے

اور موسمون مین پہاڑ بالکل خشک اور برہنہ رہتے ہین چنانچہ صفحہ آئندہ پر جبل سربل کی تصویر دیجاتی ہے جو جبل موسیٰ سے ۲۰ میل پر جانب غرب واقع ہے

طوفانِ برق وباران

ان پہاڑون مین ایسے ہولناک قسم کے طوفان اُٹھتے ہین جنکا بیان نہین ہوسکتا۔ بجلی ایک بلندی سے تڑپ کر دوسری چوٹی پر پہونچتی اور ایک گھاٹی سے کوند کر دوسری وادی مین لپک جاتی ہے ساتھ ہی دل شگاف کڑک گھاٹیون مین گونجتی ہوئی ہر مرتبہ زبانِ حال سے یون کہتی ہے کہ اب کوئی دم مین زمین دہل کر ٹکڑے ہوا چاہتی ہے، اسکے بعد موسلا دھار بارش ہوتی ہے اور آناً فاناً تمام وادیان طوفانِ نوح کا نقشہ باندھ دیتی ہین لیکن بارش بیکار جاتی ہے۔ خدا نے اپنی قدرت دکھلانے کے لئے یہ زمین ایسا نمونہ بنایا ہے کہ بارش ہو اور تنا نہ اُگ سکے۔ البتہ جھاڑو کے جھنڈ۔ خارمغیلان۔ بید۔ نخل صحرائی اور کوئی کوئی صنوبر اُگ آتے ہین اور چند اقسام کی خوشبودار گھاسین پیدا ہوکر اونٹون مویشیون اور بھیڑ بکریون کے لئے سامانِ خوراک بہم پہونچاتی ہین۔ آدمی کا گزر اور بود و باش ممکن نہین کیونکہ پانی جہان کہین ہے بھی تو وہ بالکل کھاری اور تلخ ہوتا ہے اسلئے بجز صحرائی بدوون کے چراگاہون کے کہین آبادی کا نشان نہین ملتا۔

وادی مکتب

آگے بڑھکر وادی مُکتَّب ہے۔ وجہ تسمیہ اسکی یہ ہے کہ اس وادی مین جا بجا قدیم زمانہ کے کتبے اور تحریرات چٹانون اور کوہستانی دیوارون اور قدرتی ستونون پر کندہ ہین خیال کیا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے راستہ کو کتبون سے یادگار بنایا تھا لیکن تحریرات اب مٹ چکی ہین۔ تاہم اسقدر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تحریرات زبانِ یونانی۔ لاطینی اور عبرانی مین کندہ کیگئی ہین جا بجا نقشا دیر بھی تراشی گئی ہین جنمین پرند۔ اونٹ گدھے گھوڑے وغیرہ بنائے گئے ہین۔

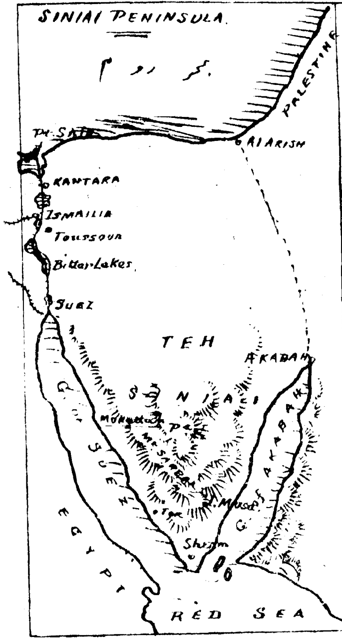
وادی فیران

مُکتَّب کے بعد ہم جزیرہ نما کی سرسبز زمین یا وادی مین داخل ہوتے ہین جسکا نام وادی فیران ہے۔ اسکے مدخل پر چند شہرون کے ویرانون کے نشانات موجود ہین اور مشہور سیّاح



مسٹر لارڈ نے جو یہان کی قبرون کے پتھر اُٹھا کر دیکھے تو گھٹنون کی ہڈیان چھاتی سے ملی پائین یہی حال تمام قبرون کا نواح **سینا** مین پایا جاتا ہے

اس وادی مین پست قامت کھجور اور مغیلان اور تمرسک کی کثرت نظر کو تر و تازہ کرتی ہے - چند اقسام کے پرند اُچھلتے کودتے اور پھدکتے ہوے کیسے خوشنما معلوم ہوتے ہین اور مکھیون اور کیڑون کی بھنبھناہٹ زغنون سے بھی کانون کو بھلی لگتی ہے - یہان بدون کے چند گانون بھی ہین جنکے حبشی غلام زراعت اور کھجورون کی نگہداشت مین مصروف رہتے ہین - یہ نخلستان اس نواح مین نمونہ جنت سمجھنا چاہیے کیونکہ علاوہ کھجورون کے وہان کھیرا - ککڑی - کدو - انار شیرین کنول کے پھول - اور قسم قسم کا غلہ - نیشکر اور تمبا کو پیدا ہوتا رہتا ہے -





جبل سربل

آگے بڑھکر جبل سربل جو اس سرزمین کا عظیم الشان اور بزرگ ترین سلسلہ ہے نظر آنے لگتا ہے جسکی بے شمار عمودی چوٹیان جو پانچ حصون مین تقسیم کیجا سکتی ہین گرینائٹ پتھر کے ستونون کے مثل باہم پیوستہ دکھلائی دیتی ہین۔ کوہستان مین داخل ہوکر ایک عجیب منظر پیش نظر ہوتا ہے یعنی سیاح اپنے گرداگرد حد نظر تک بلند اور دہشت انگیز چٹانین بادلون کو چھیدکر آسمان سے ملی ہوئی دیکھتا ہے۔ اسکے دامن مین دور دور زمین نے گویا سبزہ زار کو اُگل دیا ہے کھجورون کے کنج اور سبز جھاڑیون کے جھنڈون مین گل انار کے آتشین خوشے شجر اخضر مین نار کا سمان باندھتے ہین۔ انھین جھاندون مین سے ایک شفاف چشمہ درختون کی جڑون سے لپٹا ہوا جھاڑیون مین غائب ہوجاتا ہے لیکن ہزار ناز و انداز سے پیچ و خم کھاتا ہوا اور دو طرفہ خرما اور انار

کے درختون کی پا بوسی کرتا ہوا ہلکی ہلکی چٹپاؤن کے
زیر و بم کے ساتھ ایک گلگشت مین نمودار ہوتا
ہے جہان اشتیاق ملاقات مین گل سوسن
کنارون سے سطح آب پر جھکے پڑتے ہین اور
آب روان مین تر زبان ہوکر اپنے مالک کی
یاد مین جھومنے لگتے ہین رفتہ رفتہ یہ چشمہ حیات
تھوڑی بلندی سے آبشار کا لطف پیدا
کرنے کے لیئے نیچے گرتا ہے اور کچھ دور چلکر
حدود ریگستان مین قدم رکھنے نہین پاتا کہ یک
لخت اسطرح تشنہ لب ریت مین خشک ہوجاتا
ہے جیسے جاذب کاغذ مین سیاہی۔

جبل موسی

بعض لوگون نے جبل سرابل کی عظمت کو
دیکھکر اسی کو جبل موسی کہا ہے لیکن درحقیقت
وہ اس سے آگے جنوب دمشرق کی جانب واقع
ہے۔ اسکے دامن مین یہودیون کے معبد بنے
ہوے ہین اور انکے گرداگرد باغات نے مقامی
فضا کو دوبالا کردیا ہے۔ یہان کے رُہبان
عرب ملازمون کی مدد سے باغبانی اور زراعت
کرتے رہتے ہین ایک مدت تک معبد کو پہاڑی
قلعہ مین محفوظ رکھا جاتا تھا کیونکہ بدوی اقوام
کا خطرہ رہتا تھا۔ اسوقت زائرین کو بدقت تمام
ایک چھوٹے سے تخت پر بٹھلاکر رسیونکی مدد سے
بالاے دیوار کھینچتے تھے اور بدشواری اندرون
معبد مین داخلہ میسر ہوتا تھا۔ اب چند سال سے
چونکہ بدوون سے موافقت ہوگئی اور زائرین
کی تعداد بھی بڑھ گئی ہے اسلیئے ایک دروازہ
دیوار توڑکر بنا لیا گیا ہے پھر بھی نہایت مضبوط
آہنی کواڑ حفاظت کے لیئے بند رہتے ہین۔

منّ یا ترنجبین

منّ یا ترنجبین جسکا ذکر (منّ سلوی)
قرآن شریف مین آیا ہے یہان کی خاص تجارتی
چیز ہے اور یہی بڑا ذریعہ معبد اور راہب خانہ
کی آمدنی کا ہے۔ اسوقت تک یہہ رواج چلا
آتا ہے کہ ترنجبین طلوع شمس سے پیشتر جمع
کرلیجاتی ہے کیونکہ بعد کو یا تو سخت ہوتی یا شبنم
کی طرح غائب ہوجاتی ہے ریگستان کے دہرین
کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے وقت مین اسکی
پیداوار بڑھ گئی تھی اور اسی کو معجزہ کہتے ہین
لیکن بہت سے عیسائی عالم ابتک اس امر پر
متفق الراے ہین کہ افزایش نہین بلکہ ترنجبین
کی پیدایش ہی معجزہ سے ہوئی تھی۔

یہ جبل موسیٰ جہان خداے پاک نے موسیٰ کو اپنا جلوہ دکھلایا تھا معبد سے دو ہزار فیٹ او سطح سمندر سے ۵۷۳۷ فیٹ بلند ہے چوٹی تک دو سڑکین بنی ہوئی ہین - ایک قدیم بٹیا ہے جو نزدیکی راہ ہے لیکن دشوار گزار دوسری خدیو عباس پاشا نے تعمیر کرا لی ہے اور وہ اس قابل ہے کہ اونٹ اوس پر چل سکتے ہین اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک چٹان مین گہرا نشان ہے جسکی نسبت بقول ایک انگریزی سیاح مشہور ہے کہ وہ آنحضرت صلعم کے اونٹ کے قدم کا نشان ہے عین چوٹی پر دوش بدوش ایک عیسائی گرجا اور ایک اسلامی مسجد واقع ہین جو اسلامی غیر متعصبی اور تالریشن کی اعلی مثالین ہین -

یہان کا منظر بھی نہایت پر اثر اور پریشان ہے کیونکہ منڈی چوٹیان نہایت بے ترتیبی کے ساتھ ایکدوسرے سے ملی ہوئی کچھ پیچ طور پر سر بلند کئے ہوئے ہین -

قلعہ العریش مصر اور حدود شام کے مابین ایک وادی کے کنارے ساحل بحر سے ۵ فرلانگ پورٹ سعید سے ۵۴ میل بجانب مشرق اور غزہ سے ۳۶ میل بسمت جنوب و مغرب ایک چھوٹا قصبہ دو ہزار کی مردم شماری کا ہے اسکے گرد ایک قدیم شہر پناہ بھی ہے جسکا قدیمی نام ریتو قولورہ تھا -

جزیرہ نما اور اسکا شمالی پھیلاؤ جزیرہ نما کا رقبہ تقریباً ۱۱۵۰۰ مربع میل ہے یعنی صوبہ اودھ سے قریب نصف کے ہے - اس قطعہ کے شمال مین ایک ریگستانی طبقہ فلسطین تک پھیلا ہوا ہے جو بالکل غیر آباد اور خشک ہے کوسون تک پانی کا نشان تک نہین -

خلیج عقبہ زمانۂ قدیم مین یہہ خلیج جسکا طول تقریباً ۱۳۰ میل اور خلیج سوئز سے کچھ ہی کم ہے بحر قلزم کی نہایت اہم شاخ تھی کیونکہ ہندوستان سے جو ذخائر بذریعہ قلزم آتے تھے وہ اس ہی کے ساحل پر اوتر کر اور اونٹون پر بار ہوکر شام و غیر اطراف مین تقسیم ہوجاتے تھے -

---

جزیرہ نما کے راستے پانی نہونے کے باعث

بدّو بھی سفر کرتے ہوے گھبراتے ہین جبل موسیٰ پر بوجہ ایک راہب خانہ کے زائرین جاتے رہتے ہین یا مصری حجاج کے لیئے راستہ ہے جو بوجہ دشوار گزار ہونے کے ترک کر کے بحری راستہ اختیار کیا گیا ہے عقبہ سے سوئز تک جو راستہ گیا ہے اسپر بھی کم آمد و رفت ہے۔ علاوہ اسکے چند راستے شمال کی طرف بھی جاتے ہین لیکن آمد و رفت شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔

طابہ چند جھونپڑیون کا ایک گاؤن ہے وہان کنوان ہونے کیوجہ سے

پڑاؤ سا ہو گیا ہے۔ عقبہ سے ۷ میل جنوب مین ایک مصری فوجی چوکی نوی بیا مین ہے جہان چند باشی بزوق رہتے ہین عقبہ اور نوی بیا کے مابین صرف طابہ ہی مین پانی مل سکتا ہے پس طابہ کی اہمیت ظاہر ہے چونکہ طابہ پر ترکی قبضہ ہونے سے جنوب سے حملہ آور فوج پیاسی ہی سے تباہ ہو سکتی ہے۔ طابہ سے ۵ میل جنوب مین ایک چھوٹا سا جزیرہ فرعون نامی

ہے۔ اسمین ایک ترکی قلعہ کے کھنڈرات تک موجود ہین۔ اسمین پانی کے ذخائر کے لیئے بڑے بڑے حوض بنے ہوے ہین۔ یہی جزیرہ ہے جسمین انگریزی جہاز ڈیانا اور مصری جہاز نور البحر دوران تنازعہ مین موجود رہے۔ فوجی لحاظ سے بیکار ہے کیونکہ پانی نہونیکے علاوہ طابہ کی چوٹیون سے توپون کی زد با آسانی پڑ سکتی ہے نیز قصر البداد سے جو مقابل ساحل پر واقع ہے اس مورچہ کو تباہ کیا جا سکتا ہے تیسرے جزیرہ کوہستان ہے اور سمندر سے فوجون کا اسمین داخل ہونا آسان نہین۔

ساحل عقبہ طابہ اور عقبہ کے درمیان پہاڑیان زیر آب موجود

ہین اسلیئے راستہ نہایت خطرناک ہے نیز خشکی کے راستہ مین ساحل کے متوازی کئی خوفناک دلدلین واقع ہین کیونکہ ساحل کا بہت سا حصہ سال کے ایک حصہ مین غرقاب رہتا ہے۔

عقبہ ایک چھوٹی سی آبادی ہے جو ایک سرسبز

نخلستان مین جبل شافہ کے جنوبی سرے پر اور خلیج عقبہ کے شمالی مین نوک پر واقع ہے

سیاحین سینا کو منڈے پہاڑون کا منظر دیکھتے دیکھتے یہ جگہ نہایت فرحت بخش معلوم ہوتی ہے ۔ بازار ابھی تک نہین ۔ ریل ہوجانے کے بعد یہ ایک نہایت اہم شہر ہوجانے کی اُمید دلاتا ہے ۔ کیونکہ یہ مقام فلسطین مصر العریش اور مکہ شریف کی سڑکون کے تقاطع پر واقع ہوا ہے اور ترقی پاکر بڑے اعلےٰ درجہ کا جنکشن ہوجائیگا ۔ آب رحمت کی یہان کثرت ہے اور چند انچہ زمین کریدنے سے فوراً آب شیرین نکل آتا ہے ۔ اسلئے یہ مقام اس حیثیت سے بے نظیر ہے ۔ لیکن یہ صورت سمندر کے ساحل کے قریب صرف ایک میل مین دیکھی جاتی ہے ۔ سال گذشتہ سے ترکی فوج مین بہت کچھ اضافہ ہوگیا ہے ۔ معان سے عقبہ تک تار کا سلسلہ قائم ہے لائن کی بھی تجویز تھی لیکن اب بجاے اسکے قلعہ مدورا سے لائن لائی جائیگی جو عقبہ سے ۱۲۰ کیلومیٹر ہے یہ لائن بسرعت بن رہی ہے ۔

صحراے تیہ

وادی العریش اور اور کوہستان سینا کے مابین ایک قابل ذکر دشت واقع ہے اسمین ریت نہین بلکہ ہموار سرزمین ایسی سخت ہے جیسے کنکر کی سڑک ہوتی ہے ۔ عقبہ اور سوئز کا راستہ اسی مین ہوکر گزرتا ہے صرف عقبہ اور سوئز کے قریب بلندی عبور کرنا پڑتی ہے ۔ پانی کی قلت ہے ورنہ خاصی قدرتی سڑک بنی ہوئی ہے ۔ مگر فوجی کام کے لئے یہ راستہ بیکار ہے نہ مصری فوج عقبہ تک آسکتی ہے نہ ترکی فوج اس راستہ سے سوئز تک پہونچ سکتی ہے وجہہ وہی پانی کا نہونا ہے ۔ ایک دوسرا پڑاؤ قلعہ نخل مین ہے جہان مصری باشی بزوق رہا کرتے ہین عقبہ سے سوئز تک تین دن کی مسافت ہے ۔ العریش اور عقبہ کے درمیان ریلوے لائن بنجانے سے ترکون کے لئے نہر سوئز بالکل بیکار ہوجائیگی ۔

ابودلامہ

ابودلامہ خلفاے عباسیہ کے زمانہ مین ایک مشہور زندہ دل اور ظریف شاعر گذرا ہے

اسکی ظرافت کا اِس سے بڑھکر اور کیا ثبوت دیا جائے کہ آج اوسے صدیان گذر گئین سلطنتین مٹ گئین۔ زمانہ نے بہتیری کروٹین بدل ڈالین لیکن پھر بھی ابو دلامہ کا نام اور اوسکا کلام زندہ ہے۔ لوگ اوسکی حرکات یاد کرکے اب بھی ٹھٹھے مارا کرتے ہین۔ ذیل مین ایک لطیفہ درج کرتا ہون جسکا تعلق ابو دلامہ سے ہے :-

(۱)

جہانتک معلوم ہوا ہے ابو دلامہ نہایت بزدل تھا۔ ہمیشہ یہی دعا کرتا کہ اللہ مجھے میدان جنگ مین نہ لیجائے۔ جب خلیفہ مہدی کو یہ معلوم ہوا اوسنے ابو دلامہ کو بلاکر حکم دیا "روح بن حاتم ایک مہم پر جارہا ہے تم بھی فوج مین شریک ہوکر اوسکے ساتھ میدان جنگ کو جاؤ"

ابو دلامہ۔ امیر المومنین ! نہ مین سپاہی نہ میرے باپ دادا سپاہی۔ مجھ سے یہ کام کیونکر ہوسکیگا۔

خلیفہ ایک فوجی سپاہی رخصت پر ہے اور تمکو اوسکی جگہہ جانا ہوگا

ابو دلامہ۔ حضور مین کئی روز سے آپ بیمار ہو رہا ہون۔ ایسی حالت مین کیا خاک لڑونگا۔ حضور کسی اور کو بھیجدین۔

خلیفہ۔ نہین تم کو جانا ہوگا ورنہ تمھارا سر قلم کردیا جائیگا

اب ابو دلامہ اپنا تمسخر وغیرہ سب بھول گئے۔ قتل کا نام سنتے ہی ہاتھون کے طوطے اُڑنے لگے۔ بہت التجا کی کہ جنگ مین نہ بھیجا جائے لیکن خلیفہ پر کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر مجبوراً مرنے پر کمر باندھی۔ چلتے وقت خلیفہ نے پرائیویٹ طریقہ پر روح کو سمجھا دیا کہ میدان جنگ مین بھی اوسکی بزدلی و نامردی کا تماشہ دیکھنا۔

(۲)

میدان کارزار گرم ہے۔ دشمن کی صفون سے ایک قوی ہیکل نوجوان میدان مین نکلکر خلیفہ کی فوج سے اپنا مقابل طلب کر رہا ہے۔ روح ابو دلامہ سے کہتا ہے کہ "اسکے مقابلہ کو تم جاؤ"

ابو دلامہ میرے پاس نہ تو آپ کا سا گھوڑا ہے نہ تلوار جس سے دشمن کو مغلوب کرسکون۔

اگر ایسا گھوڑا اور ایسی تلوار ہوتی تو دشمن سے دوچار ہاتھ کرنے مین کچھ مضائقہ نہ تھا۔

روح۔ (ہنسکر) بخدا مین یہی گھوڑا اور یہی تلوار تمھارے سپرد کرتا ہون۔ دیکھون لڑائی مین کیا ہنر دکھاتے ہو۔ یہ کہکر روح نے اپنا گھوڑا اور تلوار ابو دلامہ کو دی۔ اوسنے ناچار تلوار گلے مین حمایل کی گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے مقابل سوار کی جانب دیکھکر اسطرح گویا ہوا۔

ابو دلامہ۔ یہ تو بہت قوی ہیکل ہے مین اس سے کیا مقابلہ کرسکتا ہون۔

روح۔ تم ابھی سے گھبراتے کیون ہو۔ پہلے دوچار ہاتھ تو ہو لینے دو پھر کہنا کہ اوسکے مقابلہ کے ہو یا نہین۔

ابو دلامہ۔ مین ایسے مقابلہ سے باز آیا۔ اوسکے سامنے مین ایک چڑیا کے برابر بھی نہین آپکو خلیفہ کی قسم آپ مجھے اوسکے مقابلہ کو نہ بھیجین۔

روح۔ جب تمھاری خواہش کے مطابق میری تلوار اور میرا گھوڑا تمھارے پاس موجود ہے تو خوف کھانے کا کیا سبب۔

ابو دلامہ (اپنے لرزتے ہوے ہاتھون سے تلوار نکالتے ہوے) لیجئے مین آپکی تلوار آپ کو واپس دیتا ہون۔ مجھے معاف رکھئے۔

روح۔ (زور سے) خبردار۔ اگر تم گھوڑے سے اوترے یا تلوار علیحدہ کی تو بھی قتل کرڈالے جاؤگے۔ تمکو اپنے حریف کے مقابلہ کے لیے ضرور جانا ہوگا۔

ابو دلامہ۔ خیر۔ اب آپکو یہی منظور ہے کہ مین مارا جاؤن تو مین بھی شاکر برضاے الٰہی ہون۔ یہ میری زندگی کے آخر لمحے ہین۔ اب لوٹ کر آنا تو محال ہے اور اگر آپ مجھے لڑائی پر جانے کے لیے مجبور کرتے ہین تو مین بھوکا ہرگز نہ جاؤنگا۔ اسوقت بھوک زیادہ لگی ہے پس آپ میرے لیے کچھ کھانے کا انتظام کردین تو مجھ مین کچھ طاقت ضرور آجایگی۔ روح نے اپنے ملازمین کو کھانا لانے کے لیے حکم دیا۔ مرغ کا بھنا ہوا گوشت اور کچھ روٹیان لائے۔ ابو دلامہ نے جلدی مین کچھ کھایا اور باقی کمر سے باندھ گھوڑے پر سوار ہو حریف کے مقابلہ کو نکل کھڑا ہوا۔

(۴)

ابو دلامہ میدان جنگ مین پہونچگیا ہے۔ اوسکا حریف تلوار لے کر اوسکی جانب جھپٹا۔ ابو دلامہ نے چیخ کر کہا "ٹھہرو بھائی ٹھہرو۔ اتنی جلدی نہ کرو۔ پہلے ایک بات سن لو جب لڑینگے"

حریف۔ (حیران ہوکر) تم لڑنے آئے ہو یا باتین کرنے۔

ابو دلامہ۔ ہم سپاہی آدمی۔ ہمین جان کا کیا خوف۔ اور جب اپنی فوج سے نکلکر آئے ہین تو لڑنے ہی کے لیئے۔ مگر مجھے تم سے ایک بات دریافت کرنی ہے جب تک تم اوسے نہ سُن لو تمپر لڑنا حرام ہے۔

حریف۔ اچھا کہو کیا کہتے ہو

ابو دلامہ۔ تمھارا مذہب کیا ہے

حریف۔ میرا مذہب خارجی ہے۔

ابو دلامہ۔ مین بھی خارجی المذہب ہون۔ کیا ہم مذہب پر تلوار اوٹھانی جائز ہے۔

حریف۔ نہین۔

ابو دلامہ۔ جو تم سے لڑنا نہ چاہے کیا اوسپر حملہ کرنا جائز ہے

حریف۔ نہین

ابو دلامہ۔ جو تم سے لڑنا پسند نہ کرے کیا اوسپر حملہ کرنا جائز ہے؟

حریف۔ ہرگز نہین۔

ابو دلامہ۔ جب ہم دونون ہم مذہب ہین اور مین اسیوجہہ سے تم سے لڑنا بھی نہین چاہتا تو کیا جائز ہے کہ تم مجھ پر حملہ کرو۔

حریف سوچ مین پڑ گیا۔

ابو دلامہ۔ ہان ایک بات مجھے اور پوچھنی ہے۔ کیا میرے اور تمھارے درمیان کوئی قدیمی دشمنی ہے۔

حریف۔ نہین

ابو دلامہ۔ کیا میرے اور تمھارے رشتہ دارون مین کچھ عداوت ہے۔

حریف۔ ہرگز نہین

ابو دلامہ۔ اب تم ہی غور کرو۔ نہ تو مین تم سے لڑنے کا خواہشمند۔ نہ میرے تمھارے درمیان ذاتی رنجش نہ خاندانی عداوت بلکہ ہم دونون ہم مذہب ہین۔ پھر ایکدوسرے کے خون کا پیاسا ہونا سراسر حماقت ہے یا نہین۔

حریف۔ بخدا تم سچ کہہ رہے ہو۔ ہم دونون دوست اور بھائی ہین۔ ہم ہرگز ایکدوسرے سے نہ لڑینگے۔

ابو دلامہ۔ خدا تمھارا بھلا کرے۔ تم بڑے عقلمند معلوم ہوتے ہو۔ مین اپنے ساتھ کچھ کھانا لایا ہون اگر تمکو مناسب ہو تو دونون گھوڑون سے اوتر پڑین۔ کھانا کھایا گیا۔ اسکے بعد ابو دلامہ نے کہا "اب ہمین مصافحہ اور معانقہ کرنا چاہئے اور ایکدوسرے سے بقسم اقرار کرنا چاہئے کہ اگر ہمارے سردار ہمین ایکدوسرے کے مقابلہ پر کبھی بھیجین ہرگز نہ آئینگے چنانچہ قسم و اقرار کے بعد دونون اپنی اپنی فوجون کو واپس ہوے

(۴)

روح بن حاتم یہ تمام واقعات دیکھ دیکھ کر ہنس رہا ہے کہ اتنے مین ابو دلامہ واپس آگیا روح نے ہنسکر پوچھا ابو دلامہ تمنے اپنے حریف پر کیا پڑھ کر پھونک دیا" ابو دلامہ نے تمام قصہ سنایا جسے سنکر سب ہنس پڑے۔

روح (ایکدوسرے حریف کو میدان مین دیکھکر) ابو دلامہ! تمھارا دوسرا مقابلہ بھی آگیا۔ اب تم اس سے بھی جنگ کرنے کے لئے جاؤ

ابو دلامہ (گڑگڑا کر) اب اسکا یہی انجام ہونیوالا ہے کہ مین اپنے دشمنون مین ذلیل ہون آپکے بزرگ موت سے نہ ڈرتے تھے آپ بہادری سے سب پر حملہ کرتے ہین۔ جان کی پرواہ

نہین کرتے۔ لیکن میرے بزرگون نے بہادری اور جرارت میرے ورثہ مین نہین چھوڑی۔ اگر میرے قالب مین دو جانین ہوتین تومین ضرور ایک آپ پر فدا کر دیتا مگر مشکل تو یہ ہے کہ میرے پاس صرف ایک ہی جان ہے۔ اگر اسے فدا کر دیا تو مین کیا کرونگا۔

روح بن حاتم کو اوسپر رحم آگیا اور اوسے میدان مین جانے سے باز رکھا۔

شبیر حسین مارہروی
متعلم سکنڈ ریر کلاس

خطبہ بہ صنعت مہملہ مصنفہ مولانا مولوی حاجی محمد امین صاحب عباسی چریاکوٹی معہ ترجمہ حافظ محمد متین خانصاحب شاہجہانپوری

الخطبه المصنوعه فی صنعه الاهمال المهداه الی السید راس مسعود المحترم

اِسْمُهٗ اَسْمَی الْاَسْمَاءِ

اوس کا نام بلند ترین نام ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْوَدُوْدِ السلام العلام المحمود محکم اساس الکحل

تمام تعریف خدا کیلئے جوکہ بادشاہ ہے دوست ہے سلام ہے سب سے بڑا عالم ہے تعریف کیا گیا ہے عرصٔہ آسمان کی بنا

الممدود عمر آل داؤد دمّر رهط هود لاعد دعاده لعطایه

کا مضبوط کرنیوالا ہے داؤد کی اولاد کو آباد کیا ہود کے قبیلہ کو ہلاک کیا کوئی عدد اوسکی بخشش کو شمار نہین کر سکتا

ولا امد حاده لا الا هو الواحد الاحد الصمد لاوالد له

کوئی انتہا اوسکی نعمتون کی تحدید نہین کرسکتی وہ ایک ہے تنہا ہے نرادہار ہے اوسکے کوئی باپ نہین

ولا له مداول الدهور والاعصار مكور الطوس والسرار

اور نہ کوئی اوسکا زمانہ اور اوقات کا لوٹ پھیر کرنے والا ہے سورج اور چاند کا لوٹانے والا ہے

لا راد لاوامره واحكامه ولا صادّ لاكرامه والمامه مهّد

نہ اوسکے احکام کا کوئی رد کرنیوالا ہے اور نہ اوسکے بخشش اور بلا کا کوئی روکنے والا اپنے

سماط السماح لاوداده وحرم السرور الدائم على اعدائه

اپنے احباب کیلئے اوسنے بخشش کا خوان بچھایا اور اپنے دشمنوں پر دائمی خوشی کو حرام کردیا

كرم ولد آدم واعلى محالهم والصلحاء اعد لهم دار السلام

آدم کی اولاد کو اوسنے بزرگی دی اور اونکا مرتبہ بلند کیا اور نیک بندوں کے لئے اوسنے جنت مہیا کی

لهم السودد والاكرام ما دعاه احد الا وسمع دعواه ولا هم

اونکے واسطے سرداری اور بخشش ہے کسی نے اوسے نہیں پکارا مگر اوسنے اوس کی دعا سن لی اور کسی

مرمل الا واساه ماوى كل حائر وحائره مرام كل مكمود هائه

مفلس نے غم نہیں کیا اور اوسنے غمگساری کی ہر حیران اور سرگشتہ کے پناہ کی جگہ دی ہر غمزدہ پریشان کا مدعا ہے

ولاءه طود لكل حمك واهرام ووداده صرح لكل مصروع السوء

اوسکی دوستی ہر بچے اور بڈھے کے لئے ایک پہاڑ ہے اور اوسکی یاری ایک قلعہ ہے اونکے لئے جسکو برائی اور دکھ نے

والآلام دره ركام هاطل ورده حمام هائل اللهم صل على

زمین سے لگادیا ہے اوسکی بخشش ابر باران ہے اور اوس کا دور کرنا مرگ ہولناک ہے اے خدا درود بھیج

محمد رسوله مولى الامم وال للصعلوك المهموم المكلم وعلى

اپنے پیغمبر محمد امتوں کے مالک پر زخمی غمگین فقیر کے والی اور اونکے

آله واهله الكرام واولاده الاعلام مالك الماء السلسال والدور

آل اور اولاد بزرگ پر اور اونکے اولاد مشاہیر پر آب شیرین اور خانہاے بلند کے مالک

الآطام موسس اساس العدل والصلاح طامس الالواء والطماح

انصاف اور نیکی کے بنیاد کے مستحکم کرنے والے سرکشی اور سختی کے مٹانے والے

كاسر ودّ وسواع حامٍ للأسارى والرعاع حرّم العهر

ودّ وسواع (بتان مکہ) کے توڑنیوالے قیدیوں اور رعیتوں کے حامی زنا کو حرام کیا

واحلّ الطهر حارس الحلّ والحرم مالك لوائه المحمود الاسلم

اور نکاح کو جائز کیا حل اور حرم کے نگہبان اپنے لواء محمود وسالم کے مالک

صعد السماء دُمُسًا مُدلهمًّا ورأى مالكه وكلّمه كلامًا محكمًا

آسمان پہ تیرہ وتار رات میں چڑھ گئے اور اپنے مالک کو دیکھا اور اوس سے مستحکم کلام کیا

وأراه الله العلّام ما لا أراه رسولًا سواه وأعطاه ما سأله و

اور اونکو خدا نے وہ چیزیں دکھائیں جسے اونکے سوا کسی رسول کو نہیں دکھایا اور جو کچھ مانگا اور جسکی خواہش

هواه واحلّه أعلى محلّ لداه ما طاول رسول علاه اللهم اعط

کی اوسے اونکو دیا اور اپنے نزدیک اونکو بلند جگہ میں اوتارا کسی پیغمبر نے اونکی برتری کا مقابلہ نہیں کیا اے خدا اونکی

اولاده سداد العمل والصلاح واهدهم صراط الاسلام

اولاد کو عمل راست اور نیکی عطا فرمایا اور اونکو اسلام کی صاف راہ دکھا

الصراح الله الله احمدك لما وصل ساع السرور والمراح

اللہ اللہ میں تیری تعریف کرتا ہوں اسوجہ سے کہ خوشی اور سرور کی گھڑی آپہونچی

ودار كاس المدام والراح لما لمع طوس الآمال ولاح وحصل

اور شراب کے پیالہ کا دور چلا کیونکہ امیدون کا آفتاب روشن ہوگیا اور جسکو

ما رامه اللوام والكرام مدى الدهور والاعصار والاعوام

سب معززوں اور عوام مدتوں اور برسوں سے چاہتے تھے حاصل ہوگیا

الحمد لله عُمّمَ ورصّع المسود الهمام راس مسعود راس كل الرؤساء

الحمد للہ سید بزرگ راس مسعود رئیسوں کے سردار کو عمامہ باندھا گیا

حُلّلا لوامع مرصّعا لؤلؤًا وزُرّ الارطم والمصاهرة وعم

اور وہ نکاح اور دامادی کے لیے موتیون سے آراستہ اور مکلف لباس سے پیراستہ کیے گئے

الملا روح و رواء و سراء سائرہ هو السمدع اللهوم السامل

جماعت پر فرحت اور تازگی اور خوشی وانبساط عام ہوگئی انکی ذات بزرگ اور شجاع اور مصلح اور

الكرام السمح الحلاحل اللهم احرسه حرسا كاملا و اعط له

بڑی سخی ہے اے خدا اونکی پوری نگہبانی کر اور تجھسے جو

ما دعاك سائلا اللهم اعط له ولدا صالحا عالما مكرما ورعا

کچھ طلب کرین تو اونکو دے اے خدا اونکو لڑکا دے جو نیک ہو عالم ہو بزرگ ہو پارسا ہو

عرصما و اسمعه السودد على الاسود و الاحمر و داوم سمعه على

بہادر ہو اور اوسکو برتری دے ہر سیاہ اور سفید پر اور اوس کی نیکنامی کو

ممر العصر و الدهر اللهم حام احمائه و عاد اعدائه راس مسعود!

قائم رکھ جبتک زمانہ کی گردش ہے اے خدا اونکے اعزہ کی حمایت کر اور اونکے دشمنوں سے دشمنی کر اے راس مسعود

ارسل لكم كلاما مهملا سالكا مسلك الوالد المرحوم كما ارسله

مین تمھارے لئے کلام بے نقط بھیجتا ہون والد مرحوم کے طریقہ پر جیسا کہ اونہون نے

لوالدكم المرحوم المسود المحمود اعلى الله محله لداه و اروى

تمھارے والد مرحوم سید محمود کے لئے بھیجا تھا اللہ اونکے مرتبے کو اپنے پاس بلند کرے اور اونکے

سمامه المرموس و اعصاه دام طوس مكارمكم طالعا و سرار

جسم مدفون کو سیراب کرے آپکے بزرگیون کے آفتاب کو چمکتا اور آپ کے محامد کے

محامدكم لامعا والسلام

ماہتاب کو روشن رکھے والسلام

حررہ الملوم الاواہ محمد امين العباسی

ابن الفاضل المرحوم مولوی محمد فاروق چریاکوٹی

سہرا - از جناب ایوب احمد صاحب آثم معتمد اعزازی انجمن حامیۃ الشعر

زہے قسمت سر مسعود پر ہے جلوہ گر سہرا ‏ ‏ ‏ نہ کیون نازان ہو اپنے طالع مسعود پر سہرا
تجھے زیبا نہو کیون سید والا گہر سہرا ‏ ‏ ‏ کہ علم و فضل کا ہے مدتون سے تیرے سر سہرا
مبارک ہو تجھے اے نازشِ اہل ہنر سہرا

نہین سہرا - نوید خرمی جاودان ہے یہہ ‏ ‏ ‏ ہے پھولون کی لڑی یا زیورِ بخت جوان ہے یہہ
جو رشکِ نظم پروین ہے تو فخر کہکشان ہے یہہ ‏ ‏ ‏ طلوع آفتابِ اوج طالع کا نشان ہے یہہ
وہ دیکھو ہنس رہا ہے صورت صبح ظفر سہرا

یہہ مانا لعل و گوہر ہین زیادہ قدر و قیمت مین ‏ ‏ ‏ مگر پھولون کے آگے ہیچ ہین صورت مین سیرت مین
کھلی پڑتی ہین کلیان دیکھئے جوشِ مسرت مین ‏ ‏ ‏ اوڑی پھرتی ہے نکہت چار جانب بزمِ عشرت مین
ابھی دیکھین نکالے اور بھی کیا بال و پر سہرا

تمنا بعد مدت قوم و ملت کی بر آئی ہے ‏ ‏ ‏ یہہ تقریب مبارک رحمتِ حق نے دکھائی ہے
نکل کر دل سے حسرت بہر دید آنکھون مین آئی ہے ‏ ‏ ‏ فروغِ چشم ملت کی یہہ بزم کتخدائی ہے
بجا ہے اہل محفل گر بنے تارِ نظر سہرا

خوشی آ آکے جب پہلوئے دل کو گدگداتی ہے ‏ ‏ ‏ تو ہر دل کی کلی جوشِ طرب مین مسکراتی ہے
نگہ فرطِ فرح سے فرش گل پر لوٹ جاتی ہے ‏ ‏ ‏ دلون سے آج اُٹھ اُٹھ کر دعا یہہ لب تک آتی ہے
کرے تیرے نہال آرزو کو بارور سہرا

خوشی پھیلی ہے ہر سو آج اِس بزمِ ہمایون سے ‏ ‏ ‏ صدائے مرحبا آتی ہے باغ و راغ و ہامون سے
وفور شادمانی مین یہہ بولی زہرہ گردون سے ‏ ‏ ‏ گلون نے آبرو پائی ہے تیرے بنے گلگون سے
بنا رشکِ ثریا چاند سے رخسار پر سہرا

ترا مضمون ہے اے آثم کہ کوئی غنچۂ گل ہے ‏ ‏ ‏ کہ بزمِ عیش مین صلِ علیٰ کا چار سو غل ہے

بہم الفاظ مین باہم دگر کتنا تسلسل ہے ۔۔۔ ہر اک مصراع موزون روکش گیسوے سنبل ہے
پسند طبع فرمائین نہ کیون سب نکتہ در سہرا

سہرا

بتقریب شادی کتخدای جناب مسٹر راس مسعود صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

بنائی مانیٔ قدرت نے جب تصویر سہرے کی ۔۔۔ اوڑالی مہر و مہ نے تھوڑی سی تنویر سہرے کی
فلک کے پاؤن مین تیرے موکل ہا طالع نے ۔۔۔ بشکل کہکشان پہنائی ہے زنجیر سہرے کی
گل سیارگان کو پنجۂ خورشید نے آخر ۔۔۔ پرو کر سلک ضو مین کر ہی لی تدبیر سہرے کی
عجب ایک شور شادی چرخ پر اللہ اکبر تھا ۔۔۔ جو مرغ صبح عشرت نے پڑھی تکبیر سہرے کی
رُخ مسعود بن محمود بن سید کا دربان ہے ۔۔۔ نہ کیون بہرام گردون سے بڑھے توقیر سہرے کی
خوشا زہا مبارک ہو اسی سہرے کے سر سہرا ۔۔۔ قلوب قوم کو روشن کرے تنویر سہرے کی
چمکتا ہو تجھے مثال مہر تابان اے بدر ہر ذرہ ۔۔۔ مزہ اکسیر کا کالج کو دے تاثیر سہرے کی

بدر جلالی

قصیدہ فارسی از جناب اقبال احمد خانصاحب سہیل

خوشا بنا بنا سراے ہندو خرم سرو ریحانش ۔۔۔ کہ رضوان آرزو دارد تماشاے بہارانش
نسیمش عطر می بیزد شمیمش فرحت انگیزد ۔۔۔ گلش صد حلقہ آویزد بگوش عندلیبانش
ہوایش جانفزا باشد فضایش دلربا باشد ۔۔۔ ثنایش را بجا باشد کہ گویم باغ رضوانش
شقیقش عارض خوبان عقیقش چون لب جانان ۔۔۔ بہار گلشن رضوان فداے سرو ریحانش
تلالش طور در رفعت نہالش حور در قامت ۔۔۔ جمالش ہور در طلعت زہے عز و خہے شانش
بحارش روکش کوثر بہارش از ارم خوشتر ۔۔۔ خیابش سدرہ را ہمسر چہ جاے سیب و رمانش

عذارش مست چون میکش چنارش سبز در آتش — بهارش چون نگارے خوش جنون افزاست الیش

نهالش خوش عیان دلکش درون لعل و برون آتش — چنان آراست مینو وش چمن پیرایۂ امکانش

درین بستان سرا دانی چمن زار سیت لاثانی — که شد فر مسلمانی فزون از رفعت شانش

بهارش هر که می داند بهشت عیشش خواند — ز طوبیٰ داد لبستاند قد سرو خیابانش

زہے خاک علیگڈھ پایگاه علم و ارکانش — که باشد دانش آموز جهان طفل دبستانش

به رفعت چرخ اخضر شد به طلعت مهر انور شد — نکو بود و نکوتر شد کنون رنگ خیابانش

خوشا این جشن دلکش فرخا عیش فراوانش — که اعیان جهان چون خیل و مسعود است سلطانش

زہے آن خط سبز و حبذا چشم فسون خوانش — نگرد امے نهاده از پے صید غزالانش

جمال روئے و ابرو رشک ماه و مهر تابانش — بهار خط سبزش فخر خلد و سنبلستانش

بشر صورت کہ طینت ملک سیرت فلک رفعت — سزد کائینه داری میکند خورشید رخشانش

جمال شاهد سرمد نهال گلشن سید — که مسلم دم نیارد زد به حصر لطف و احسانش

ملک از خرمی شادان فلک در خوشدلی رقصان — طیور گلشن رضوان به شادی تهنیت خوانش

الٰهی شادمان باشد به گیتی کامران باشد — نگاهبت پاسبان باشد ز جور چرخ گردانش

ز بحر فیض سید گشته جاری چشمهٔ کالج — سزد ار زد اگر گویم درے هستی ز عمانش

نوا سنج مدیحت گشته ام باشد که بپذیری — که کالج گلشنے هست و سهیل از عندلیبانش

وله۔ قطعهٔ تاریخ

بحمد الله که اینک کتخدا شد — گل باغ سیادت راس مسعود

گزین نوبادهٔ گلزار سید — همایون شمع ایوانگاه محمود

چو جستم مصرع سالے چنان خوش — که باشد رشک زلف گوهر آمود

ز خورشید این ندا آمد که یارب — قران مشتری با زهره مسعود

۱۴ — ۵ھ

قطعہ تاریخ من تصنیف جناب فضل الرحمٰن صاحب قدوائی فرحیؔ

کیوں نہ ہوں فرحیؔ بخت پہ نازاں کونین
آج نوشاہ بنا گلبن گلزار حسینؓ

ہاں مبارک تجھے اے قوم بنا ہے دولھا
وہ جگر گوشۂ سید دل محمود کا چین

راس مسعود ہمایوں تجھے یہہ جشن سعید
حامل گوہر مقصد ہو یہ مرج البحرین

کیا عوض ہو ترے اجداد کے احسانوں کا
اپنے ذمہ سے اوترہی نہیں سکتا یہہ دین

قوم کا سید محمود کا سر سید کا
تو ہے تسکین جگر۔ راحت دل۔ قرۂ عین

اب دعا ہے یہی ہم سب کی کہ وہ دن آئے
گل کھلائے ترے سہرے کے خدائے دارین

تجھ کو آغوش محبت میں ہمیشہ رکھے
دامن لطف خدا ظل رسول الثقلین

نگہ حاسد بد بین سے۔ بچائے تجھ کو
حافظ خلق پئے حرمت خاک حرمین

فکر تاریخ جو کی۔ دل نے کہا اے فرحیؔ
مادہ وہ ہو کہ محظوظ ہوں جس سے طرفین

چرخ چارم سے یہہ دی حضرت عیسیٰ نے ندا
جستجوئے گل مضموں میں ہوا جب بے چین

بخت مسعود پہ کرتا ج "ہمایوں" کو نثار
"حبذا خوب ہوا آج قران السعدین"

۱۹۱۴ء

نظم درتہنیت شادی خانہ آبادی عالیجناب مسٹر راس مسعود از دم متکلم

خسرو گل کی سواری آئی باجاہ و جلال
جھومتا ہے پتا پتا ڈالی ڈالی ہے نہال

خندہ زن ہیں غنچہ و گل۔ شادماں برگ و شجر
موسم گل نے دکھایا عیش و عشرت کا کمال

شاخ گل پر ہے نشیمن غم نہیں صیاد کا
چہچہاتے ہیں چمن میں طائران خوشجمال

کوئی گلگشت چمن سے واپس آ سکتا نہیں
صید کرتا ہے دلوں کو گیسوئے سنبل کا جال

کیا دکھاتی ہے صبا اٹھکھیلیان سرمستیان
ہو بہو شوخی ہے بجلی کی پری کی چال ڈھال

گیسوئے سنبل کو شبنم نے دوبالا کردیا
بنگیا ہے سلکِ مروارید گویا بال بال

کم نہین ہوتی کسی صورت صبا کی چھیڑ چھاڑ
نوعروسانِ چمن ہین غرق آبِ انفعال

اب کہان بلبل کو بے چینی کہ ہے پہلو مین گل
اب کہان پہلی سی بیتابی کہ حاصل ہے وصال

مستئ بادِ بہاری ہے فضائے باغ مین
سبزہ بیگانہ کی صورت خزان سے پائمال

جو کدورت تھی الم کی ابر سے سب دُھل گئی
شیشۂ دل پر نظر آتی نہین گردِ ملال

آج کس تقریب کی ہے گلشنِ عالم مین دھوم
نغمہ پیرا ہے جو شاخِ کلک پر مرغِ مقال

نیک طینت نیک سیرت نیک عادت نیکدل
خوش طبیعت خوش عمل خوش خلق خوشخو خوشخصال

صاحبِ شان و تجمل راس مسعود اہل جاہ
صاحب اعزاز و حشمت صاحبِ عز و جلال

اُنکی شادی کا سر و سامان ہے باغِ دہر مین
غنچۂ مقصد شگفتہ غنچۂ دل ہے نہال

جوشِ عشرت مین ہے کل اسکول میرا ہمصفیر
وقتِ تہنیت ہین سب لڑکے بجشنِ اتصال

ہین نواسنج مبارکباد ہوکر متفق
شادمانی اِنکی پہونچی تا سرِ حدِ کمال

کیا مبارک ہے زمانہ اتفاق وقت سے
نیک شب ہے نیک دن ہے نیک ساعت نیک فال

یکزبان ہوکر دعا دیتے ہین سب بہہ لے حمید
گلستانِ دہر مین جبتک ہے دورِ ماہ و سال

مہر عالمتاب مین باقی ہے جب تک روشنی
ماہ کو جب تک میسر ہے ترقی اور زوال

رات دن باہم خوش و خرم رہین دولہا دلہن
تا ابد قایم رکھے انکو خدائے لایزال

آثم محمد عبد الحمید حمید میرٹھی طالب علم
کلاس دہم محمدن کالج علیگڈھ

مسدس تہنیت شادی خانہ آبادی عالیجناب مسٹر راس مسعود زاد تمکنکم

رات کو قسمت سے مین سرگرم خواب عیش تھا — دیدۂ راحت طلب مستِ شراب عیش تھا
سر سے پا تک راز مستور حجاب عیش تھا — پردۂ غفلت مرا بندِ نقابِ عیش تھا
کس قیامت کا نشہ تھا کسقدر طاری تھی نیند
موج سی بنکر رگ و پے مین مرے ساری تھی نیند

بیخودی مین روشناسِ لطفِ ہشیاری نہ تھا — خواب لذت آشنائے کیف بیداری نہ تھا
خود فراموشی سے پیدا رنگِ میخواری نہ تھا — تھا خمار اُسمین مگر وجہ گرانباری نہ تھا
یہ نہ تھا معلوم مجھکو ہین کدھر ہوش و حواس
نکہتِ گل کیطرح تھے منتشر ہوش و حواس

یک بیک جھونکے چلے باد مسرت خیز کے — ہو گئے ظاہر نشان صبحِ طرب انگیز کے
کچھ دئے شبنم نے چھینٹے عطر عشرت بیز کے — کچھ نشے ہونے لگے ہلکے شراب تیز کے
ہوش کا سامان ہوا۔ سامانِ مدہوشی گیا
محفلِ عالم سے دورِ خود فراموشی گیا

نور بنکر شرق سے پیدا ہوئی صبح بہار — دفعتًہ روشن ہوے دیوار و در آئینہ وار
آسمان سے مہر نے ڈالین شعاعین باربار — گلستان زرین ہوا صحنِ گلستان زرنگار
دفترِ انوار قدرت مجھ پہ یکسر کھل گیا
میری آنکھین کیا کُھلین گویا مقدر کھل گیا

ہو گیا شاداب گلشن۔ تازگی پیدا ہوئی — بوٹہ بوٹہ مین ادائے دلبری پیدا ہوئی
شاخِ گل مین کچھ لچک۔ کچھ نازکی پیدا ہوئی — ہر شگوفہ کے لئے پتی نئی پیدا ہوئی
کچھ تمنائین بر آئین۔ کچھ مرادین مل گئین

گل خوشی سے ہنس پڑے غنچون کی باچھین کھل گئین

صحنِ گلزار جہان ہے جلوہ گاہ انبساط جس روش کو دیکھئے۔ ہے شاہراہِ انبساط
پتہ پتہ سے ہے ظاہر عزو جاہ انبساط خسروِ گل ہے چمن مین کج کلاہِ انبساط

ہے عجب دلکش عنادل کے ترانون کی صدا
ہر طرف سے آ رہی ہے شادیانون کی صدا

مین نے سوچا۔ ہے یہ سب سامانِ عشرت کس لیے ہے بہم سرمایۂ آرام و راحت کس لیے
ہر طرف ہوتا ہے اظہارِ مسرت کس سے لیے شادیانون کا سبب کیا ہے یہ نوبت کس لیے

سرِّ مخفی کھل گیا۔ مجھ پر صدائے غیب سے
حل ہوا مطلب نویدِ دل کشائے غیب سے

یادگار سیّد مرحوم گردون پایہ گاہ نونہال گلشنِ محمود عالی بارگاہ
وہ چراغ ملک و ملت۔ قوم کے نور نگاہ نیک طینت۔ راس مسعود۔ اہل عزت اہلِ جاہ

ہر طرف جوشِ مسرت آپ کی شادی سے ہے
آج رونق کو بکو اس خانہ آبادی سے ہے

آرزو نکلی۔ تمنائے دلی حاصل ہوئی گوہرِ مقصود پایا۔ خورّمی حاصل ہوئی
اے زہے قسمت کہ جو امید تھی حاصل ہوئی اِس خوشی سے ساری دنیا کو خوشی حاصل ہوئی

ایک دل میرا اور اُسکے ساتھ سَو دل شادمان
یعنی کل کالج ہے تہنیت مین میرا ہمزبان

یہہ خوشی۔ یہہ عیش کا سامان مبارک آپ کو تا بہار گلشن امکان مبارک آپ کو
تا فروغ خاور تابان مبارک آپ کو تا قیام گنبدِ گردان مبارک آپ کو

آپ بزمِ دہر مین با عزّت و حشمت رہین
آپ صبح حشر تک مستِ مۓ عشرت رہین

مہر جبتک آسمان پر رُو نما ہے اے حمید　　ماہ جبتک مہر سے زینت رُبا ہے اے حمید
دہر مین جبتک فنا ہے او ربقا ہے اے حمید　　روح جبتک جسم کی دردآشنا ہے اے حمید

خوّرم و شادان قیامت تک رہین دولھا دلھن
متّحد ہون دونون آپس مین برنگ جان وتن

شہنشاہ معظم کی سیاحت ہند ۱۹۱۱ء

کے متعلق جو تاریخی سرکاری یادداشت نہایت تزک وشان سے چھپ کر کالج لائبریری مین آئی ہے اوسمین علاوہ رنگین وسادہ اعلے درجہ کی تصاویر کے جا بجا ہر عنوان کے ساتھ فارسی اور اُردو کے اشعار سرخیون کے طور پر دئے ہین ظاہر ہے کہ انکی تلاش اور انتخاب مین کچھ وقت صرف ہوا ہوگا اسلئے ہم ذیل مین ان سب کو بطور مجموعہ نقل کرتے ہین یہہ امر دلچسپی سے خالی نہوگا کہ منجملہ ۲۸ سرخیون کے صرف ۶ سنسکرت۔ نیپالی اور ہندی بھی دی گئی ہین اور جو گلکاری ان اشعار کے گرد کی گئی ہے وہ خالص ایرانی قدیم وضع کی نقل ہے جو اکثر پرانے قلمی شاہنامون وغیرہ مین دیکھے جاتے ہین۔ مصوّرون کو اسقدر مختلف وضع کے یکجا نمونے اور کہین نہ ملینگے۔

۱۔ قبصہ ہند

۲۔ بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہے۔ جسکی خدا کے بندون مین سے ہر مظلوم پناہ لیتا ہے۔
شاہے کہ پناہ ملک ودین است　　درخورد ہزار آفرین است

۳۔ ہمایست چترت ہمایون نظر　　کہ دارد بسیط زمین زیر پر

۴۔ جہانت بکام و فلک یار باد　　جہان آفرینت نگہدار باد

۵۔ تو آفتاب ملکی و ہر جا کہ میروی　　چون سایہ از قفاے تو دولت بود روان

۶۔ اے آفتاب ملک کہ در جنب ہمتت　　چون ذرّہ حقیر بود گنج شائگان

۷۔ ہندی

۸۔ بقومیکہ نیکی پسند خدا ے — دہد خسرو عادل نیک را ے

۹۔ جس کسی کو اک نظر دیکھا خزانہ مل گیا — جس زمین پر پڑ گیا سایہ گلستان کھل گیا

۱۰۔ جلوہ پرداز ہو نقش قدم شہ جس جا — وہ کف خاک ہے ناموس دو عالم کی یقین

۱۱۔ ہندی

۱۲۔ جہان پناہ سایہ کردگار پرتو لطف پروردگار

۱۳۔ تو شاکری زخالق خلق از تو شاکرند — تو شادمان بدولت و ملک از تو شادمان

۱۴۔ تعظیم تو برجان وخرد واجب و لازم — انعام تو بر کون و مکان فائض و سائل

۱۵۔ سلطان نشان عرصۂ اقلیم سلطنت — بالانشین مسند ایوان لامکان

۱۶۔ بمنصوریت در جہان رفت نام — کہ منصور باشی براعدا مدام

۱۷۔ زلف خاتون ظفر شیفتۂ پرچم تست — دیدۂ فتح ابد عاشق جولان تو باد

۱۸۔ ہندی ۱۹۔ ہندی ۲۰۔ نیپالی

۲۱۔ رسید موسم شادی و وقت آزادی — وزید باد بہاری دمید گل از شاخ

۲۲۔ جو ہے خیال رعایا کی پرورش کا سدا — تو باغ باغ ہے جو ملک زیر فرمان ہے

۲۳۔ ہندی

۲۴ آن سفر کردہ کہ صد قافلہ دل ہمرہ اوست — ہر کجا باد خدایا بسلامت دارش

۲۵۔ حکمت روان چو باد براطراف بحر و بر — مہرش روان چو روح براعضاے انس و جان

۲۶۔ صورت جاہ و جلال مقصد فضل و کرم — منظر انوار رحمت مبصر حسن شمیم

۲۷۔ شہنشاہ عادل را رعیت لشکر است

۲۸۔ (آخری لائن)

بہر منزل کہ رو آرد خدایا
نگہ دارش بحفظ لایزالی

فہرست مضامین بابت ۱۹۱۴ء

فہرست مضامین بابت ۱۹۱۴ء

المرتب

حافظ محمد متین خان شاہجہانپوری

PAGE.

S.

T.

U.

V.

W.

Z.

ia (1) Inter-Home Football Tournament, Jan
(2) Famous Water-falls April 1914 (Undo[illegible]
pages 70, 71, 72, 73)

PAGE.

M.

N.

O.

P.

R.

PAGE.

E.

F.

G.

H.

I.

J.

L.

INDEX

TO THE ALIGARH MONTHLY FOR 1914.

(*A*) *English Section.*

PAGE.

A.

B.

C

D.

honest, but fearing, brave and true; he never doubted of his duty in life or of his goal, and never failed to fulfil the one and achieve the other.

THE AUTOBIOGRAPHY OF A SEAMAN.

" His wonderful autobiography is one of the best of books. It not only reveals to us a genius for narrative scarcely excelled by Defoe himself, but unfolds for us with unconscious art the drama of a life that seems to shine ever more clearly as the decades glide away and his great naval age falls into the perspective of time. Looking back a century we see the stars separating themselves from the fitful gleams of sea and land, and among the constellation of immortal lights, smiles fairly and steadily the star of the great fighting captain—Cochrane."

PUBLICATIONS RECEIVED.

Investigations on Usar Land in the United Provinces by Dr. J. Walter Leather, F.I.C., Imperial Agricultural Chemist. Allahabad: The Government Press. 1914.

A review of this work will appear next month.

* * * *

Our Contemporaries.—We beg to acknowledge, with thanks, the receipt of the following periodicals :—

For September (received this month) *The D. J. Sind College Miscellany.*

For November (not previously acknowledged): *The Students' Own Magazine.*

For December: *The Aligarh Institute Gazette, The Canning College Magazine, The Central Hindu College Magazine, The Madras Christian College Magazine, The Meerut College Magazine, The Observer, The Ravi.*

of Drake. He died at the age of eighty-five in London on October 31, 1860, and was buried among his peers in Westminster Abbey.

NEW GRANARIES FOR THE WORLD.

"A life so homeric is not easily paralleled among the heroes of the modern world, but we believe it to be full of lessons for the future. We see in the darkest hour this tried and noble spirit conjoined with another as heroic as his own, found in a woman so kin in spirit, so dowered with the gift of self-sacrifice, that these twain, with children destined to honour their immortal memories, are able to set forth on a new Odyssey of achievement and in a new world to build up out of the wreck of the old a second career even more wonderful than the first, a career that freed an entire Continent from its chains and gave new granaries to the earth. We see the darkness disappear and a broad cloudless evening, untroubled and serene, receive these two: we would not miss one moment of their lives, nor even one hour of their sorrows; for in their sorrows even more than in their triumphs they heap up honour to our race.

HIS WONDERFUL AUTOBIOGRAPHY.

"Lord Dundonald is a deathless example to a race and a nation that to-day need more than ever examples from the heroic age. His history bids us beware of professional politicians, of professional jealousy, of reliance on mere armaments. It is, in politics and war as in faith, the spirit that quickens. It is the men, not the ships; it is the minister, not the measure; it is the workman more than the tools that matter.

"Lord Dundonald is to us an example both as a hero and a tactician; he is still more an example as a man:

by the Spanish Government and forestalling by a few months the Foreign Enlistment Act, set forth in the *Rose* with his wife and children on the congenial task of lowering in the new world the famous flag that for England's sake he had honoured and saved in the old.

" 'El Diablo,' as the Spaniards called him, with seven small vessels of war, mostly old and useless converted merchantmen, soon secured control of the sea and locked the Spanish fleet under the guns of Callao. The key of Spanish dominion was lost and won. It brought over the native Indians to the side of freedom, deprived Spain of her main harbour, fortress, and organising point in the south, and shook the Spanish hold on the whole of South America.

WESTMINSTER ABBEY.

After that great feat he "determined at once to fulfil his long-standing intention of carrying his sword to the liberation of Greece. Of that last adventure in 1827 it is sufficient to say that his command led indirectly but inevitably to the battle of Navarino, and to the end of Muhammadan influence in the Mediterranean.

" 'Your services to the country are recorded among the most brilliant of a war signalised by heroic achievements.' So wrote Lord John Russell to Lord Dundonald, and in so writing swept away for ever the meanness, the jealousy, and the corrupt memory of the dead politicians who had vainly striven to destroy the greatest seaman of a great age.

"At the age of seventy-two he became the Commander-in-Chief for the North American and West Indian stations, and so crowned his active career on the coast of a Continent where his name will ever be associated with that

THE "SPEEDY'S" HAUL.

"Then Cochrane, with a mastertouch, bade one of his men haul down the Spanish colours, when the crew, believing that their ship had struck, surrendered, and were driven into the hold while their own deck guns were pointed down the hatchway ready for instant discharge by men standing over them with lighted matches. So Archibald, Cochrane's midshipman brother, carried the *Gamo* into port. It was a unique adventure carried out in the forenoon in ninety minutes with the loss of three killed and eight wounded.

"When the *Speedy* was at last captured by three French ships of the line after a cruise of thirteen months, the tiny sloop had taken or retaken upwards of fifty vessels, 122 guns and 534 prisoners, an achievement that no words can amplify.

HOW HE DEFEATED SPAIN.

"There was a certain fitness that a seaman of Cochrane's calibre should follow in the wake of Drake's last voyage to achieve new laurels and create new fame for England in the far Pacific. From Mexico southward Spain still, in 1818, infamously misgoverned an area greater than Europe. Naval force alone was capable of breaking the chains forged before the age of Drake. Bolivar laboured on land for freedom, Chili declared her independence, but her freedom and independence were but names while Spain controlled the sea. The government of Chili secured the services of Lord Cochrane. Their representative knew what he was doing. Lord Cochrane, he wrote, is 'a man who, though his reputation alone, will be the terror of Spain, and a pivot of American liberty.' So at the age of forty-three, the greatest of living seamen, rejecting a counter offer

degrees, and the ingenuity that enabled him to escape, under Danish colours and a quarantine flag suggesting plague, from a Spanish frigate on October 21, 1800, was balanced by the calm and apparently reckless capture of the xebec frigate *Gamo* on May 6, 1801.

AN AMAZING CONTEST.

"This vessel, carrying twenty-two long 12-pounders on the main deck and eight long 9-pounders and two 24-pounder cannonades on the quarter-deck and a crew of 319 men, was deliberately attacked by the *Speedy* with her miserable 4-pounders and a total complement of 54 men, officers and boys. It looked an absurd, but was in fact a wonderful, enterprise. Evading two broadsides, the *Speedy* ran in under the great cruiser's lee, locked her yards in the Spaniard's rigging, and then poured on to the *Gamo's* main deck a devastating broadside of the treble-shotted 4-pounders. The Spanish guns loomed over the heads of the English crew and could but riddle the rigging and sails of the little craft. The Spanish order to board was heard through the smoke, but the *Speedy*, sheering off before it could be carried out, poured in another broadside.

Twice Cochrane executed this manœuvre, and then, following Nelson's maxim, determined to board, though the odds were six to one. The ship's doctor, Guthrie, took the helm, and with splendid skill ran the *Speedy* close alongside the *Gamo*. Then part of the crew with blackened faces boarded the *Gamo* by the head, emerging like foaming devils from the white smoke of the bow guns; the rest boarded by the waist and took the brave but already terrified Spaniards in the rear. It was a momentary business. In a few seconds fifty English seamen, led by the gigantic Lanarkshire man, were raging in the frigate's waist like fiends from hell.

He meets Nelson.

"In the autumn of 1799 he met Nelson at Parlermo and talked much with him. These days were the crown of his training. To one of Nelson's frequent injunctions, 'never mind manœuvres, always go at them,' Cochrane writes that he subsequently had reason to consider himself indebted for successful attacks under apparently difficult circumstances.

"Cochrane regarded Nelson as 'an embodiment of dashing courage,' to whom victory was so much a matter of course that he hardly deemed 'the chance of defeat worth consideration.' Such indeed was the nature of Cochrane himself.

"His first adventure in September 1799, the boarding, absolutely single-handed, of a privateer off Algeciras, gives us a taste of his quality. For the first and only time in his career his men failed to follow him—and well he rated them on regaining the cutter. His name was not yet a name of magic among the seamen of England. He was then prize-master of the *Genereux.*

His Burlesque of a Ship.

"His appointment followed to the command of the little sloop *Speedy*, 'A burlesque on a vessel of war' of 158 tons burden carrying fourteen 4-pounders with a crew of 84 men and six officers. But Cochrane gloried in his command and set to work with a will, searching neutral vessels, chasing, boarding, and sinking French and Spanish privateers and gunboats and recapturing their prizes.

"The breathless *Speedy* became the object of pressing Spanish attentions which were discreetly and ingeniously evaded by a Danish disguise. Cochrane combined boundless resource with splendid daring in almost equal

I Year English Set-speaking Prize :—

Mr. H. M. Hafeez.

I Year Urdu Set-speaking Prize :—

Mr. Abdul Ali Ansari.

MUZAFFAR HUSAIN KHAN,

Honorary Secretary.

A GREAT NAVAL HERO.

THE HOMERIC LIFE OF THE SCOTTISH FIGHTING CAPTAIN WHO DESTROYED THE NAVAL POWER OF SPAIN, GAVE FREEDOM TO THE SOUTH AMERICAN CONTINENT AND NEW GRANARIES TO THE WORLD.

A most vivacious story of one of our great fighting captains who destroyed the naval power of Spain and gave freedom to the whole Pacific coast is told in the *Candid Review*. Incidentally it shows how greatly naval conditions have changed in a hundred years.

THE MIDSHIPMAN'S CHEST.

" A large raw-boned Scottish midshipman joined his ship H.M.S. *Hind*, at Sheerness on the 27th June 1793.

" As he came aboard, his sea chest carried behind him, the voice of Lieutenant Larmour shouted from above, 'Does Lord Cochrane think he is going to bring a cabin aboard ? The service is going to the devil! Get it upon the main deck.'

" This was done, and Jack Larmour superintended the process of sawing off one end of the chest, contents and all, just beyond the key-hole. The lad was Thomas Lord Cochrane, eldest son of the ninth Earl of Dundonald.

" This was the opening of a career which may well be compared with that of Francis Drake.

not flag and a marked improvement will be effected in the matter of attendance.

As regards the number of competitors taking part in the competitions, it is to be remarked that while in some of the class competition there were as many as sixteen speakers, in others the number did not exceed two. I sincerely hope that members will realise the immence importance of these competitions and will in future years try to make them a success both in point of attendance and number of speakers. The following is a list of the winners of various prizes for the year 1914:—

Saeed Morison English-speaking Medal:—
Mr. Agha Muhammad Yakub.

Saeed Morison Urdu-speaking Medal:—
Mr. Iqbal Ahmad Khan.

English Extempore-speaking (Open) Prize:—
Mr. Syed Zahir-ud-din.

Urdu Extempore-speaking (Open) Prize:—
Mr. Iqbal Ahmad Khan.

IV Year English Set-speaking Prize:—
Mr. Sajjad Ali Ansari.

IV Year Urdu Set-speaking Prize:—
Not awarded.

III Year English Set-speaking Prize:—
Mr. Syed Asghar Ali.

III Year Urdu Set-speaking Prize:—
Mr. Abdul Rauf.

II Year English Set-speaking Prize:—
Mr. Zakir Husain Khan.

II Year Urdu Set-speaking Prize:—
Mr. Zakir Husain Khan.

co-religionist, Maulvi Bashir-ud-din, the life and soul of this Provincial Muhammadan Educational Conference. It is also the birth place of that useful and hope-inspiring institution which is known as the Islamia High School of Etawah. This institution is a unique example of the "*singleness of aim, unity of resolve,*" the display of "*energies*" and of the *steady patient* work of which I have just spoken.

This is an institution which supplies the proof of how much practical and solid good can be done to our community by even a single man by his efforts, if he is earnestly sincere.

Gentlemen, it is not in our power to reward sufficiently the unique services of such a man, but let us try to emulate his example and make this Conference a complete success which will, I believe, be his true reward in this world.

With these words, Gentlemen, I now commend you to your labours.

THE SIDDONS UNION CLUB.

The Annual Speaking Competitions of the Siddons Union Club were held on various dates in the months of November and December 1914. In former years all the competitions used to be held in one week, the consequence being that the attendance became smaller and smaller on every succeeding day. In order to alter this state of affairs, this year the competitions were spread over a period of about one month. The result was that the attendance presented a marked contrast to that of the preceding years, but still it was not as it ought to have been. It is to be hoped that in future years if these competitions are spread over a period of two or three months, the interest of the members will

every member of it, a definite amount of work to be determined by his position and opportunities, and his being required to send in a monthly report of his activities towards its accomplishment. Thus it is hoped that every member of the community, who has at all, any desire to serve his co-religionists, will have something concrete to do, and if a large number of workers can be enlisted, the aggregate amount of work done by them will be considerable. To this practical side of the matter, the conference will continue to attach special importance, and will, I trust, be enabled thereby to do something real for the good of the community.

Success in our efforts to promote education among the Muhammadan community will demand, most of all, a singleness of aim and a unity of resolve which should find no place whatever for factions, differences and unseemly disputes. The problem before us is so grave that we cannot afford to let our energies fritter away in unprofitable quarrels and useless controversies. Let us keep this branch of our work absolutely free from the contaminating touch of personal considerations, and with heart within and God overhead, let us work on steadily and patiently till success in the fullest measure has come to us—as it always does to those who faithfully strive for it.

Gentlemen, has it struck you why of all places in these Provinces, Etawah should have been chosen as the place for the inauguration of this Conference? I believe, I will not be divulging a secret when I say that the very idea of this Conference owes is inspiration to this place. It has the proud distinction of being the residence of that zealous and sincere worker in the cause of Education, that staunch friend of all Educational movements, and that bright exponent of Sir Syed's policy—I mean our distinguished

results of our efforts may be more substantial than the past. Especially now that the Government of these Provinces is also in active sympathy with us, it would be most disgraceful if we did not do all that lay in us to co-operate with the educational authorities in the spread of education among our community. Such opportunities for work, as the Government Resolution on Primary Education opens out before us, do not come every day, and it would be faithlessness to ourselves if we did not rise to the height of the occasion and make one supreme effort worthy of ourselves.

It is to enable the community to make such an effort that this conference is started. A special feature of this organization will be a "Committee of Workers" to be entrusted with the carrying out into effect of the objects of the conference. These objects will include among others, besides the general object of promoting education of all kinds among the Muhammadans of these Provinces,—first a definite programme about *Maktabs*, for instance, the improvement of existing *Maktabs* and the opening of new ones; seeing that they are properly managed, taking steps to secure for them grants-in-aid from Municipal and District Boards and preparing for them a suitable curriculum; secondly, the establishment of separate schools for Muhammadans and the improvement of those already existing; thirdly, inducing Musalmans to take fuller advantage of the institutions provided by the Government and the Boards, and in order that they might be able to do so, endeavouring to remove the obstacles which stand in their way; fourthly, taking measures that Muhammadan schools are staffed by efficient teachers, etc., etc. The Committee of Workers, which will be the life and soul of the conference, will be constituted on the principle of assigning to

will certainly go a long way in solving the problem of higher Muhammadan education.

But the most pressing need of the community is the provision of greater facilities for industrial and technical education. That is the kind of education which, in these days of scientific progress, pays more than any other, and it is in this that the Musalmans are most backward. The Government of India in their circular letter on Muhammadan education recognize the desirability of offering some special facilities to Musalmans by way of stipends and scholarships, and if that is done, there is no doubt that it will be attended by good results.

I believe, however, that the importance of the question demands that the community should not rest content with that only but should itself do something towards it. Industrial and technical education will not be a real success unless, side by side with it, steps are taken to provide employment for those who have received that training. And that will be possible only if we show much more enterprise than we have done so far and try and take a substantial share in industries and manufactures. The present war has provided a splendid and very exceptional opportunity for that purpose and we should not be slow to take advantage of it.

This closes, gentlemen, a brief review of the present condition of Muhammadan education in these Provinces. That condition is certainly not such as to entitle us to be congratulated upon it, and it has to be admitted that our efforts so far have not, for a variety of reasons, been crowned with all the success that could be desired. But that is no reason why we should lose heart. It is our duty to persevere with the task and to bring to bear upon it all the greater energy and enthusiasm so that the future

Primary Education for girls will be provided on the same general lines as for boys with this difference that Government will in this matter follow and aid private enterprise rather than take the initiative itself except in areas where development would otherwise be indefinitely postponed. This being so, any progress in this important branch of education will depend, to a very large extent, on our own efforts. The community should, therefore, without wasting any more time, take practical steps to cover these Provinces with a net-work of girls' schools, so that we may not have to mourn our backwardness in female education as in boys' education. As regards the important question of the curriculum, the Government was good enough to direct, at our request, seven educational experts of female education, including the Chief Lady Inspectress, to attend this conference and help in preparing the curriculum of girls' schools. We are thankful to Government and the Director of Public Instruction for this kindness.

As regards Secondary and Collegiate education, the Advisory Committee of non-official Muhammadans, after a thorough and exhaustive examination of the question, has made a number of recommendations which are still under Government consideration. Our greatest needs in this matter are separate Muslim schools and colleges liberally aided by Government; separate hostels for Musalmans in connection with Government schools and colleges and the reservation of a certain number of vacancies for Muhammadan pupils in Government institutions. The appointment of Musalmans to the Committees of Government institutions and to the governing bodies of aided institutions is equally important, as also the adequate representation of Musalmans on the senate of the Allahabad University. The establishment of a Muslim University at Aligarh

an Additional Inspector will be appointed to assist and advise on the various measures now being concerted for the extension of Muhammadan education. Further, in each Inspector's division, a Muhammadan Deputy Inspector will be placed on special duty to undertake for the districts of the division the same duties of visiting and advising on Muhammadan schools (including *Maktabs*) and stimulating local effort, as the extra Inspector will endeavour to carry out for the province. This special inspecting staff will meet one of the most urgent of Muhammadan demands, and will greatly help in the advance of Muhammadan education.

6. *Scholarships.*—Rules about scholarships have not yet been published, but a hope is held out in the Resolution under consideration that provision will be made, wherever the attendance and standard of work deserve, of a certain number of scholarships for special Muhammadan schools.

7. *Miscellaneous.*—In the matter of fees, the Resolution provides that an equitable ratio of exemptions which shall not ordinarily exceed 25 per cent. of average attendance should be reserved for impecunious Muhammadans in ordinary schools, while in the new Primary Islamia Schools, the Boards may, at least until the schools have established themselves in popularity, raise the limit of exemptions up to one-half of the average attendance.

Most of these special measures for the promotion of Muhammadan education will depend for their success on the sympathetic attitude of the Boards and unless on these bodies the Muhammadans are strongly represented, it will not always be possible to give full effect to these salutary provisions. Let us hope, however, that the liberal intentions of the Government will not fail to be converted into actions by the Boards.

2. *Curriculum.*—In this connection the question of the language of the readers is important. The decision of the Local Government in this matter practically accepts the policy of teaching the common language of those Provinces, namely, Urdu right up to class IV, with this qualification, that the last half of the year in that class should be spent on the supplementary readers composed in distinctive Urdu and Hindi respectively. Though this means that bifurcation will begin a little earlier than is now the case, yet on the whole this decision is more to be welcomed than the recommendations made in this connection by the Committee on Primary Education.

3. *Religious Instruction*—For this purpose we will have a twofold agency at our disposal. In the *Maktabs* religious teaching will, of course, be compulsory; in the Boards' Schools it will be permitted; on the condition that the teaching is arranged for and the instructor appointed and paid by the school committee or with their consent, by a committee or committees of the parents. The only further imitation in the case of Boards' Schools will be that the teaching will take place outside the regular school hours.

4. *Teachers.*—The special Islamia Schools, referred to above, will be staffed throughout by Muhammadan masters. In the case of mixed schools, we are glad to be given the assurance that facilities will be provided for a proper infusion of Muhammadans among the teachers. A provision of similar usefulness will be the rule that efficient teaching in the Persian script and in the Urdu supplementary reader is afforded in every Board's School to any boy who asks for it.

5. *Inspectors.*—Besides the gradual infusion into the ordinary inspecting staff of a stronger Muhammadan element,

for the approval of the Director of Public Instruction, for use in *Maktabs*.

(*d*) In each district a District *Maktab* Committee will be formed, the Collector nominating a Muhammadan official as Chairman. The duty of this committee will be to make a census of existing *Maktabs* and bring them to the notice of the District Board and inspecting officers; to encourage the establishment and proper equipment of *Maktabs*; to arrange for the selection and training of *Maulvis*; and to advise the District Board or any matters affecting *Maktab* education.

(*e*) If a definite demand for it is apparent, the Government will establish a special Normal School for the secular training of teachers for *Maktabs*.

(*f*) It will be open to the *Maktabs* to qualify for obtaining a grant-in-aid by teaching a definite secular curriculum prescribed by the Director of Public Instruction in consultation with the Provincial *Maktab* Committee. While ordinary aided schools will receive a grant-in-aid up to a maximum of one-half of the total salaries of the masters employed, the District Board may make to a *Maktab* a grant-in-aid not exceeding three-fourths of the salaries of its secular teachers.

1. This, then, will be the policy of the Local Government as regards *Maktabs* and a very liberal and statesman-like policy it would be. I venture to join Sir James Meston in his earnest hope that these arrangements will enable a definite step to be taken in re-habilitating, on a thoroughly useful basis, a form of instruction which enjoys the confidence and affection of large number of the Muhammadan community.

This is practically the view which was accepted by the Education Commission of 1882-3, when they recommended, that for the wider utility of *Maktabs*, they should be liberally encouraged to add purely secular subjects to their curriculum...... The orthodox Muhammadan community clearly attaches more than a sentimental importance to a fresh endeavour to vitalize to *Maktab* and to give it a recognized place in the Primary system. The Committee has lent its support to this claim; and Sir James Meston feels that it demands the full sympathy of the Government." The sympathy of the Government in this matter has taken the following practical form:—

(*a*) A provincial committee of Muhammadan gentlemen, comprising both *Maulvis* and laymen, and the representatives of both the Shia and the Sunni communities, and not exceeding 11 in number will be appointed by the Director of Public Instruction. The president of the committee will be a Muhammadan Inspector of Schools, or other officer of tried educational experience, who will likewise be nominated by the Director of Public Instruction.

(*b*) This committee will be a consultative body whose opinion will be obtained by the education department on any substantial change in the curriculum or methods of management; and who will be expected to advise the department and the Government on any matter affecting the interest or promoting the extension of Primary Education for Muhammadans.

(*c*) A *Maktab* text-book committee will be formed which will select or prepare a series of readers

school will be started on a temporary basis and its retention will depend on the efforts of the guarantors and the teacher to maintain and increase the number of pupils. Its status might at first be conveniently that of a branch of an existing Primary School, if there is one near enough, but the aim should be to raise it, as quickly as possible, to the position of a full Primay School staffed throughout by Muhammadan teachers." Such schools ought, in my opinion, to prove very useful to the Musalmans, and the establishment will certainly furnish a suitable agency by which the Muhammadan community can co-operate with Government in the rapid spread of education among its members.

Side by side with these special Islamia Schools, we are going to have our *Maktabs*, not in the present decayed condition of them, which to all lovers of ancient Islamic culture is so painful to behold, but as an institution reanimated and revived, once more possessing and exercising all its ancient influence for the good and enlightenment, religious and secular, of the Musalmans, as the Government Resolution says, "*Maktabs* though based on religious teaching and often neglectful of arithmetic, grammar and geography, yet combine a certain amount of secular with their religious instruction. By tradition and ancient usage they have a special claim to veneration in all Islamic countries, and considerable numbers of Muhammadans still regard them as the only true gateway to general education. As Mr. Karamat Husain's Committee explain, they are wanted for two reasons. On the one hand, for the sake of the religious and moral instruction which they give; on the other, for the provision of Primary Education to those who do not go to Board schools either through want of accommodation or from the absence of religious teaching.

(2) Curriculum.

(3) Religious Instruction.

(4) Teachers.

(5) Inspectors.

(6) Scholarships.

(7) Miscellaneous.

(1) Schools : Government has decided to provide Primary Education for very much larger numbers than are now under instruction, namely, for about 8,00,000 pupils instead of the present number of pupils which is under 4,00,000. But recognizing the fact that the Musalmans will, for a variety of reasons, be slow to take full advantage of these increased facilities in the form of more Boards' Schools, they have graciously given orders for the starting of special Islamia Schools for Muhammadans. His Honour Sir James Meston, in this connection, is pleased to remark: "To supply that special stimulus which the backward condition of Muhammadan education admittedly demands, further measures are called for, both by the undertakings of the Government in the past and by the steady decline, up at least to 1912, in the proportion of Muhammadan boys who are receiving Primary Education." Again, "it would serve no useful purpose to consider the reasons for this retrogression. Whatever they may be, the Government is pledged to do all that is in its power, to check the decline. As a first step, therefore, His Honour has decided that in any town or village, where a sufficient number of Muhammadan parents come forward to guarantee an attendance of at least 20 boys, and whether there is an ordinary Primary School already in existence or not, the District Board shall start a special Islamia School and provide it with a qualified Muhammadan teacher. The

for this perhaps are, that if a student of a class reads a paper, he draws his subject from the part of the course he has done, and so other members who have done it, or have still to do it, do not take any interest, and if the subject be other than that taught in the classes, then members generally do not find time and inclination to study that subject. Perhaps one success in last summer was due to the facts that all the members were of the same class studying the same course, and most of the papers read were mostly related to that course, and not to any other special book or philosophy. This question, therefore, of creating interest in the society, and of increasing its usefulness appears to be very difficult, and I invite suggestions from members.

Since the College opened in October we have had three meetings, attended as usual enough at least to make up the quorum. The papers read all related to the university course, *viz.*, 'Aristotle's conception of happiness,' by J. P. Singal; 'The development of the will,' by Mr. Ahmad Ali Sadiq; and 'How Plato deals with the social sciences,' by Mr. Akbar Ali.

Mr. Auchterlonie has come back, and has been able to preside at two of the meetings. I, on behalf of the society, offer him a cordial welcome.

JWALA PRASAD SINGAL,
Offg. Secretary.

PROVINCIAL MUHAMMADAN EDUCATIONAL CONFERENCE, UNITED PROVINCES.

PRESIDENTIAL ADDRESS.

(Continued from page 204.)

So far as it deals with Muhammadan education, it may be considered under the following heads:—

(1) Schools: Special Islamia Schools and *Maktabs.*

Demoo and to whom 'Democracy' is the only creed that insures salvation in this world and the world to come.

The knights of yore had to observe a stern code of chivalry, and as long as the winning of 'Golden spurs' entailed great responsibilities and inspired the winner with a higher and nobler sense of honour than that of his average countryman, the name of chivalry was immune from infancy and disrepute.

But when 'sword and spear' came to represent mere physical prowess and were handled as deadly weapons to cut each other's throat, the old order of things was looked upon as a standing disgrace and constant nuisance to humanity. Would I appeal in vain, if I appeal to the knights entering the coming literary tournament to stick to fairplay and justice the remarkable characteristics of the chivalry of yore?

Of the two contending parties in the election arena one will win and the other will lose; but the fates of election can hardly affect the placid attitude of a true Bohemian to whom all such storms appear but mere bubbles in the calm and smooth ocean of life. Certainly his indifference is unshakable!

'A BOHEMIAN SPECTATOR.'

THE PHILOSOPHICAL SOCIETY.

This year our summer programme consisted of a series of papers, some connected with one course, and some with other philosophies and philosophers. The attendance may be called satisfactory in view of the fact that only the the few members of new IV year class were left the examinees having gone home. Still, it appears that members do not take as great an interest as they could, and the reason

On their return from these excursions they are called upon by their chief to render an account of what they have achieved. He minutely examines the 'census' of the victims. The greater the number the more he is pleased. As soon as the 'census' task has been thoroughly scrutinised, the party receives instructions for the morrow's work. Such of us as have happened to overhear the mysterious proceedings of the dens must have been much amused by the peculiar talk of these little great statesmen. The cleverer among us have managed to hear them, even while they are busily discussing their strategic plans and disclosing to each other the results of their clever espionage which, in the opinion of some of the greatest strategists, have far exceeded both in design and execution the notorious German methods. The deliberate discussion in the conference of these experienced and expert 'party workers' is in fact worth the trouble which one takes in hiding one's self in an obscure corner in order to overhear a part of their wise deliberations. Whether this method of overhearing the secrets of the cabal is sanctioned by morality or religion is a question I would leave to the readers to solve. But the crooked methods of the cabal itself are as unscrupulous as those of modern diplomacy.

Even the strictest neutrals are enticed, to alter their much vaunted neutrality and join the most extreme wings of the parties. In this great hunt for votes the fire of rivalry sometimes attains to white beat and gives rise to numberless scandals that are studiously got up by each party to bring into disrepute the other one. This unhappy manner of meeting rivals is not only a sad reflection on the character of the persons engaged in party-strife, but it also cut to the quick all those who love to adore god

THE LITERARY TOURNAMENT.

The Olympian games which exercised a considerable influence over ancient Grecian life and the mediæval tournaments that afforded Norman chivalry frequent opportunities of displaying marvellous prowess in arms played no insignificant part in the history of by-gone ages. A better illustration of this historical fact cannot be conceived than the one afforded by the literary tournaments of our own institution. The dates of the coming literary tournament are drawing nearer every day and the College community has already begun to show marked signs of an excited life. It will take a few days more to present a spectacle of highly convulsed public life. Even now each night witnesses packs of convassing wolves prowling in the vicinity of Jamalpur and making strenuous efforts to find out a prey that might satisfy their wolfish hunger. That they do not meet success very frequently is a fact too hard to be denied; since so many protective measures are adopted to guard the foolish lambs against the approach of all possible danger. Every effort is made to prevent them from venturing out of the fold after night-fall.

Moreover it is not always safe for these wolves to infest the locality. If the shepherds are vigilant and watchful, they will not let them go scot-free. But in spite of the terrors the wolves clearly realize that this is the season when they must be abroad. It has been my lot to observe some of their nocturnal excursions and can, therefore, say with authority that on all such occasions they are cunning rather than fierce. After getting at a single prey they do not despatch him then and there, but they would rather employ him to secure them further success and acting up to the well-known maxim 'Nothing succeeds like success' they go on multiplying their efforts.

Azim-ud-din as Secretary of the Sub-Committee. This was also agreed to. Khan Bahadur Allah Bakhsh suggested that as the All-India Conference was meeting at Rawalpindi on the 27th instant, it was necessary that the Sub-Committee should prepare the draft of the rules immediately and submit them in time to the Central Committee to enable the latter to consider and pass them before the 27th instant. The Khan Bahadur urged that it was of the highest importance that they should be able to show to the All-India Educational Conference that the proposed Provincial Conference was no longer a dream existing in all merely but a concrete positive entity. This suggestion was appreciated by the audience and the Sub-Committee was requested to submit its draft of the Rules and Regulations to the Central Committee on the 23rd instant. The following names were then added to the Central Committee of the Provincial Conference:—

(1) Haji Maulvi Rahim Bakhsh, C.I.E., President, Council of Regency, Bahawalpur. (2) Kh. Gul Muhammad Pleader, Ferozepore. (3, Mr. Ghulam Rasni, B.A., Barrister-at-law.	Proposed by Malik Barkat Ali.

(4) Dr. Khalifa Shuja-ud-din, M.A., Ph.D., proposed by Dr. Azim-ud-din Ahmad.

(5) Mirza Ijaz Husain, Pleader, Umballa, proposed by Nawab Fateh Ali Khan Qizilbash.

6) Sh. Muhammad Umar, Pleader, Simla, proposed by Nawab Zulfikar Ali Khan.

(7) Makhdum Riaz Husain, Multan, proposed by Sir Nawab Bahram Khan Mazari.

The meeting then dispersed with a vote of thanks to the Chair.

resolution passed by the All-India Educational Conference at Agra and be also affiliated to the latter, and that this resolution was ultimately unanimously adopted. Upon this explanation, Haji Shams-ud-din was satisfied but said that this detail should be expressly stated in the report to which those present agreed. Malik Barkat Ali then pointed out that in the report as read, it did not appear that the second resolution, giving the names of the gentlemen who constituted the Central Committee of the Provincial Conference, was unanimously adopted. The name of the proposer was given but no mention of the resolution having been adopted was made. It was agreed that the omission pointed out by Mailk Barkat Ali be supplied. The report with the modifications pointed out above was then adopted and it was resolved that as some different versions of the last meeting, based upon in complete information, had appeared in the vernacular papers, the Secretary should send to the latter complete and correct copies of the report as adopted in this meeting.

Dr. Iqbal, Barrister-at-law, then moved that a Sub-Committee consisting of the following gentlemen :—

(1) Dr. Iqbal,

(2) Dr. Azim-ud-din Ahmad,

(3) Shaikh Abdul Qadir, Barrister-at-law,

(4) Haji Shams-ud-din,

(5) Ch. Shahab Din, and

(6) Malik Barkat Ali

should be formed to draft the rules and regulations of the Punjab Muslim Educational Conference and to submit them to the Central Committee for approval.

The resolution was adopted *nem con.* Mirza Jalal-ud-din, Barrister-at-law, proposed Dr. Iqbal as President and Dr.

instant, at 11-30 A.M. The following gentlemen attended: Nawab Fateh Ali Khan Qizilbash, C.I.E., Nawab Sir Bahram Khan Mazari, K.C.I.E., Nawab Zulfikar Ali Khan, Dr. Iqbal, Mirza Jalal-ud-din, Dr. Azim-ud-din Ahmad, Shaikh Miran Bakhsh, Barrister-at-law, K. B. Allah Bakhsh Khan, Saiyid Muhammad Ali Jafari, M.A., Dr. Muhammad Husain, Mirza Yaqub Beg, Sh. Abdul Qadir, Barrister-at-law, Sardar Abdul Rahman, Honorary Magistrate, Haji Shams-ud-din, Pir Taj-ud-din, Malik Barkat Ali and Ch. Ghulam Haider. On the proposal of Nawab Zulfikar Ali Khan, seconded by Nawab Fateh Ali Khan, Nawab Bahram Khan Mazari was voted to the Chair. The proceedings commenced by the Honorary Secretary reading the report of the last meeting as published in the *Civil and Military Gazette*, Lahore. Shaikh Abdul Qadir, Barrister-at-law, translated the English report in the Vernacular for the benefit of those not knowing the English tongue. Haji Shams-ud-din requested that as he was not present in the last meeting, the misunderstanding referred to in the English report might be explained for his information. Dr. Iqbal then rose and said that when moving the establishment of a Provincial Educational Conference for the Punjab in the last meeting, he had stated in his speech as his opinion that it was not necessary that the Punjab organisation should be affiliated to the All-India Educational Conference, that this remark of his had filled Khwaja Kamal-ud-din with the apprehension that the Punjab Association was meant to be a rival body to the All-India organisation, who had thereupon expressed his objections to methods calculated to introduce friction between two bodies, that to remove these fears and apprehensions, the Hon'ble Mr. Shafi proposed that the Punjab Branch should be deemed as having been brought into existence in pursuance of the

India body. A Central Committee consisting of the following gentlemen, with powers to add to its members was also formed to carry on the work of the Provincial Conference :—

(1) Nawab Zulfikar Ali Khan ... *President.*

(2) Dr. Azim-ud-din Ahmad and
Sh. Nur Elahi, M.A., Prof., *Joint Secretaries.*

(3) Syed Mohsin Shah, B.A. ... *Financial Secretary.*

Members.

Nawab Fateh Ali Khan Qizilbash, C.I.E., Nawab Zulfikar Ali Khan, the Hon'ble Mr. Shafi, the Hon'ble Malik Muhammad Amin Khan of Shamsabad, the Hon'ble Nawab Ibrahim Ali Khan of Kunjpura, the Hon'ble Sir Bahram Khan Mazari, the Hon'ble Khwaja Yusuf Shah, the Hon'ble Khwaja Ghulam Sadiq, Captain Malik Mubariz Khan, Sh. Muhammad Umar of Amritsar, Sh. Abdul Qadir, Barrister-at-law, Mr. Abdul Aziz of Hoshiarpur, M. Ahmad Din of Gujranwala, M. Siraj-ud-din Ahmad of Rawalpindi, Dr. Iqbal, Mirza Jalal-ud-din, Sh. Miran Bakhsh, Mr. Ahmad Hasan, S. Muhammad Akbar and Pir Taj-ud-din, Barristers, M. Barkat Ali, Haji Mahbub Alam, M. Din Muhammad and M. Ghulam Haider, Editors, Saiyid Mohsin Shah, K. B. Allah Bakhsh, Ch. Shahab-ud-din, Kh. Kamal-ud-din, Mirza Yaqub Beg, Dr. Muhammad Husain, Haji Shams-ud-din, Mian Fazal-i-Husain, S. Abdul Rahman, Khan Bashir Ali Khan, M. Ghulam Mohi-ud-din and Saiyid Muhammad Ali Jafari.

With a vote of thanks to the Chair, the meeting dispersed.

A meeting of the Central Committee of the Punjab Provincial Educational Conference was held at the house of Nawab Zulfikar Ali Khan, C.I.E., on Sunday, the 20th

mad Ali Jafari, Mr. Ahmad Husain and Mr. Muhammad Akbar. On the motion of Nawab Zulfikar Ali Khan, seconded and supported by Hon'ble Mian Muhammad Shafi and Hon'ble Malik Muhammad Amin, Nawab Fateh Ali Khan Qizilbash was voted to the Chair. Nawab Zulfikar Ali Khan then rose to explain the object of the meeting. He said that the All-India Educational Conference had last year recorded a formal resolution to the effect that the Punjab organise a Provincial Educational Conference, that nothing had been so far done in that direction, and that it would be a reproach to the Punjab if the All-India Educational Conference were again to meet in the Punjab without the Punjab possessing a Provincial Educational Conference. Dr. Iqbal, M. Barkat Ali, Mr. Chishti, Khwaja Kamal-ud-din, Mr. Ghulam Mohi-ud-din, Ch. Shahab-ud-din, and the Hon'ble M. Shafi took part in the lively discussion that ensued. The need of a Provincial Educational Conference was recognised on all hands. Some misunderstanding, however, arose on the score of the proposed Provincial Educational Conference developing into a rival of the All-India Educational Conference, but all such fears were laid to rest by the Hon'ble Mr. Shafi explaining that the proposed Conference was a feeder institution, brought into being under the behests of the Parent Conference.

There was also some talk of a Provincial Educational Conference being already in existence in the Punjab, but Ch. Shahab-ud-din said that that Conference existed merely in name and had practically ceased to be since 1913. The Hon'ble Mr. Shafi then moved the following resolution which was unanimously adopted :—That in pursuance of the resolution passed at Agra by the All-India Educational Conference, a Provincial Educational Conference be organised in the Punjab and affiliated to the main All-

THE PUNJAB PROVINCIAL EDUCATIONAL CONFERENCE.

FORMATION OF A CENTRAL COMMITTEE.

We are glad to be able to say that after all the Punjab has been able to perform the duty entrusted to it at Agra to constitute a Provincial Educational Conference for helping forward in this province the programme of the All-India Educational Conference. Last year at Agra, the Punjab being perhaps the only province left where a Provincial Educational Conference had not been set on foot, it was formally resolved that the attention of the *Punjábis* be drawn towards this desideratum, but although almost a whole year had rolled by, nothing had been practically done in this direction. Thanks to the energetic efforts of Nawab Zulfikar Ali Khan, who set the ball rolling by calling together a meeting of the local educationalists and those interested in the cause of Muslim advancement and progress through education, a Central Committee has at last been organised to form the nucleus of a Provincial Educational Conference. Among those who responded to the Nawab's call at his place on Sunday, the 6th instant, at 3 P.M., were the following :—Nawab Fateh Ali Khan Qizilbash, the Hon'ble Malik Muhammad Amin of Shamsabad, the Hon'ble Mian Muhammad Shafi, Dr. Muhammad Iqbal, Mirza Jalal-ud-din, Dr. Azim-ud-din Ahmad, Professors Nur Elahi, Dil Muhammad and Abdul Hamid, M. Barkat Ali, Editor, "The Observer," M. Din Muhammad, Editor, "Sada-i-Hind," M. Ghulam Haider of the "*Zamindar,*" Saiyid Mohsin Shah, Khwaja Kamal-ud-din, Mirza Yaqub Beg, Sh. Miran Bakhsh, M. Ghulam Mohi-ud-din, of Kasur, S. Habib-ullah, Pir Taj-ud-din, Ch. Shahab-ud-din, M. Moharram Ali Chishti, K. B. Allah Bakhsh, Saiyid Muham-

THE LATE SHAMS-UL-ULAMA MAULANA ALTAF HUSAIN HALI.

The news of the death after a protracted illness of Shams-ul-Ulama Maulana Altaf Husain Hali, on the night between the 30th and 31st of December 1914, will fall like a shock on every Muslim heart throughout the length and breadth of India. The most zealous co-adjutor of Sir Saiyid Ahmad Khan, and the last lingering link between the old and the new has at last passed away, leaving a void in Muslim Society which Time will never be able to fill up. Our grief and pain is the acutest inasmuch as the death of our revered poet, whose verses had rejuvenated and revivified the dry bones of Islam in India, comes in rapid succession to that of Maulana Shibli Nomani. There can be no doubt that when the history of the Islamic Renaissance in India comes to be written, Maulana Hali will be assigned a deserved place of honour in the category of those who had given the best they had in them towards the amelioration and betterment of the fallen Muslim population of India. He and his poetry mark a distinct watershed in the progressive evolution of the Muslims of India, and long afterwards, when our posterity shall study in minute detail the history of those movements of thought which propelled, as by a dynamo, the huge Machinery of the Indian Muslims, the name of Maulana Hali will be remembered as that of a national hero and his memory cherished, as that of a great benefactor of the human race. We extend to the relatives of the deceased our heart-felt sympathy and condolence in their great bereavement.

The Aligarh Monthly.

Vol. XII. | December 1914. | No. 12.

EDTIORIAL NOTES.

The Editor much regrets the delay in the publication of this number, due to causes entirely beyond his control. The January number is now also in the press and will be published next week. The Index for 1914 is in preparation and will be included as an inset with the February issue.

* * * *

The Aligarh Fair Week commences on 15th February, and the M. A.-O. College and School Athletic Sports will be held on Wednesday, 17th February.

* * * *

On the re-opening of the College after the Christmas Vacation a meeting was held in the Siddons Union Club to express sympathy with the relatives of the late Shams-ul-Ulama Maulana Altaf Husain Hali. We quote the following notice from the Lahore "Observer":-

[REGISTERED NO. A-234.]

THE ALIGARH MONTHLY

VOL. XII. No. 12. } December 1914. { Annual Subscription Rs. 4, Post Free. Single Copy, As. 6.

No. CONTENTS. PAGE.

[For contents of Urdu section see back cover.]

Allahabad:

Printed by Bishambhber Nath Bhargava, at the Standard Press.

Publisher:—D. Auchterlonie, Professor, M. A.-O. College, Aligarh.

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۴۲

علیگڈھ منتھلی

قیمت سالانہ للعہ علاوہ محصولڈاک قیمت فی رسالہ مع محصول ۱۰/	بابت ماہ نومبر ۱۹۱۴ء	نمبر ۱۱ جلد ۱۲

مقام اشاعت مدرستہ العلوم علیگڈھ

فہرست مضامین حصہ اُردو

پبلشر مسٹر ڈی۔ آکٹر لونی ایم اے پروفیسر مدرستہ العلوم علیگڈھ

اسسٹنٹ اڈیٹر قاضی جلال الدین صاحب لکچرر مدرستہ العلوم علیگڈھ

باہتمام بابو بشمبر ناتھ صاحب بھارگو

در اسٹینڈرڈ پریس الٰہ آباد طبع شد

شرح چھپائی اشتہارات حصہ اردو

ایک صفحہ	واسطے ایک سال کے	۲۴ روپیہ
"	واسطے نصف سال کے	۱۲ روپیہ
"	واسطے تین ماہ کے	۷ روپیہ
"	واسطے ایک ماہ کے	۲ روپیہ ۸ آنہ

نصف صفحہ کے لئے مذکورہ بالا شرح کا نصف لیا جاوے گا اور

نصف صفحہ سے کم ہونے کی صورت میں بھی نصف صفحہ کی اُجرت لیجائیگی

اُجرت ہمیشہ پیشگی وصول ہوگی

ڈی۔ آکٹرلونی۔ ایم۔ اے مینجر

علیگڈھ منتھلی مدرسۃ العلوم علیگڈھ

علیگڈھ منتھلی

قیمت سالانہ للعہ محصول ڈاک قیمت فی رسالہ مرادی ۶/	بابت ماہ نومبر سنہ ۱۹۱۴ء	نمبر ۱۱ جلد ۱۲

بہو بیگم

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد جب دلی کی سلطنت پر زوال آنا شروع ہوا اور فرخ سیر، محمد شاہ، اور اونکے جانشین بابر و اکبر کے نااہل وارث ثابت ہوئے، تو تیموری خاندان کی باکمال خواتین کا سلسلہ بھی ختم ہوگیا، اور حرم سرائے قلعۂ معلّےٰ کی وہ شاندار روایات قائم نہ رہ سکین جو نورجہان، جہان آرا، اور زیب النسا کے قابل یادگار نامون کے ساتھ وابستہ تھین۔

لیکن دلی کے بگڑنے کا ایک نتیجہ یہہ ہوا کہ اودھ، حیدرآباد، اور بنگالہ مین خودمختار حکومتین قائم ہوگئین۔ ان صوبجات مین اودھ نے بالخصوص دارالخلافہ کے تمدن کا چربا

آمادہ نے کی پوری کوشش کی۔ برہان الملک سعادت خان نیشاپوری محمد شاہی دربار کا ایک طاقتور رکن تھا۔ اوسی نے فرمانروایان اودھ کے خاندان کی بنا ڈالی۔ سعادت خان نادر گردی کے بعد ہی فوت ہو گیا۔ اوسکا خواہرزادہ اور داماد ابو المنصور خان صفدر جنگ اوسکا جانشین ہوا۔ اودھ کی حکومت اور دربار دہلی کی وزارت صفدر جنگ کو اپنے خسر سے ترکہ مین ملی۔ یہہ عجیب بات ہے کہ جبتک والیان اودھ برسر عروج رہے "نواب وزیر" کہلاے اور جب اودھ کا انحطاط شروع ہو گیا تو اونھون نے "بادشاہ" کا لقب اختیار کیا۔ صفدر جنگ کی بیگم صدر النسا جو برہان الملک کی سب سے بڑی بیٹی تھی اور اودھ کی تاریخ مین نواب بیگم کے نام سے مشہور ہے، بڑے دبدبہ کی عورت تھی۔ صفدر جنگ کے بعد اوسکا بیٹا شجاع الدولہ سریرآراے وزارت ہوا۔ شجاع الدولہ کی بیگم اودھ کی تاریخ مین بہو بیگم کے نام سے مشہور ہے۔

بہو بیگم کا بچپن قلعۂ معلے مین گذرا۔ کہتے ہین کہ محمد شاہ بادشاہ اوسے گودون مین کھلایا کرتے تھے۔ مسلمان امرا اور والیان ملک مین یہہ کمزوری ہمیشہ پائی گئی کہ اپنی حیثیت کو مستحکم کرنے کے بعد فوراً عیش و عشرت مین مبتلا ہو جاتے تھے۔ صفدر جنگ کی حرم سرا مین متعدد عورتین تھین۔ یہہ تعداد رفتہ رفتہ بڑھتی گئی۔ شجاع الدولہ ایک جری اور معاملہ فہم شخص تھا لیکن اوسی کے وقت مین دربار اودھ کی شرمناک روایات کا آغاز ہوا۔ باوجود کثرت ازدواج کے مسلمان رؤسا بالعموم منکوحہ بیگمون کی بہت عزت اور قدر کرتے تھے شجاع الدولہ نے بھی بہو بیگم کے وقار اور احترام کو ہمیشہ برقرار رکھا اوسکی حرمسرا کی کوئی عورت مال و دولت اور حشم و خدم کے اعتبار سے بہو بیگم کی ہمسری نہ کر سکتی تھی۔ بیگم کو نواب کے مزاج مین بڑا دخل تھا۔ اوسکے رسوخ کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ نواب نے اپنی زندگی مین لاتعداد دولت اسکے حوالہ کر دی۔ بیگم کے رسوخ کا ایک بہت بڑا نتیجہ یہہ ہوا کہ آصف الدولہ جو اسکا اکلوتا بیٹا تھا غیر معمولی ناز و نعم مین پلا اور نواب شجاع الدولہ کے حسب منشار

ولی عہد کی تعلیم و تربیت نہ ہو سکی۔ شجاع الدولہ کے دربار ی بیگم کا نام "جناب عالیہ متعالیہ" کہے بغیر نہ لے سکتے تھے۔ بیگم کے بھائی نواب مرزا علیخان اور نواب سالارجنگ دربار کے بااثر ارکین مین تھے۔ بیگم اپنے شوہر کی وفات (۱۷۷۵ء) کے بعد اکتالیس ۴۱ سال زندہ رہی اور اُسنے اپنی زندگی شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ بسر کی۔ شجاع الدولہ کے وقت تک فیض آباد اودھ کا دارالحکومت رہا۔ آصف الدولہ نے اپنی تخت نشینی کے بعد لکھنؤ مین قیام کرنا شروع کردیا۔ نواب بیگم اور بہو بیگم آخر تک فیض آباد مین رہین۔

نواب شجاع الدولہ کی وفات کے وقت علاوہ بے شمار زر نقد اور مال و متاع کے بیگم کے قبضہ مین لکھنؤ سے مشرق و مغرب دونون طرف نہایت وسیع اور سیر حاصل جاگیرات تھین۔ بیگم نے آصف الدولہ کو اپنی آنکھون مین پرورش کیا تھا۔ اوسے اپنے بیٹے سے بڑی امیدین تھین لیکن یہہ سب اُمیدین جلد خاک مین مل گئین۔ آصف الدولہ نے باپ کے مرتے ہی وحشیانہ عیاشی شروع کردی، اور ماں سے وہ پوشیدہ خزانے طلب کرنے شروع کردئے جو شجاع الدولہ بیگم کو دے گیا تھا۔ بیگم نے دو تین بار بیٹے کی درخواستین منظور کرلین۔ رفتہ رفتہ آپس مین کشیدگی پیدا ہو گئی، اور بیگم نے تہیہ کرلیا کہ آصف الدولہ کو اپنی دولت سے بالکل محروم کردے۔ جب آصف الدولہ کو مایوسی ہوئی تو اوسنے انگریزی قوت کا سہارا تلاش کیا۔ وارن ہیسٹنگز اوس زمانہ مین روپیہ کی طلب مین سرگردان تھا۔ بنارس کی شورش اسی سلسلہ مین ہو چکی تھی۔ نواب نے قلعہ چنار مین وارن ہیسٹنگز سے ملاقات کی، اور انگریزی فوج کے جو اخراجات اودھ کے ذمہ واجب الادا تھے اونکی ادائیگی کی یہہ تدبیر بتائی کہ نواب بیگم اور بہو بیگم کے خزانون سے یہہ رقم وصول کیجائے۔ نواب کا دعویٰ تھا کہ بیگمون کے قبضہ مین جو دولت اور جاگیر ہے وہ درحقیقت وارث تخت و تاج کا حق ہے۔ وارن ہیسٹنگز روپیہ کی خاطر ہر طرح کا حیلہ اختیار کرنے پر آمادہ تھا۔ اوسنے نواب کی راے سے اتفاق کیا۔ نواب کے آدمی انگریزی سپاہ کے ساتھ بیگمون کے یہان پہونچے خواجہ سراؤن نے، کچھ تو اسوجہ سے کہ بیگمون کا روپیہ اونہین کے کام

آتا تھا اور کچھ نمک خواری ادا کرنے کے خیال سے، کسی قدر مقابلہ کیا۔ لیکن مقابلہ بے سود تھا عشرت پسند خواجہ سراؤن کو طرح طرح کی اذیتین دی گئین۔ انجام کار جسقدر روپیہ کی ضرورت تھی وہ دونون بیگمون کے معمور خزانون سے وصول کر لیا گیا۔ اس جبر و تعدی کے سلسلہ مین یہہ امر قابل ذکر ہے کہ بیگمون کی عزت و حرمت بالکل محفوظ رہی۔

آصف الدولہ مرض الموت مین بیمار ہوا تو بیگم اوسکو دیکھنے کے لئے لکھنؤ گئی۔ نواب مرض کی شدت کو صبر و ثبات کے ساتھ برداشت کر رہا تھا۔ جب مان نے اوسکے پاس آکر آنسو بہانے شروع کئے تو آصف الدولہ بھی بے اختیار رو دیا۔ آصف الدولہ کے بعد نواب یمین الدولہ سعادت علیخان تخت نشین ہوے۔ یمین الدولہ کے عہد مین لارڈ ولزلی نے انگریزی فوج کے اخراجات کے مسئلہ کو ازسرنو چھیڑا۔ نواب نے بہو بیگم کی دولت اور جاگیر پر ہاتھ مارنے کا ارادہ کیا۔ بیگم نے سوتیلے بیٹے کی نیت بدلی ہوئی دیکھکر سرکار انگریزی سے گفت و شنید شروع کی۔ صاحب رزیڈنٹ نے بیگم سے ایک وصیت نامہ لکھوایا جسکی رو سے سرکار انگریزی بیگم کے علاقہ کی وارث قرار پائی۔ ابھی معاملہ ختم نہ ہوا تھا کہ نواب نے مجتہدین لکھنؤ سے وصیت نامہ کے عدم جواز کا فتویٰ حاصل کر لیا، اور رزیڈنٹ کی مکمل کارروائی فسخ ہو گئی۔ بیگم کے کار آزمودہ خواجہ سراؤن مین بہار علی خان، شکوہ علی خان، بسنت علی خان، اور جواہر علی خان، ممتاز تھے۔ یہہ لوگ بیگم کے محاصل وصول کرتے تھے، اور جاگیرات مین سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ جواہر علی خان خواجہ سرا، "نواب ناظر" کے لقب سے ملقب تھا، شجاع الدولہ کی وفات سے لے کر خود اپنی وفات تک بیگم کا معتمد علیہ کارندہ رہا۔ جواہر علی خان ایک باہمت شخص تھا۔ وہ بیگم کی جائداد سے علماء و فضلاء کی قدردانی پر بھی خرچ کیا کرتا تھا۔ بہو بیگم کی سرکار مین جو باکمال جمع تھے، آصف الدولہ کے دربار کو کبھی نصیب نہ ہوے۔ بیگم کے متوسلین مین ایک شخص لچھمی نراین نامی، لاہور کا رہنے والا، بڑا جید فاضل تھا۔ عربی و فارسی مین اوسے ید طولےٰ حاصل تھا۔ فارسی مین غزل، قصیدہ، مثنوی، تینون صنفون مین شعر

کہتا تھا، اور بہت اچھا کہتا تھا۔ افسوس ہے کہ اوسکی تصنیفات نایاب ہین۔ مولوی محمد منیر کہ اونکی قوت حافظہ غیر معمولی تھی، عربی وفارسی دونون زبانون کی ادبیات مین ماہر تھے۔ تمام مشہور کتابین اونکو ازبر تھین، اور ہر سوال کا جواب زبانی دیتے تھے۔ محمد فیض بخش مصنف "تاریخ فرح بخش" جسنے فیض آباد کے تذکرہ مین بیگم کے زمانۂ بیوگی کے حالات بالتفصیل لکھے ہین۔ محمد خلیل خوشنویس کہ کتابت کی ۱۸ طرزون مین ماہر تھا اور قدیم مکتوبات کی نقل اس خوبصورتی سے اُتارتا تھا کہ اصل ونقل مین تمیز نہ ہوسکتی تھی۔ مرزا محمد علی جواوس زمانہ کا مشہور مُہرکن تھا جب بیگم کے وسائل آمدنی مین کمی ہوئی تو نواب آصف الدولہ نے ان باکمالون کو اپنے یہان بُلالیا۔ لیکن جواہر علی خان کی قدرشناسی نے شیخ محمد خلیل اور منشی لچھمی نرائن کو آخر تک ہاتھہ سے نہ جانے دیا۔

بہو بیگم کی صحت بتدریج خراب ہوتی جاتی تھی۔ آخر کار ۲۶ محرم ۱۲۳۰ھ (۱۸۱۵ء) کو بیگم نے ۸۶ برس کی عمر مین وفات پائی۔ مرنے سے کچھ مدت قبل اوسنے گورنمنٹ انگریزی کے توسط سے اپنی جائداد کا آخری تصفیہ کردیا تھا۔ بیگم کی وفات کے بعد اوسکی جاگیرات نواب غازی الدین حیدر (ابن نواب یمین الدولہ) کے حوالے کردی گئین۔ زرنقد گورنمنٹ انگریزی کے قبضہ مین آیا۔ بیگم نے اپنے وفادار ملازمون کے لئے جو وظیفے مقرر کردئے تھے۔ وہ آخر تک اونھین ملتے رہے جواہر علی خان کا انتقال بیگم کی وفات سے ایکسال پہلے ہوچکا تھا۔ داراب علی خان نظارت مین جواہر علی خان کا جانشین ہوا۔ اوسنے بیگم کی تجہیز وتکفین کے مراسم بے نظیر شان وشوکت کے ساتھہ ادا کئے۔ بیگم فیض آباد سے دو میل کے فاصلہ پر جواہر باغ مین دفن ہوئی۔ داراب علی خان نے اپنی محسنہ بیگم کی وفات کے بعد نظارت سے استعفا دے دیا۔ اور اپنی فرصت کے اوقات کو بیگم کے عالیشان مقبرہ کی تعمیر اور فاتحہ وعرس وغیرہ رسوم مذہبی کے ادا کرنے مین صرف کرنا شروع کیا۔ بیگم نے اپنے وصیت نامہ مین ان تمام اخراجات کے لئے رقم کثیر علحدہ کردی تھی یہہ بانصیب اور بااقبال بیگم عمر بھر زمانہ کی گردش سے مصئون رہی۔ اوسنے دلی کی

شاہی حرم سرا مین پرورش پائی تھی، دولت مغلیہ کے جاہ وجلال مین اپنی آنکھین کھولی تھین پھر صفدر جنگ کی بہو اور شجاع الدولہ کی بیگم رہی۔ اودھ کے زرخیز صوبہ کی دولت اوس کے قدمون پر نثار کی گئی - زمانہ عروج مین اوسکے پاس سوار وپیادہ دس ہزار فوج تھی۔ اوسکے فیلخانہ اور اصطبل مین بے شمار ہاتھی اور گھوڑے تھے اوسکے زروجواہر کے متعلق لوگونکے دلون مین طرح طرح کے خیالات تھے۔ جولوگ براہ راست یا بالواسطہ اوسکی سرکار سے روزی حاصل کرتے تھے اونکی تعداد ایک لاکھ تک بیان کی گئی ہے۔ مشرقی مبالغہ کو ملحوظ رکھتے ہوے بھی اس تعداد سے بیگم کی شان امارت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ کہتے ہین کہ بیگم کے ملازم نہایت خوش وخرم اور آسودہ ومرفہ الحال رہتے تھے۔ اوسکی سرکار کے ایک وظیفہ خوار کا بیان ہے کہ "فرخ آباد کے نوابان بنگش اوسکے اوسنے عہدہ دارون کی ہمسری نہ کرسکتے تھے" اور اوس زمانہ مین کوئی ہندوستانی عورت اسقدر خوشحال اور بارعب اور معزز نہ تھی"۔ بیگم ہمیشہ اپنے قدیم نمک خوارون کے ساتھ نوازش اور کرم کا برتاو کرتی تھی۔ اسے دنیا مین اسکے سوا اور کرنا ہی کیا تھا۔ انگریزون کے ساتھ بیگم نے ہمیشہ مسالمت اور رواداری کا برتاو کیا۔ اسکی وجہ غالباً یہہ تھی کہ نواب شجاع الدولہ کے تعلقات انگریز حکام کے ساتھ نہایت مخلصانہ تھے۔ علاوہ بریں وہ آصف الدولہ، یمین الدولہ اور غازی الدین حیدرشاہ، تینون نوابون سے کبیدہ خاطر رہی - وہ ایک اولوالعزم عورت تھی - اوسکو یہہ گوارا نہ تھا کہ کوئی شخص اوسکی آزادی اور جاہ وحشمت مین خلل انداز ہو۔ اوسکے دوران زندگی مین مغلیہ سلطنت بالکل تباہ ہوگئی، اور انگریزی تسلط ہندوستان مین قایم ہوگیا۔ وہ دو ایک مرتبہ انقلاب کی زد مین ضرور آئی، لیکن اوسنے کبھی برگشتہ بختی کا رنج نہ اوٹھایا - اوسنے اپنا شاہانہ ٹھاٹھ آخر تک نباہ دیا، اوسکی پرشوکت زندگی اسلامی حرمسراون کی دیرینہ عظمت کی ایک آخری یادگار تھی

عابد حسین خان

تاریخ کوہ نور

تاریخ کوہ نور ایک بڑا افسانہ ہے۔ اسکے ہر انقلاب کی نہایت وضاحت کے ساتھ جانچ پڑتال کی گئی ہے آج کم و بیش چھ سو سال کا عرصہ ہوا کہ یہہ جوہر شاہوار مالوہ کے راجہ شاہ بکرماجیت سے علاؤالدین خلجی نے حاصل کیا۔ اسیوقت سے تاریخ بھی اسکی قسمت کی طرح اسکا ساتھ دے رہی ہے۔ وہ روایات بھی جو اس کے متعلق ایک سچائی کا پہلو لئے ہوے ہین (جنکو بوجہ طول بین نظر انداز کئے دیتا ہون) شامل کیجائین تو وہ ۰۰ ۵ سال قبل مسیح اسکے وجود کی خبر لاتی ہین۔

تاریخ ہندوستان کی اگر ورق گردانی کیجاے تو پتہ چل جائیگا کہ کوہ نور وکرما و مالوہ کا راجہ جسکا دارالخلافہ اُجّین تھا اسکے عہد مین یہہ رونق دہ تاج خسروان عرصہ ظہور بین آیا۔ بعض مورخ لکھتے ہین کہ یہہ الماس کہن سال کارنا انگا کے راجہ کے زیب تاج تھا۔

کوہ نور... ۵ سال کا عرصہ ہوا کہ دریاے گوداوری کی تہ (مسلی پٹم کے قرب وجوار) سے برآمد ہوا تھا راجہ کرن والی انگا پہلا شخص تھا جسنے بزمانہ جنگ مہابھارت ایک طلسم سمجھ کر پہنا تھا ساتھ ہی اسکے ایک دوسرے گروہ کا قول ہے جس سے بیان بالا کی تردید ہوتی ہے۔ اسکا یہہ بیان ہے کہ جنگ مہابھارت کے موقع پر یہہ ہیرا بھوئی شوائی والی کشمیر کے بازو پر بندھا تھا۔ لیکن جب اسکا یہہ ہاتھ جنگ کی دست و برد مین جاتا رہا تو ارجن کے ہاتھ لگا۔ اسکے بعد ہندو راجاؤن کے یہان دورہ کرتا ہوا اسلاطین مغلیہ کے یہان کا اورنگ زیب ہوا اور اسطرح ایک عرصہ دراز تک شاہان مغلیہ کے قبضۂ اقتدار بین رہا

علاؤالدین خلجی نے جب ۱۳۰۶ء مین مالوہ فتح کیا تو کوہ نور بھی ملا لیکن جب آپسمین صلح و آشتی ہوگئی تو پھر مالوی راجاؤن کے پاس واپس پہنچ گیا۔ اور ۱۵۲۶ء تک یہہ مالوہ کے راجاؤن کے پاس نسلاً بعد نسلاً چلا آیا۔

بعد ازین پانی پت کی معرکہ آرائی مین ابراہیم لودی کو شکست ہوئی اور جب بکرماجیت لڑائی کے کام آیا تو اسکے پس ماندون نے کوہ نور فاتح ہمایون کو بطور نذر پیش کیا۔

بابر نے اپنی تزک مین ایک مشہور ہیرے کے متعلق لکھا ہے لیکن نام کا سراغ کہین نہین چلتا تاہم متفق طور پر کوہ نور ہی سمجھا جاتا ہے کیونکہ اسکا بیان اُسکی شکل صورت سے ملتا ہے۔ علاوہ ازین اُسوقت تک کوہ نور کوئی خاص نام سے نہین پکارا جاتا تھا۔ اسکا نام تو نادرشاہ کے زمانہ سے پڑا جسکا ذکر آگے آئیگا۔ بابر اپنی تزک مین لکھتا ہے جسکا ترجمہ یہہ ہے کہ مئی ۱۵۲۶ء کی جس لڑائی مین ابراہیم مارا گیا اسمین راجہ بکرماجیت والی مالوہ بھی کام آیا۔ راجہ کے متعلقین نے جو پیش کش ہمایون کو پیش کئے تھے۔ اسمین ایک بڑا مشہور الماس بھی تھا کہ جسکی قیمت ایک جوہری نے تمام دنیا کے ایک روز کے نصف خرچ کے برابر تبلائی تھی۔ اسکا وزن ۱/۲ ۱۸۶ قیراط ہے۔ جو ایک اونس گیارہ پینی ویٹ اور دو گرین کے برابر ہوتا ہے جو قریب قریب پانچ تولہ کے برابر ہوا۔ اسکے بعد لکھتا ہے کہ ہمایون نے میری نذر کیا۔ لیکن مین نے اسکو پھر واپس دے دیا۔ اسکے بعد سے کوہ نور کی سوانح عمری بالکل صاف ہے چنانچہ یہہ یکے بعد دیگرے ہمایون۔ اکبر۔ جہانگیر۔ اور شاہجہان کے پاس رہتا ہوا عالمگیر کے قبضہ مین آیا۔

مسٹر برنیر لکھتے ہین کہ شاہجہان کی وفات کے بعد اورنگ زیب معًا اکبرآباد روانہ ہوا جہان آرا جو شاہجہان کی بڑی چہیتی بیٹی تھی اور جو تا دمِ واپسین اسکی معیت مین رہی تھی۔ اُسنے اورنگ زیب کا نہایت اعزاز کے ساتھ استقبال کیا۔ جب اورنگ زیب حرم سُلطانی مین داخل ہوا تو جہان آرا نے ذاتی اور شاہجہان کے تمام بیش قیمت جواہرات اسکے سامنے پیش کئے اب اس جگہ یہہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا کوہ نور بھی انہین جواہرات مین تھا یا یہہ کہ اورنگ زیب نے شاہجہان کے ہی حین حیات مین اسے حاصل کر لیا تھا۔ اسکا تصفیہ محض اس سے ہو سکتا ہے کہ جب مسٹر ٹیورنیر نے اورنگ زیب کا شاہی خزانہ دیکھا تو اُسمین صرف ایک بڑا ہیرا تھا۔

اور یہہ ۳ نومبر ۱۶۶۵ء کا واقعہ ہے اور شاہجہان کی وفات فروری ۱۶۶۶ء مین ہوئی بہرحال کچھ بھی ہو۔ کوہ نور شاہان مغلیہ کے پاس محمد شاہ کے حکومت کے شروع زمانہ تک رہا۔

۱۷۳۹ء مین جبکہ سلطنت مغلیہ کا آخری دور آن پہونچا۔ نادرشاہ نے دہلی پر لشکرکشی کی صلح کے بعد نادر نے محمد شاہ سے بڑی حکمت عملی سے اسے حاصل کیا۔ لیکن قبل اسکے کہ یہہ بتایا جاے کہ نادر نے اس سے کیونکر حاصل کیا ایک اور انگریزی مورخ وہیلگر کا بیان قابل غور ہے۔ انکا قول ہے کہ اورنگ زیب نے تخت طاوس کی زیب و زینت بڑھانے کے لئے کوہ نور اسمین جڑ والیا تھا۔ فتح نادری کے بعد تخت طاوس توڑا گیا اور بہت سی بیش قیمت اشیاء کے ساتھ یہہ نادر روزگار ہیرا لیا گیا لیکن ایکدوسری روایت کے بموجب جو زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے یہہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب نادر شاہ خزانہ دہلی پر قابض ہوا تو کوہ نور جسکے حاصل کرنے کا کمال مشتاق تھا نہ پایا ایک عرصہ تک تلاش مقصود مین کوشاں رہا لیکن کوئی بھی کوشش مؤثر نہ ثابت ہوئی۔ آخر حرم مین سے کسی عورت نے ایکروز نادر سے کہدیا کہ محمد شاہ ہر وقت کوہ نور کو اپنے سر کی دستار مین محفوظ رکھے رہتا ہے اور کسی وقت اپنے سے علیحدہ نہین کرتا۔ یہہ خوشگوار خبر سنکر نادر کچھ روز موقع کا منتظر رہا۔ آخر ایک روز بڑا دربار کیا۔ اور اسمین جانبین سے اظہار خلوص و محبت کیا گیا۔ اسکے بعد آپسمین تبدیلی دستار کی ٹھہری۔ چنانچہ نادر نے اپنی چرمی کلاہ محمد شاہ کے سر منڈھی اور اسکی دستار گرانمایہ سے اپنی آرزو دیرینہ پوری کی۔ نادر سمجھا کہ شاید اسکے ساتھ دھوکا کیا ہے اور کوہ نور دستار مین نہین ہے اسلئے تھوڑی ہی دیر مین دربار برخاست کیا اور اپنے خیمہ مین جاکر فوراً دستار کھولی الماس کو دیکھتے ہی مارے خوشی کے چلا اُٹھا کوہ نور! کوہ نور! اور یہہ ہی اس شعلۂ نور کی وجہ تسمیہ ہے۔ نادر کی وفات کے بعد اسکا خزانہ تمام برباد ہوگیا۔ لیکن کوہ نور اسکے بیٹے شاہ رخ ہی کے پاس رہا۔ اسکے محفوظ رکھنے کے لئے غریب نے طرح طرح کی مصیبتین بھی جھیلین حتی کہ اندھا بھی ہونا پڑا۔ لیکن کوہ نور کو اپنا نور نظر ہی سنلئے رکھا جب اسکی سلطنت برباد و تباہ ہوگئی تو اسکو مشہد کا

گورنر بنا دیا لیکن یہان بھی اسے چین نہ آیا۔ مشتاقان کوہ نور بے طرح اسکے پیچھے پڑے چنانچہ آغا محمد ایک جمعیت کثیر کے ساتھ اس بہانے سے مشہد روانہ ہوا کہ اسے روضہ حضرت امام رضاؑ کی زیارت کرنا ہے اور وہان پہنچکر مشہد پر قبضہ کرلیا۔ زیارت روضہ سے فارغ ہوکر اسنے شاہ رخ سے اسکا پوشیدہ خزانہ لینا چاہا۔ لیکن اسنے انکار کیا اور کہا کہ میرے پاس کچھ نہین ہے۔ اسپر آغا محمد نے حکم دیا کہ انکا سر منڈوا دیا جاے اور سر پر گرم گرم تیل ڈالا جائے جب تک یہہ اپنے تمام جواہر معہ کوہ نور کے نہ دین۔ یہہ سب تکالیف سہین لیکن کوہ نور نہ دیا۔ آخر احمد شاہ درانی اسکے مرنے سے پہلے اسکی کمک کو آن پہنچا اور اس مدد کے صلہ مین کوہ نور احمد شاہ درانی کے ہاتھ آیا احمد شاہ درانی کے بعد اسکے بیٹے تیمور شاہ کو ملا۔ یہہ ۱۷۹۳ء مین مرا اور پھر اسکے بیٹے شاہ زمان کے قبضہ مین پہنچا۔ اسکے دوسرے بھائی شجاع الملک نے اسے اندھا کرکے تخت سے اُتارا اور پھر کوہ نور حاصل کیا۔ ایک عجیب وغریب روایت مشہور ہے کہ جب شاہ زمان کو اسکے بھائی شجاع الملک نے تخت سے اُتارا اور اسنے کوہ نور نہ دیا تو کئی روز شاہ زمان کو نظر بند رکھا مگر کوہ نور نے اس حالت مین بھی رفاقت سے ہاتھ نہ اُٹھایا۔ اور شاہ زمان نے بھی عجیب وغریب طریقون سے اسکی حفاظت کی چنانچہ لکھا ہے کہ اسنے کوہ نور کو اپنے کمرہ کی دیوار مین پیوست کراکے اوسپر سے مٹی لیپٹ دی تھی تاکہ لوگون کو معلوم نہ ہو اور اسکی نظرون سے بھی اوجھل نہ ہو۔ مگر اتفاق سے اسکے اوپر کی کسیقدر مٹی گر گئی۔ اور کوہ نور کا ایک گوشہ کسی سپاہی کو نظر آگیا۔ اسنے فوراً نکال لیا اور اسکے بھائی شاہ شجاع کے نذر کیا۔ شاہ شجاع تقریب کے موقعون پر اسے پہنتا تھا۔ چنانچہ مسٹر الفنسٹن جو شاہ شجاع کے زمانہ مین بسلسلۂ سفارت انگریزی پشاور مین مقیم تھے بیان کرتے ہین کہ انھون نے شاہ موصوف کے سینہ پر کوہ نور آویزان دیکھا تھا۔ اسکے بعد شاہ شجاع کے اقبال کا آفتاب ڈھل گیا بعد اسکے ادبار نے اسقدر گھیرا کہ وہ نہ صرف اپنے نور نظر کو رو بیٹھا بلکہ اسے جلا وطن ہوتا پڑا۔ مگر باوجود ان تمام مصائب وآلام کے کوہ نور کو ہاتھ سے نہ دیا۔ شاہ شجاع معہ شاہ زمان کے رنجیت سنگھ کے یہان پہنچے۔ یہان انکی بڑی

آؤ بھگت کی گئی اور بڑی عزت و احترام کے ساتھ رکھا۔ یہانتک کہ رنجیت سنگھ انکی طرف سے شاہ محمود سے لڑا اور کشمیر فتح کیا لیکن بجاے اسکے کہ شاہ شجاع کو اسکا ملک دیتا رنجیت سنگھ نے خود طرح طرح کے مظالم توڑنا شروع کیے کہ کسیطرح وہ تمام نادر جواہر جو کابل سے لایا ہے اسکے نذر کرے۔ اور سب سے زیادہ تو کوہ نور کا مشتاق تھا۔ اسکے حاصل کرنے مین جو پہلو اسنے اختیار کئے وہ اس عنوان کے دوسرے حصہ مین واضح کیے جائینگے

ایم۔ صدیق رضا
سکنڈ ایر

غزل

مطلع نہین تو نہ سہی خیالات بہت بڑھ چکے ہین اور وہ قیود جنھین قدما ضروریات شاعری مین سے سمجھتے تھے اب لغویات سمجھے جاتے ہین۔ دقیانوسی خیالات کی کوتاہ نظری چراغ پا نہ ہو۔

آپ کہین گے کہ عجیب تلوّن ہے کبھی اثر اور کبھی کمال۔ مگر غور کیجیے دنیا کے کسی شے مین بھی استقلال ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ متلون مزاجی فطرت کا نہایت ہی شاندار عنصر ہے ہر کام کسی خاص خیال کا عکس ہوا کرتا ہے۔ خیالات کا تغیر ہی تلوّن حرکات کا باعث ہے۔ پس جب فطرت انسانی خود تغیر پسند ہے تو تخلص کیون نہ بدلتا رہے۔ خیر

خوے زاہد کی قسم ہے رات بھر — مین نے ذکر ساغر و مینا کیا
انتہا میری محبت کی نہ تھی — مین اوسے اور وہ مجھے دیکھا کیا
بے دلی میری دعا کے ساتھ تھی — کیا اثر نے اس لئے پردا کیا
بدگمانی اون سے پیدا ہو چلی — اے ہجوم یاس تو نے کیا کیا

ساقی ذری ہوش کی تکفیر کی — بیخودی کو شیخ نے رسوا کیا
جب یہہ دنیا تیری ہی اک چال تھی — حشر آخر کس لیئے برپا کیا
خود مری حالت تھی میرے سامنے — گو بظاہر مین تجھے دیکھا کیا
تو نے کیون عصیان سے توبہ کی کمال — اِتقا کو مفت مین رسوا کیا

سجاد انصاری

غزل

ابو البیان محمد رضا۔ رضا صدیقی۔ الہ آبادی

سودا ہوا ہے جب سے مجھے زلف یار کا — بخت سیہ کو عشق ہے شکونکے تار کا
افشان چھڑا رہے ہین کہ ذرّونکا ٹھیک کیا — خاکہ یہہ اڑ رہا ہے ہمارے غبار کا
داغی ہے ماہ۔ رشک سے جلتا ہے آفتاب — سکہ جما ہوا ہے دلِ داغدار کا
ڈوبا ہوں بحرِ عشق مین قاتل سے ڈر نہین — پانی نظر مین ہے مرے خنجر کے دھار کا
جاتے ہین سیر باغ کو۔ یارب نظر نہو — کانٹا کھٹک رہا ہے مجھے گل کے خار کا
دن گن رہے ہین حشر کے وعدہ ہے دید کا — ہر دم ہین شمار ہے روزِ شمار کا
کھینچا ہمین تو بھسہ ہمین کھینچا ضرور ہے — نقشہ پکارتا ہے یہہ تصویر کار کا
حیرت نے آئینہ کی مچادی جہان مین دھوم — سب حال آئینہ ہوا رخسار یار کا
کیون منتشر ہے جوہر شمشیر کیا ہوا — کیا عکس پڑ گیا مرے شکونکے تار کا
دیوانے جی رہے ہین تصوّر سے زلف کے — تار نفس ملا ہے انھین شکون کے تار کا
اسمین بھی کچھ تو گیسوے لیلےٰ کی ہے جھلک — عاشق ہے قیس پیرہن تار تار کا
استاد ہین اگر تو امیر و نسیم و میر — قائل ہون شاعری مین نہین تین چار کا
رنگینیِ خیال رضا تمیہ ختم ہے — ہر ایک شعر پہ ہے گمان لالہ زار کا

غزل

ہر گل مین تو ہے۔کوئی طلبگار بھی تو ہو
نرگس کی طرح حسرتِ دیدار بھی تو ہو

رحمت بہانہ جو ہے۔گنہگار بھی تو ہو
بندون مین کوئی اسکا سزاوار بھی تو ہو

ہر جزو سے عیان ہو تماشائے کُل مگر
پہلے بشر مین طاقتِ دیدار بھی تو ہو

زاہد نہ ہوگا یون کرمِ حق کا مستحق
پہلے گناہ کرکے گنہگار بھی تو ہو

ہم سر نثار کرنے کو تیار ہین مگر
راضی تمھارا خنجرِ خمدار بھی تو ہو

مجھ پر ہی رات دن ہے تقاضائے ضبطِ آہ
کچھ امتحانِ خاطرِ اغیار بھی تو ہو

دلداری مریض بھی دل لیکے چاہیے
تم دلربا ہی تو نہین دلدار بھی تو ہو

تصویرِ یار دیکھ کے صبر آئے کس طرح
جی چاہتا ہے شوخیِ گفتار بھی تو ہو

حاذق شبِ فراق مین بیجا ہے اضطراب
کچھ پاس طبعِ نازکِ دلدار بھی تو ہو

خاکسار محمد حاذق سہارنپوری متعلم تھرڈ ایر کلاس

قطعہ تاریخ وفات مولانا شبلی نعمانی مرحوم ومغفور

نتیجہ فکر گوہر بار

شاعر نامدار یکتاے روزگار۔جناب سید نثار حسین صاحب "نثار" ڈپٹی انہار سلمہ اللہ الغفار
المعروف بہ مائی لارڈ۔

شبلیؒ پاک نفس چو خوابید زیر خاک
شد آفتاب علم مگر در زمین نہان

برباد گشت گلشن فضل و کمال آہ
چون مرغ روح او بہ جنان کرد آشیان

آن فاضل اجل چو خرامید سوے خلد
ہر سو بپا ز درد و الم نالہ و فغان

یکتاے روزگار و وحید زمان گذشت
مے کرد ناز قوم بران فاضلِ جہان

گفتۂ شاد خستہ جگر سال رحلتش بگزشت وائے شبلی علامہ زمان

۱۳۳۲ ہجری

انجمن حدیقۃ الشعر کی تاریخ مین ایک صفحہ زرین کا اضافہ

حکما کا قول ہے کہ ہر انسان کی زندگی مین خوش نصیبی کا ایک ایسا موقع آتا ہے کہ اگر اوس سے فائدہ اوٹھایا جائے تو آیندہ کامیابیون کے لئے ایک دیباچہ زرین ثابت ہوتا ہے اگر یہ کلیۂ شخصی وانفرادی حالات کے لئے صحیح ہے تو کوئی وجہ نہین کہ اجتماعی واتحادی مساعی کے لئے بھی صحیح نہو۔ بیشک مجالس ومجامع کی تاریخ زندگی مین بھی ایسے سنہرے موقعے پیش آجاتے ہین چنانچہ ہماری انجمن حدیقۃ الشعر جو ابھی گویا گہوارہ طفولیت ہی مین ہے اسکے لئے بھی دست قدرت نے خود سامان ترقی مہیا کردیا۔ یعنی ماہ گذشتہ مین جب کہ قوم کے سرمایۂ ناز اور سادات مرحوم کے چراغ دودمان جناب سید راس مسعود صاحب کی بزم کتخدائی مین تقریباً تمام اعیان قوم تشریف لائے تھے اسی ضمن مین جناب مستغنی عن الالقاب شمس العلما نواب سید امداد امام صاحب المتخلص بہ اثر بھی جلوہ فزائے خاک علیگڈھ ہوے۔ جناب ممدوح کو علوم قدیمہ کی اشاعت سے جو خاص شغف ہے وہ محتاج بیان نہین اور یہ اوسی کا نتیجہ تھا کہ جناب موصوف نے انجمن کے وفد کو شرف باریابی عطا فرمایا اور ہم خدام کی ناچیز استدعا قبول کی۔ اور حسب وعدہ بتاریخ ۱۸ نومبر ۱۹۱۳ء بوقت ۸ بجے شب اراکین انجمن کی دعوت پر یونین کلب کے ہال مین جہان جلسہ انجمن قرار پایا تھا تشریف فرما ہوے۔ تقریباً جمیع مہمانان عظیم الشان وروسائے شہر رونق افروز تھے۔ جلسہ زیر صدارت قاضی جلال الدین صاحب جلال میر مجلس انجمن شروع ہوا۔ سب سے پہلے خادم معتمد اعزازی نے مندرجہ ذیل مسدس پڑھی جس مین جناب ممدوح سے قبول سرپرستی کی استدعا تھی ؎

بلا کی کلک اثر تم آج تیری گلفشانی ہے ہنسی منھ چوم لیتی ہے غضب کی شادمانی ہے

وہ طراری وہ شوخی وہ نزاکت وہ روانی ہے ۔ کہ ہر ہر لفظ سے ظاہر ادائے نقش مانی ہے

نہین سطر مسلسل۔ طرۂ گیسوے لیلا ہے
بیاضِ صفحہ پر نقطہ ہے یا خالِ زلیخا ہے

عجب اک بانکپن ہر ذرّہ ذرّہ سے نمایان ہے ۔ جسے دیکھو وفورِ خوشدلی سے گل بداماں ہے
مبارک مے کشو یہہ عزت افزائی کا سامان ہے ۔ کہ خود پیرِ مغان گھر مین تمھارے آج مہمان ہے

وہ دیکھو فرطِ فرحت سے ہر اک غنچہ چٹکتا ہے
در و دیوار سے اک نور کا عالم ٹپکتا ہے

ہماری بزم کی رونق ترے دم سے دوبالا ہے ۔ کہ سروِ بوستانِ علم تیری ذات والا ہے
تجھی سے کچھ نگارستان دانش مین اُجالا ہے ۔ ترے قربان ہمین کس حال مین آکر سنبھالا ہے

نگاہ لطف اِس جانب بھی گر اک بار ہو جائے
مرے ساقی ترے مستون کا بیڑا پار ہو جائے

ریاضِ دھر مین ہے آبروے علم و فن تجھ سے ۔ ابھی تازہ ہے یادِ رونقِ عہدِ کہن تجھ سے
نئے سر سے ہوا سرسبز معنی کا چمن تجھ سے ۔ تمنا کیون نہ رکھین ممبرانِ انجمن تجھ سے

سرافرازی عطا کر اسکے سر پر سایہ زن ہوکر
ہمین ممتاز کردے سرپرست انجمن ہوکر

بعد اختتام نظم ہٰذا جناب موصوف کی خدمت مین وزیٹرس بک پیش کی گئی جسمین جناب نے اپنے دستخط فرمائے۔ تمام ہال نعرہ ہاے خوشی سے گونج اوٹھا۔ ہر طرف سے حاضرین پر پھول برسائے گئے اور جمیع مہمانان ذوی الاکرام کو ہار پہنائے گئے۔ علاوہ برین جناب ممدوح کی خدمت مین انجمن کی طرف سے ایک زرین[۱] ہار کا تحفہ مختصر بھی پیش کیا گیا۔ بعد ازان جناب اقبال احمد خانصاحب سہیل نے ایک قصیدہ تہنیت پڑھا وہو ہٰذا ؎

مگر از ساقی فطرت نوید فیض عام آمد ۔ کہ از جوشِ طرب ہر گل مے عشرت بجام آمد

---

[۱] اس زرین ہار کے پیشکش کر سکنے کے لئے انجمن حدیقۃ الشعرا اپنے مربی جناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب کی امداد کی بدل مشکور ہے۔

چمن پیرائے گیتی طرفہ رنگے ریختہ کاینک — زمستانست و جوش صد بہارانش غلام آمد

دمن را دادہ صد تزئین چمن را کردہ عطرآگین — زمن بر بودہ عقل و دین چو عرعر در خرام آمد

فتادہ دانۂ ژالہ چنان بر چہرۂ لالہ — تو گوئی قطرہ خوبر رخ آن لالہ فام آمد

عذار آمد بجنبیدن چنار آمد بہ رقصیدن — ہزار آمد بخندیدن چو گل در ابتسام آمد

چہ بلبل شاعر خوش گو چہ گل آن شاہد دلجو — بہار گلشن مینو کہ شعر خوش بنام آمد

سخن آن شاہد دلکش پریرو سرو قد مہوش — کہ رخشان گوہر ذاتش زعمان بدام آمد

گلستان سخن را نوبہار از کیست میدانی — اثر کز نظم او ملک معانی را نظام آمد

فروغ اخترش در ظلمت شب آنچنان تابد — کہ رخسار سحر را رشک بر گیسوئے شام آمد

سر دیگر انجمن نازد سخن بر خویشتن نازد — دل یاران چو من نازد کہ ہر یک شاد کام آمد

بگوش دل سحر گہ از سروشم این پیام آمد — کہ بہر نصرت این بزم امداد امام آمد

ندانم تا چہ می سازم مگر جان در رہ اندازم — کہ چون تو میہمانے در خور صد احترام آمد

فروغ بزم افزودی چو گامے رنجہ فرمودی — ہمائے اوج طالع بزم کالج را بدام آمد

سپہر دانش تو و آن دو فرزندان والا بیت — یکے مہر درخشان دیگرے ماہ تمام آمد

زہے ذات کریم تو زہے خلق عمیم تو — کہ اہل بزم را عطر محبت در مشام آمد

تو مہر دانشی زیبد اگر بر پائے تو امشب — نگہ از دیدہ ام بیرون ز بہر استلام آمد

خرام خامہ ات طاؤس گلزار سخن باشد — فروغ حسن تو آئینۂ حسن کلام آمد

ہمائے چون تو بر روے سایۂ الطاف افگندہ — کنون این انجمن را ساعت نیل مرام آمد

سہیل از ملک معنی را بدست آوردہ زیبد
کاینک خامہ تو رشک تیغ بے نیام آمد

بعد ازان جناب ممدوح نے ایک مختصر مگر نہایت امید افزا تقریر فرمائی جسمین انجمن کے اغراض و مقاصد سے اتفاق فرماتے ہوئے اوسکی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا اور

اوسکا قیام کالج کے لئے مبارک و مسعود قرار دیا۔ اقبال احمد خان صاحب سہیل کی نظم کی تعریف کرتے ہوے فرمایا کہ "یہ وہ زبان ہے جو نہ صرف ہندوستان بلکہ ایران مین بھی نہایت قدر کی نگاہون سے دیکھی جاویگی اور جسکو شیراز و اصفہان کے اہل قلم بھی سر آنکھون پر جگہہ دینگے"۔ اِس تقریر کے بعد جناب قاضی جلال الدین صاحب جلال صدر انجمن نے انجمن کی جانب سے جناب موصوف کی تشریف آوری اور اس عزت افزائی کے لئے تہ دل سے شکریہ ادا کیا۔

علاوہ برین اِس مبارک موقع کی یادگار مین جناب جعفر علی خان صاحب رئیس بنڈراول نے ﷲ جناب سید راس مسعود صاحب نے ﷲ اور مسٹر مسعود نامی نے ﷲ انجمن کو مرحمت فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ ان حضرات کی علم دوستی و فراخ حوصلگی کا جسقدر شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ اِن رقوم موعودہ کے اعلان کے بعد مشاعرہ مجوزہ کا افتتاح ہوا سب سے پہلے جناب ممدوح نے تبرکًا و تیمنًا اپنے دیوان مطبوعہ سے کچھ کلام بلاغت نظام ارشاد فرمایا۔ تمام حاضرین پر ایک عالم انبساط طاری تھا اور ہر سمت سے نعرہ ہاے تحسین بلند ہو رہے تھے۔ بعدہٗ حسب ذیل ارکین انجمن نے مقررہ مصرع طرح اور مضمون بر [illegible] پر اپنی اپنی نظمیں پڑھین۔ جناب محمد حاذق صاحب المتخلص بہ حاذق۔ جناب [illegible] حسن صاحب بدر جلالی جناب محمد کبیر صاحب رسا۔ جناب علی اکبر خانصاحب [illegible] جناب [illegible] صاحب [illegible] فجی۔ جناب محمد رضا صاحب رضا۔ جناب اقبال احمد خانصاحب سہیل جناب عبد الحمید صاحب حمید۔ جناب محمد رفیع صاحب مستتر و خادم آثم۔ حسب قاعدہ نظمون کا انتخاب جو دفتر معتمد اعزازی مین موصول ہوئین درج ذیل کیا جاتا ہے

مصرع طرح۔ "کب تک خیال طرۂ لیلا کرے کوئی" لیلا = قافیہ

جناب محمد حاذق صاحب حاذق طالبعلم کالج

دل محو دید حسن خود آرا کرے کوئی
آئینہ وقف آئینہ سیما کرے کوئی

مژگان و بُعد مردم دیدہ ہین بے ضرو
زیر نقاب کس لیے پردا کرے کوئی

قسمت کے پیچ ہین مری ہرگز نہ جائینگے
تا چند انتظار گوارا کرے کوئی

ممکن وصال حق ہے ۔ ہوا بھی اگر تو کیا
پوری نہو کبھی وہ تمنا کرے کوئی

حاذق دلِ طپیدہ ہی پہلو مین جب نہو
کیا فائدہ کہ عشق کو رسوا کرے کوئی

جناب بدرالحسن صاحب جلالی بدر متعلم کالج

گر پیار کی نگاہون سے دیکھا کرے کوئی
پھر کیون خیال منت عیسیٰ کرے کوئی

جب چشم بادہ ریز ہی گردش مین ہے تو کیون
پروائے دور ساغر و صہبا کرے کوئی

یان داغ دل ہی کم نہین کچھ شمع طور سے
جا جا کے منتین سرِ سینا کرے کوئی

وابستہ تار تار سے سو سو اُمید ہین
دامن کو اونکے کس طرح چھوڑا کرے کوئی

ہو لطف روز حشر جو وقت حساب جور
مانا کرے کبھی کبھی جھگڑا کرے کوئی

چھوڑا اسلاف نے بدر نہ بندش کیواسطے
مضمون کہان سے اب نیا پیدا کرے کوئی

جناب محمد کبیر صاحب رسا طالب علم کالج

یون مفت نقد دل کو نہ مانگا کرے کوئی
کیا ہم پہ قرض ہے جو تقاضا کرے کوئی

دل بیقرار ہے کہ کرے کوئی چھیڑ چھاڑ
آنکھین ہین منتظر کہ اشارا کرے کوئی

موسیٰ نہین کہ ایک ہی جلوے مین گر پڑین
ہان امتحان برق تجلے کرے کوئی

پنہان ہے ذرّہ ذرّہ مین برق جمال دوست
ہر سنگ طور ہے جو تماشا کرے کوئی

وہ سنگدل - زمانہ مخالف - فلک رقیب
پھر کہئے کس سے عرض تمنا کرے کوئی

اتنا تو ہو اثر کشش عشق مین رسا
ہم روٹھ جائین اور منایا کرے کوئی

جناب علی اکبر خانصاحب شروانی علی متعلم کالج

بیمار زندگی کو جو اچھا کرے کوئی
دست اجل سے کا مسیحا کرے کوئی

ہان اے نگاہ ناز تجھی پر ہے فیصلہ
پہلو مین دل ہو اور تمنّا کرے کوئی

ہر شے محل غیر مین ہے اوسکو ناپسند
درد جگر زبان پہ نہ لایا کرے کوئی

عہد وفا کو پرزہ کاغذ کہین جناب
عہد نیاز پھر بھی نباہا کرے کوئی

اے وائے دخت رز کے فریب نگاہ پر
سرمایۂ ضمیر کا سودا کرے کوئی

مجھ کو خمار دیدۂ ساقی ہے لے علی
محفل مین شغل ساغر و مینا کرے کوئی

جناب محمد رفیع صاحب مستتر طالبعلم کالج

کیون مجھ سے میرے رونیکا شکوہ کرے کوئی
اپنی جفائین بھی کبھی سوچا کرے کوئی

گیتی ہے ہیچ گردش مجنون کے سامنے
لب عالم خیال مہیا کرے کوئی

نظارہ جمال کو لازم ہے ذوق دید
میری نگاہ سے اونھین دیکھا کرے کوئی

ہے فرض عشق حوصلہ افزائی غرور
اُٹھے نگاہ ناز تو تڑپا کرے کوئی

ہم ہون اگر نہ باعث تفریح طبع یار
کیون بھیج کر جہان مین تماشا کرے کوئی

پھر اس سے ترک رسم ہے دشوار تر
بنت عنب کو منھ نہ لگایا کرے کوئی

جناب محمد رضا صاحب رضا صدیقی متعلم کالیجیٹ اسکول

مانا کہ لاکھ بار تمنا کرے کوئی
قسمت ہی جب بری ہو تو پھر کیا کرے کوئی

دل بیوفا ہے۔ جان کا خواہان ہے دلربا
کس سے امید کس پہ بھروسا کرے کوئی

مجھ کو یہہ شوق بات بھی ہو چھیڑ چھاڑ بھی
اونکو یہہ ضد کہ بس ہمین دیکھا کرے کوئی

اچھی کہی کہ درد نہ اپنا بیان کرو
اچھا تو بے کہے ہی مداوا کرے کوئی

دلبر کو۔ دل کو۔ آرزوئے لطف وصل کو
کس کس کو چشم شوق سے دیکھا کرے کوئی

مجھ رند بادہ خوار سے واعظ کو کیا رضا
پگڑی کی خیر اپنی منایا کرے کوئی

جناب اقبال احمد خان صاحب سہیل طالب علم کالج

جب آج چشم شوق سے پردا کرے کوئی
کیون اعتبار وعدۂ فردا کرے کوئی

دل مین رہے تو پھر نظر آیا کرے کوئی
خود اپنے گھر مین کس لیئے پردا کرے کوئی

چوری نہین خراج محبت تھا نقد دل
پر کیا کہین جب آنکھین چرایا کرے کوئی

اس چشم جلوہ سنج نے غارت کیا مجھے
کیون آرزوے دیدہ بینا کرے کوئی

رہتی ہے اونکو نت نئے بسمل کی جستجو
یہہ شوق ہے کہ سامنے تڑپا کرے کوئی

کیا ہو اگر گرا دے کوئی پردہ ہاے چشم
آنکھون مین اس طرح نہ سمایا کرے کوئی

تحسین طلب ہے اونکی ہر اک جنبش نگاہ
کس کس ادا پہ اونکو سراہا کرے کوئی

دیکھے مجھے کہ آئینۂ حسن دوست ہون
گر چاہتا ہے اونکا نظارا کرے کوئی

ذوق فنا مین آج طپان ہے سہیلؔ زار
قطرہ مین سیر وسعت دریا کرے کوئی

جناب شیخ فضل الرحمن صاحب قدوائی فجیؔ طالبعلم کالج

ترک عدو کا مجھ سے نہ دعویٰ کرے کوئی — آنکھون مین میری دھول نہ جھونکا کرے کوئی
اے آہ۔ لب تک آگئی یہ کیا غضب کیا — دردِ جگر کو یون تو نہ رسوا کرے کوئی
بزمِ نشاط گرم ہے چھٹکی ہے چاندنی — ایسے مین آکے لطف دوبالا کرے کوئی
اللہ رے ذوق۔ یہ ہے تقاضائے زخم دل — نوکِ سنانِ ناز سے چھیڑا کرے کوئی
بنت عنب نے شیخ کو دیوانہ کر دیا — اب اتقا کی جان کو رویا کرے کوئی

فجیؔ۔ ملا ہے حضرت موسیٰ کو کیا جواب
کیا یاد کرکے اوس کی تمنا کرے کوئی

خادم آثم

رونے کی بھی مجال نہین کیا کرے کوئی — ہے حکم۔ رازِ عشق نہ افشا کرے کوئی
کہتے ہو "کیون فراق مین تڑپا کرے کوئی" — جب دل پہ اختیار نہ ہو کیا کرے کوئی
ستر ہزار پردون پہ جمتی نہین نظر — بے پردہ کیسے اونکا نظارا کرے کوئی
ہوتی ہے اور تیز سمٹ کر شعاعِ حسن — یون چاک پردہ سے تو نہ جھانکا کرے کوئی
پینا ہے مے۔ تو لیجئے۔ حاضر ہے شیخ جی — کافر ہو سترِ زہد جو افشا کرے کوئی
آیا جو لب پہ حرفِ تمنا تو یہ کہا — قابو مین ہو زبان تو بولا کرے کوئی
ذکرِ شبِ وصال پہ اللہ رے انفعال — فرما رہے ہین "ہمسے نہ بولا کرے کوئی"
آثمؔ بھی مستِ ساغرِ منصور ہے۔ مگر — کیون رازِ بزمِ خاص کو رسوا کرے کوئی

نظم بر مضمون "قطرۂ اشک" از جناب محمد رضا صاحب صدیقی رضاؔ

قطرۂ اشک جو منت کشِ زیور ہو جاے
پانی پانی عرقِ شرم سے گوہر ہو جاے
جوش پر آئے تو اک شورشِ محشر ہو جاے
ساری دنیا میں سمندر ہی سمندر ہو جاے
اس سے ہر نوک مژہ دست گہربار بنے
اور آغوشِ الم جوہری بازار بنے

قطرہ اشک نہین کہئے اسے ذرۂ تاج
آبروِ عشق کی گر ہے تو ہے معشوق کی لاج
خاکساری سے گیا عرش پہ ہے اسکا دماغ
مل کے مٹی مین ہوا کرتی ہے سب کو معراج
جو تنزل مین ترقی کا تماشہ دیکھے
چشم انصاف سے بس اشک کا قطرہ دیکھے

کسی عاشق کی اسے آنکھ کا تارا کہئے
اور معشوق کی افشان کا ستارا کہئے
ابر رحمت کا اسے ایک اشارا کہئے
ظلمِ ظالم سے بچانے کا سہارا کہئے
تیغ قہار مین رہتا ہے یہ جوہر بنکر
چشم بیکس مین یہ کوزے مین سمندر بنکر

فرقت یار مین لگتی ہے جو اشکون کی قطار
خونی آنسو سے بنا کرتا ہے دامن گلزار
ہو کے وارفتہ رضاؔ کرتا ہون اسطرح پکار
دیکھنے والو چلو عام ہے مینا بازار
قطرۂ اشک ہین یہ اپنے جگر کے ٹکڑے
لختِ دل ہین مرے یہ نور نظر کے ٹکڑے

دیگر۔ از جناب اقبال احمد خان صاحب سہیلؔ

جہانِ نطق ہے گو بے زبان ہے قطرۂ اشک
دل شکستہ کا ترجمان ہے قطرۂ اشک

سپند مجمر سوز نہان ہے قطرہ اشک — ہے آب اور بھر آتش بجان ہے قطرہ اشک
مقابلہ ہے برابر کا دیکھیے کیا ہو — وہ شعلہ خو ہین تو آتش زبان ہے قطرہ اشک
دھوان سے لگے تو نہ کیون آئے اشک آنکھون مین — کہ خود بھی اصل مین دل کا دھوان ہے قطرہ اشک
یہ سنگدل نہ پسیجین گے آہ وزاری سے — عبث بتون سے تو گرم فغان ہے قطرہ اشک
بہار گریہ عاشق ہے سیر کے قابل — مژہ ہے سبزہ تو آب روان ہے قطرہ اشک
حکایت دل خون گشتہ اوسنے کیون کہیئے — کہ نغمہ ریز دو صد داستان ہے قطرہ اشک
تمھارے چہرۂ گلگون کی لوٹتی ہے بہار — کہ مثل کودک نادان دوان ہے قطرہ اشک

ترا قلم ہے کہ موئے مژہ ہے اے اقبال
کہ بزم شعر مین نوک زبان ہے قطرہ اشک

انکے علاوہ مہمانان کرام سے جناب ارشاد صاحب وجناب سید محمد ہادی صاحب ہادی اولڈ بوائے کالج نے بھی اپنے غیر طرح کلام سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔ الغرض جلسہ تقریباً ۳ گھنٹہ کی پر لطف صحبت کے بعد برخاست ہوا۔ فقط

ایوب احمد آثم
معتمد اعزازی انجمن

"Mid pleasures and palaces though we may roam
Be it ever so humble, there's no place like home;
A charm from the sky seems to hallow us there,
Which, wherever we rove, is not met with elsewhere.
Home! home! sweet sweet home!
There's no place like home, there's no place like home."

Obedience to every wish, sympathy without false ostentation, a feeling of generosity and enlarged philanthrophy, liberty without restraint and the serene enjoyment of domestic happiness go cheek by jowl. Home gives them birth and nurtures them into activity. It is like a bee-hive; there may be much toil, much labour and much work but it always contains a honeyed sweetness. But a man who is homeless is like a cuckoo which is restless or the butterfly which has no hive; the one is proverbial for selfishness and folly, the other for frivolity and worldly mindedness.

GHAKKHARIA.

PUBLICATIONS RECEIVED.

The Islamic Mode of Worship: by Mirza Bashir-ud-din Mahmud Ahmad, pp. 28+viii, paper covers: 1914: *Qadian,* Punjab.

Prophecies that all men should know (a tract accompanying the above), pp. 4, 1914: Lahore: The Ahmadiyya Printing Works.

Our Contemporaries.—We beg to acknowledge, with thanks, the receipt of the following periodicals:—

For September: (not previously acknowledged.) *The Rajshahi College Magazine.*

For October: (not previously acknowledged) *The Ravi.*

For November: *The Aligarh Institute Gazette, The Comrade, The Kayastha Pathshala Magazine, The Observer, The Presidency College Magazine* (Calcutta), *The Ravi,*

a recreation, the devotee a sanctuary, the lily-livered a spirit and the poltroon courage, the spear a point and the sword an edge.

There is no place like home to refine the temper and disposition. If anything can assuage the tumultuous passions of the soul, alleviate the violence of affliction or calm that turbulent commotion of feelings which the din and bustle of the world excite, it is the mollifying influence of a beloved and cheerful home.

There is no place like home to develop the purest affections of the heart. Here there is warm sympathy, effusive kindness, cordial love without dissimulation and copious benevolence not adulterated with sinister motives.

There is no place like home for virtue and goodness, for there is something in the very atmosphere of the family hearth which will not permit vice to luxuriate and evil to grow.

" Domestic happiness, thou only bliss of paradise

Thou art the nurse of virtue ; in thine arms

She smiles."

It is here that we can find the purest enjoyments, the most amicable associations and the best school for giving nobility to the soul and for acquiring the noble virtues of sympathy, forbearance and self-denial. The pleasures of wealth, rank, power and fame are extremely precarious and uncertain. But paternal kindness, maternal tenderness, filial obedience and conjugal love pampered only in the lap of home, are a joy for ever. The beautiful lines of B. Cornwall bear testimony to the wonderful power of home.

The active Membership of the Society is at present 24, exclusive of associates. The next meeting will be held on December 8th.

D. AUCHTERLONIE,

President.

HOME.

There is no place like home. How we all as if suffering from nostalgia pine for home, hanker after the charms of domestic happiness and wish intensely for the happy haunts of childhood! How attractive are the simple and innocent joys of a rural household painted in the most brilliant and gayest colours! How our heart melts away in raptures when we effect a change from a foreign land to home as if from the thorny asperities of the poetics to the flowery gardens of Epicurus! How exquisitely delightful is the evening scene around a poor fireside! The father, his day's work over, returns home and when his poor cottage bursts upon his view he hails the sight of it and feels a thrill of joy. His better half welcomes him *con amore* and the children climb his kness with eager haste "the envied kiss to share." The infants tottering and toddling endeavour to meet their "dad" with fluttering noise and glee. He sits down at ease in the centre of his family circle. The wife evinces a matronly care for the ease and the comfort of her beloved husband. The children—the *laborum dulce levimen*—the sweet solace of our labours, gladden his ears with their tittle-tattle and beguile his carking cares and thus make him forget his toil and his lowly condition. It is home and home alone where the jaded mind gets rest, the disappointed a solace, the weary

scholars recieved very little sympathy from their teachers—sympathy which is always electifying to the student, inducing a bright boy to do still better and even encouraging a boy of moderate ability to persevere with his work. From the beginning to the end, the path of Muhammadan scholars is beset with many and great obstacles and it is very few who succeed in overcoming them at every stage of education and reaching the goal.

It is not surprising, therefore, that in the face of such great odds, the Musalman community should, even after the more or less active interest taken by it in education for about half a century, find itself still as backward as it is. No progress in Muhammadan education is possible unless and until the many and great difficulties in their way are first removed. It is because it provides for the removal of some of these difficulties that the Resolution of the United Provinces Government on education ought to be gratefully welcomed by us.—*(To be continued.)*

THE PHILOSOPHICAL SOCIETY.

The first meeting of the Philosophical Society since the long vacation was held on the evening of Friday, 13th November, in the Siddons Union Club, the President in the chair. Mr. Ferguson was elected vice-president and the following were elected ordinary members :—Messrs. M. Mahomed Ishak, Abdul Latif Khan, Mirza Yaqub Beg, Fazl-ur-Rahman, Allah Bakhsh, Kalka Prasad, Akbar Ali, Abdul Matin, Mahomed Yahiya, and Mahomed Habib.

An interesting paper on Aristotle's Doctrine of the Mean was read by Mr. Jawala Prasad Singal, and a spirited discussion followed.

Islamic learning on the one hand and Western learning on the other and they unhesitatingly went in for the former. And from that moment, they began to impress upon the authorities the advisability, in their interest, of finding, in the state system of education a place for Islamic languages and literature. This demand amounted, more concretely, to this that as regards Primary Education, Government should make arrangements for their children to obtain their schooling in their own vernaculer, namely, Urdu, and that at the later stages of secondary and collegiate education, the study of Persian and Arabic should be included in the curriculum.

To these obstacles in the way of Muhammadan education, still another and one of great magnitude was soon to be added. It was remarked above that while the Musalmans were protesting against the introduction of English education, the Hindus, on the other hand, took to it with the greatest avidity and exerted themselves to the utmost to utilise the facilities provided by Government for that purpose. The Government posts, therefore, went entirely to Hindus and they soon found themselves dominating all departments of Government administration. The Schools, Colleges and Universities also shared this predominance. This created a fresh difficulty for them, for regret it much as we may, there is no denying the fact that the relations between the two great communities of India have by no means been very cordial. The Muhammadans had, to begin with, serious objections against the system of education in Government Schools and Colleges; while, if some of them overcoming those objections, decided to go in for it, they met with other difficulties of a most disheartening and discouraging character. The teaching staff of schools and colleges being mostly Hindu, the Muhammadan

authority of Government. No stronger motive for loyalty would appeal to the Indian boys and young men than the motive which would identify loyalty with a religious duty. It is, therefore, in the highest interests of the people and the Government alike that the system of education obtaining in this country should find a place for religious instruction side by side with secular education. The Government of India would seem to be coming round to this view for in their Resolution, dated the 21st February 1913, they remark with approval that "The most thoughtful minds in India lament the tendency of existing systems of education to develop the intellectual at the expense of the moral and religious faculties." This amounts to practical recognition of the fact that the Muhammadan demand for religious instruction has been most wise and its satisfaction would have saved the country from certain most unhappy results.

Next comes "the not unnatural attachment to the learning of Islam." When the Government decided that English education was alone to be officially recognized and supported, the Musalmans naturally felt that if they abandoned the study of Islamic languages and literature, they would be losing touch with their glorious past and would thus be deprived of the guidance and the stimulus which a knowledge of their by-gone progress and achievements in letters and science could provide. They were proud of their religion and their history and were unwilling to give up all that they held most dear and unwilling to identify themselves with a system of education, which was avowedly designed to promote the study of Western languages and sciences exclusively. If it had been possible to acquire both, they could have reconciled themselves to the changed situation, but a choice had to be made between

has been prefectly justified. For a long time, we stood almost alone in our advocacy of it, but as the years pass by, we are glad to note, that an increasing volume of opinion is coming over to our side. A very forcible argument in favour of imparting religious instruction side by side with secular education, is afforded by certain most undesirable results which have followed the neglect to recognize the advisability of that course. Who does not lament the manifestation by our boys and young men of want of respect for their parents and teachers? Do we not notice everywhere around us how the bonds of authority at home and in the school have been loosened and how the younger generation is yearly becoming more unmannerly and more unmanageable? Nor does the evil stop here. It has culminated in a type of activity which all lovers of peace and order greatly deplore I refer of course to the outbreak of anarchism and lawlessness in this country—an outbreak which has tarnished the fair reputation of India. Young men of tender age, incapable on the one hand of properly understanding the blessings of British rule in this country, nor on the other hand receiving any religious instruction which would have impressed upon them the duty of loyalty of Government, go astray and follow false lights. If these undesirable developments which have unhappily manifested themselves at home, in the school and in the country at large, are to be arrested—and no sane person would tolerate their continuance even for a moment longer—the only satisfactory way to do so is, in my opinion, to impart proper religious instruction from the earliest stages of education. The religions followed in India, as in fact all religions whatsoever, include among their cardinal tenets the injunction that authority should be respected, be it the authority of the parent, the authority of the teacher or the

have deterred the Musalmans from cultivating English education. This exactly is the point at which the Musalman community would join issue with the Commission. We hold that the considerations which kept us back from freely participating in English education were very right and proper and that we are proud to have had our course guided by them in the past.

Let us examine those considerations in some detail. Take first what the Commission has termed "the pride of race and a memory of by-gone superiority." Now, may we not ask as to this: "Did the Muhammadans of India retain a memory of their superiority for a longer period than other races in similar position have done? Was their "pride of race" something abnormal—something which had never been heard of before in any other part of the world—something which was so culpable after all? Was it not the most natural thing in the world that a race which had occupied the position of ascendency in this country for over 800 years, should be slow to realize that it had been displaced from the place of honour—slow to forget its palmy days and slow to adjust itself to the entirely changed conditions by which it found itself surrounded? We do not deny that baneful consequences have followed this attitude, but it is difficult to admit that this attitude was not at that time inevitable.

"Religious fears" is the second cause assigned by the Commission for the backwardness of Muhammadans in education. It is quite true that the absence of instruction in the tenets of our faith and still more the injurious effects of English education in creating a disbelief in religion have been the main obstacles in the way of the Musalman community cultivating English education. The importance which we have all along attached to religious instruction

a knowledge of the English language, literature and sciences by founding the Vidhyalaya or Anglo-Indian College from their own voluntary contributions so far back as 1816 and by the memorial which had been presented on their behalf by Raja Ram Mohan Roy to Lord Amherst, then Governor-General of India, protesting against the employment of money on Sanskrit learning and praying that all available funds should be devoted to the promotion of education in the English language, literature and sciences, among the people of India. This difference between the sentiments of the two communities towards English education is the real key to the reasons of the vast disparity of progress in English education which the two nationalities have respectively made.

It is very important to know the causes of this feeling of aversion towards English education entertained by the Muhammadan community at its very outset. The Education Commission of 1882, after enumerating a number of causes, which were supposed to have deterred the Muhammadans from the cultivation of English education, remarked: "These and a variety of other causes have been put forward at different times by members of the Muhammadan community to account for the scant appreciation which an English education has received at their hands. All such causes may have combined towards a general result but a candid Muhammadan would probably admit that the most powerful factors are to be found in the pride of race, a memory of by-gone superiority, religious fear and a not unnatural attachment to the learning of Islam." Now the tone of the above sentence is such as to suggest, that although the Commission recognized these as the true causes of the backwardness of Muhammadans in education, yet it did not consider it right that any such considerations should

Muhammadan education should be treated as a distinct problem and that measures dictated by their peculiar situation and needs be at once adopted and put into execution.

Gentlemen, the backwardness of the Muhammadans in education—education, that is to say, of the modern type, is not a thing of to-day but dates from the year 1835. The Muhammadan community took up an attitude of opposition to English education at its very outset, when the Council of Education, at Calcutta, first inaugurated the policy of English education, under the auspices of Lord William Bentinck, who, under the advice of Lord Macaulay, passed the celebrated Educational Resolution of the Government of India, dated the 7th March 1835, declaring that "His Lordship in Council is of opinion that the great object of the British Government ought to be the promotion of European literature and science amongst the natives of India and that all the funds appropriated for the purpose of education would be best employed on English Education alone." This changed educational policy was not well received by the Musalmans and the Muhammadans of Calcutta memorialized the Government against it submitting a petition signed by about 8,000 people. But their representations did not receive a favourable consideration and the Government at once enforced their new policy. The Muhammadans, true to their convictions, refused to take advantage of the facilities thus provided for English education, and from that very moment began to fall behind in the race.

This feeling of aversion towards English education entertained by the Muhammadans and evinced as early as 1835, stands in strong contrast to the attitude of the Hindu community, who were entirely in favour of English education. They had zealously proved their desire to acquire

certain conclusions which have been set forth in the Government Resolution, dated Naini Tal, the 25th August 1914. This Resolution which confines itself to a consideration of the problem of Primary Education, is of the most absorbing interests to the Muhammadan community. It opens out before them a wide field for work—work too of the most definite kind, and which, if thoroughly done, is bound to do lasting good to them. To a detailed consideration of this epoch-marking Resolution I shall now proceed, asking you to note that its importance is, in my opinion, a sufficient apology, for the length of time I am going to spend on it.

Reference was made above in connection with the continued retrogression of Muhammadan education in these Provinces to the attitude of the Local Government towards the subject. It was pointed out that the Government of these Provinces, until very recently, has always been of the opinion that the Musalman community here was holding its own in education and that therefore no special measures were at all called for in this behalf. It was further remarked that the tide appeared to have turned at last and that the Local Government had recently shown its readiness to do all it can to advance Muhammadan education. It was this Resolution of that Government which prompted this remark. This Resolution has, I venture to say, entirely reversed the policy hitherto pursued by the Government of these Provinces in the matter of Musalman education. It has admitted the cogency of the arguments that the Musalmans have always been putting forward to account for their backwardness in education and have recognized the special obstacles which have been standing in the way of their progress. It indicates at the same time that the Local Government has after all recognized how absolutely necessary it is that the problem of

Governments. In the Resolution of the Government of India, dated the 21st February 1913, containing a general review of the educational policy pursued in this country, a separate paragraph was devoted to the subject of Muhammadan education. The subject was more fully treated in the Circular letter, dated the 3rd April 1913, addressed to Local Governments, which dealt with the obstacles in the way of Muhammadan education at its different stages and put forward certain suggestions for removing them. In order that the problem might be tackled with the best chances of success, the necessity was recognized of ascertaining well-informed Musalman opinion on the question and for this purpose the appointment of non-official committees was recommended. In pursuance of these two communications from the Government of India, two committees were appointed by the Local Government, the first being the Committee on Primary Education under the presidency of Mr. Justice Piggott, and the second, the Committee of non-official Muhammadans, convened to consider the whole field of Muhammadan education. In order that the needs and requirements of the Muhammadan community might be adequately pressed on the attention of the Primary Education Committee, the leading Muhammadans of these Provinces, interested in the case of the education of their community, met at Aligarh on the 13th—18th July 1913, in connection with the Annual Teachers' Conference held there, and formulated their views on all the essential lectures of the enquiry undertaken by Mr. Justice Piggott's committee and submitted them for the consideration of that body. Both the committees submitted their reports to Government in due course. His Honour the Lieutenant-Governor, after considering these reports, has arrived at

of the work of the All-India Conference, may be readily acknowledged, even to the extent of allowing that the recent solicitude for Muhammadan education, shown both by the Imperial and the Provincial Government, is the result, in a large measure, of the unremitting labours of that body, it would be no disparagement of those responsible for conducting the activities of that association to say that we now want, and that very urgently, an organization with this sole guiding principle, namely, that our greatest need at the present time is for practical work—work which should replace theoretical discussions and academic resolutions. Such practical work it ought to be the business of the present conference to undertake and execute. Its annual meetings should be the occasions of settling what definite work is to be done in the following year, and no more should be resolved upon than can be efficiently and thoroughly done during that period.

The inauguration of this conference takes place at a most opportune moment. While on the one side, the Musalmans of these Provinces were taking steps to organise themselves into a efficient body to push on education among their community the Providence, on the other side, apparently approving of such laudable activity, was busy creating the circumstances and opportunities calculated to give a favourable start to such work. Reference has been made above to the solicitude which from time to time has been shown by the Government of India for the promotion of Muhammadan education. This has generally taken the form of Resolutions issued by that Government, reviewing the condition of Muhammadan education at different periods, laying down principles calculated in their opinion to advance that education, and commending the subject again and again to the earnest consideration of Local

to pioneer the way for practical work. These activities of the All-Indian Conference have a peculiar value of their own in the economy of the problem of Muslim education. Their proper place is at the beginning of a movement and a very important place it is that they occupy at that stage. No practical work is possible, or if attempted it can seldom be successful, unless the ground has been prepared for it beforehand, unless the people among whom it is to be done, have been worked up to a readiness to welcome it and co-operate in it, and unless some general principles on which it is to be carried on, have been, by repeated discussions and prolonged consideration, exhaustively examined and finally determined. The work of the All-India Conference has so far been of this character. But with altered conditions, it is imperative that altered methods of work be adopted. If the problem of Muslim education is now not quite the same as it was when the All-India Conference started its labours, the handling of that problem should also be different from what it used to be. I believe the time has now come when we should call a halt to the policy of discussing at our meetings general principles only, and resting content with embodying conclusions into a large number of resolutions which, from the nature of the case, it has so far proved impossible to carry effect in a large majority of cases. If we were to continue to fritter away our energies and resources in theoretical discussions of first principles in education, we would soon find, perhaps when it will already be too late, that they refuse to be harnessed to the dull, prosaic but supremely necessary practical work. And if such a state of things is allowed to come about, it will, no doubt, be a calamity for the Muhammadan community. While, therefore, the usefulness, in its own way,

make one supreme effort in co-operation with Government, to shake off the demon of ignorance and darkness. It is with this end in view that the present conference is started and it is our rate, good fortune to be able to secure as its Patron, no less a person than His Honour Sir James Meston himself. For His Honour's gracious patronage of this conference, the whole Musalman community of these Provinces is deeply indebted to him. His Honour's sympathy with our objects as shown by his becoming the Patron will be a guarantee of the success of the movement.

This conference will by no means be a rival of the All-India Muhammadan Educational Conference, Aligarh, but rather its loyal and faithful ally. That body has, without doubt, done much useful work in the field of Muhammadan education, which it would be the barest justice to recognise and appreciate. But it must be remembered that India is a very vast country, and it is impossible for any single association, however efficiently organised, satisfactorily to meet the needs and requirements of such a large area. These needs and requirements, again, differ for different provinces. It would seem to be essential, therefore, in the interests of efficiency and thoroughness, if for no other reason, that each Province should have an organization of its own, which should wholly concern itself with the problems relating to that Province, thus leaving the All-India Conference to exercise a sort of general supervision over the Provincial organizations.

The starting of a special conference for these Provinces would seem to be desirable for another reason also. Up to the present time, the main task of the workers in the cause of Muhammadan education, has been to wake up the community to a sense of its backwardness, to make it realise the importance and value of education and generally

importance, so far as Muslim interests in these Provinces are concerned, has been the Government of India Resolution, dated the 21st February 1913, followed by the Circular Letter, dated the 3rd of April 1913, addressed to Local Governments on the subject of Muhammadan Education. The subject has for this once been treated by the Local Government in a truly sympathetic spirit and there is reason to hope and believe that the changed attitude of the Government will in a large measure be instrumental in checking the steady decline above referred to and putting Musalman education in these Provinces on lines which would ensure its steady progress.

The position then briefly is this: Muslim education in these Provinces has been in a very unsatisfactory condition for a long time. All attempts made so far to enlist the practical sympathy and co-operation of the United Provinces Government in this behalf, have, unhappily for us, been productive of very little good. But the tide seems to have turned at last and the Local Government has now shown its readiness to do all it can to help Muhammadan education. Here then is a unique opportunity for us. If we are sincerely desirous of bettering ourselves and improving our position in this country, no more favourable time could we desire than the present, for serious, solid work in the cause of Muslim education. The success of the special measures sanctioned by Government for the promotion of Muhammadan education depends, to a large extent, on the support and co-operation which the community can give to Government in carrying them into effect. The Musalmans of these Provinces, therefore, have at this time, this duty most unmistakably before them—namely, to gird up their loins for work, to concentrate their energies and resources and to

I am sure we are all of us most sincerely grateful to them. But a reference to the past attitude of that Government towards Muslim education is necessary in order satisfactorily to account for the state of things that has obtained so far and also perhaps to enable us to understand fully and appreciate at their true value, the measures that the Government of His Honour Sir James Meston has, with such consummate statesmanship and keen insight, decided to adopt in our interests. The question of Muslim education, as a distinct problem, first received the attention of the Government of India in the year 1871, when Lord Mayo issued a resolution on the subject. His Lordship, after expressing regret at the general backwardness of the Muhammadan community in education and acknowledging the fact that Musalmans on account of their standing aloof from active co-operation with the educational system of Government were losing the advantages, material and moral, which others enjoyed, laid down certain principles calculated to help forward Muslim education and referred them to Local Government for opinion. So far as these Provinces were concerned, the Local Government expressed their entire satisfaction with the condition of Musalman education and, therefore, no special steps were taken to deal with the matter any further. Then came the Education Commission of 1882 with a number of very useful recommendations for the promotion of Muhammadan education. When these recommendations were referred to the Government of these Provinces, the Liutenant-Governor's opinion was that no special measures on behalf of Muhammadans were required, as Musalman education, in these Provinces was by no means in a backward state. Two other Resolutions followed in 1888 and 1894. The last in order of time, though certainly the first in

are almost daily falling behind more and more in the race. For nothing is simpler than the fact that if a person starts in a race later and worse-equipped than another, then unless he exerts himself to the utmost—and that can by no means be claimed for the Muhammadan coummunity—he will, as inevitably as 2 and 2 make 4, find himself, after a given time, farther behind the other than when he joined the race. For the other competitor in the race, it must not be forgotten, runs at an enormously quick pace and you are sure to be handicapped by the twofold disability of the later start and the slower step. This is, gentlemen, an awful fact, but being a fact, it cannot but be faced. Positively the worst blunder that we can, at the present stage, fall into, is to imagine that we have made progress in education. Speaking absolutely, we have perhaps made some little progress, but speaking relatively, it is very much truer to say that we have, in effect, retrogressed.

This retrogression has been nowhere so marked and so deplorable as in these Provinces. In the seventies of the last century, the Musalman community here was leading in the race for education. This is a statement which might well startle many of us, so incredibly good does it sound. Yet it is a fact. But this lead they were soon to lose. The Education Commission of 1882 noticed a relative retrogression and was the first to give the alarm, as it were. But no heed was paid to this warning with the inevitable result that the retrogression has, with cruel steadiness, continued down to the present day.

The responsibility for this large and disturbing decline must be held to lie, I am afraid, in a large measure, with the Government of these Provinces. The recent Resolution of that Government on Primary Education, contains several provisions substantially beneficial to us and for those

rapidity, to the farthest and the remotest corners of the country. The result has been that a phenomenal change seems to have come over everything. In all departments of life—political, social economic and intellectual—a restless activity is observable. The contact with the West has shaken the very foundations of ancient ideals and old traditions. The period is one of transition—a time of the most critical nature for the people of this country. Our environment is rapidly changing and the rapidity and the greatness of the changes demand imperatively in our own interests, a quick and ready adjustment to the new condition of things. The problem with which the whole Indian people are face to face at this time is, in its essence, this: how are we to equip ourselves for the modern conditions of life? What shall we do in order to take the fullest advantage of the possibilities that have opened. and are almost daily opening out before us? There is, to such a question only one answer, at once complete, comprehensive and sufficient, and that is: Educate, educate, educate. Life being, under modern conditions, such a complex affair, it would appear to be indispensable for living it properly, that there should be some training towards that end. Such a training it is the end of all true education to furnish. This truth was firmly grasped by the other Indian communities long ago, and they have since been constantly carrying it out into practice. But, as regards the Muhammadan community, I may say, without being fairly open to the charge of undue pessimism, that we are still very far indeed from appreciating its value and importance. Although the problem has been constantly before us for now close upon half a century, we have done very little towards its satisfactory solution. In official papers as well as in actual fact we are still a *backward community*. And what is worse is that we

it is necessary that one should be in a position to appreciate the great blessings which that Government has conferred upon us, and I should like to know who is in a better position to appreciate these Blessings—the ignorant peasants or the educated natives? Who, for instance, will better appreciate the advantages of good roads, railways, telegraphs and post-offices, schools, colleges and universities, hospitals, good laws and impartial courts of justice? the educated natives or the ignorant peasants of the country?" And then in a truly prophetic strain, he went on to say: "Gentlemen, if there were to arise—which God forbid—any great struggle between Russia and Great Britain for supremacy in this country—who is more likely to judge better of the two Empires? Again, I say gentlemen, that in these matters it is the educated natives that are best qualified to judge, because it is we who know and are best able to appreciate, for instance, the blessings of the right of public meeting, the liberty of action and of speech and high education which we enjoy under Great Britain." Conditions have somewhat changed since this was uttered, and Russia, happily, no longer threatens British supremacy in India. But, if in the above passage, we read Germany instead of Russia, it will be found to be a true description of the present state of things. We are confident that the Germans with all their boasted culture, or for the matter of that any other people whatsoever, will not give India the peaceful, progressive and enlightened Government that we have the good fortune to enjoy under the British.

Gentlemen, with the advent of British rule in India, there has also come among us, what for want of a better name, may be designated the Spirit of Progress. It appears as if a strong and swift current had found its way into the sluggish waters of India, and transmitted its effects with astonishing

by any means such as can be contemplated with a light heart, while, in the present case, I fear my task has been made all the more difficult by the fact that this happens to be an inaugural meeting—a meeting held with the object of starting a movement and laying down a policy. But I trust that with your help and co-operation I may be able to discharge the duties which will be required of me. I appeal to you to deal out to me such forbearance and indulgence as my shortcomings may need.

On the general question of the importance of education, I feel I am not called upon to say much. We all agree that light is infinitely to be preferred in darkness and knowledge to ignorance. And not only that—not only are we to pass from darkness into light but we must continually progress towards more and more light. If ever a convincing argument were needed for the general spread of education in India, it is, in my opinion, forthcoming to-day not in the shape of what might be ridiculed as fanciful reasonings, but in the form of incontestable real facts. Compare for a moment the attitude towards the war that is now going on in Europe, of the educated classes of India on the one hand and of the ignorant masses on the other. While there is not the slightest doubt as to the reality of the feelings of loyalty manifested by either section, it cannot be denied that the loyalty of the educated community is truer and deeper in the same proportion as it is more intelligent and deliberate. In the words of my enlightened countryman and co-religionist, the late Mr. Badr-ud-din Tyabji : "I should like to know where among all the millions of His Majesty's subjects in India, are to be found more truly loyal, nay more devoted friends of the British Empire, than among these educated natives? Gentlemen, to be a true and sincere friend of the British Government,

hounds. The hares were very wicked as in their flight, they went a long circuitous way developing a distance of two miles into not less than five miles. When we reached the garden we had to cook our food ourselves. All the culinary arts were exhibited; and to own the truth many a new formula of cooking was discovered which produced strange dishes. As Dr. Zia-ud-din observed (very mathematically indeed), all the figures of Euclid were exhausted in the preparation of bread. This excursion, I believe, was very useful. While it taught endurance by making the students run about five miles, it went a long way in making a cook of every student. At least, none of the excursionists will die for want of cooking his meal when provisions are set before him.

ABDUL HAI KHAN.

PRESIDENTIAL ADDRESS AT THE PROVINCIAL MUHAMMADAN EDUCATIONAL CONFERENCE, UNITED PROVINCES.

The Hon'ble Syed Muhammad Abdur Raoof, delivered the following Presidential Address at the first session of the Provincial Muhammadan Educational Conference, United Provinces, held at Etawah in October 1914:—

GENTLEMEN,

It is with considerable diffidence that I rise to address from the Presidential chair this inaugural meeting of the United Provinces Muhammadan Educational Conference at the historic town of Etawah. It is a great distinction that you have conferred upon me by asking me to preside over your deliberations and I need not say how sincerely grateful I am to you for placing me in this position of honour. The duties of Presidents of such gatherings are never

playing that native game called *kabaddi* ; etc., etc., which it is not in the interest of this short article to describe in detail.

At noon a bell was rung which summoned all students together. With three presidents on an inverted *charpai*, a meeting was held and ludicrous speeches were made with all the flourish of a Burke or a Sheridan. One speech was remarkable as it was a mingled jargon of Urdu, Persian, English and Arabic. Capital nonsense! It is regrettable the orator did not know a few words of Chinese, French, Latin and Greek, for in that case he would have been intelligible all the world over. Then came the next programme of the meeting. This was that every person should sing. Now the three presidents were to sing first. Dr. Zia-ud-din sang a French song, or we should say a Greek song, for there was nobody to understand a word of French. But when it came to an end, there was a burst of applause of five minutes' duration as if the song was understood *verbatim et literatim*. One of the presidents said he did not know how to sing. He simply knew how to cry and would cry if the students so desired. Now, the students were in a humour to desire anything. The poor president and professor had to cry to the mirth of all. It was a great consolation, he did not cry out his eyes. Many a singer tried his art. Some sang as at loud a pitch as they could possibly force their voice to, as if all people were hard of hearing ; while others, crying hoarse, believed that Orpheus was come to life.

However after some two hours' entertainment, the interesting business came to an end amidst the plaudits of the whole company.

I also had the opportunity of joining the *Id* excursion to the Jalalpur garden. We set off playing hare and

the excursion-party simply to see what an Aligarh excursion was like. The Oudh and Rohilkhand Railway Company must be thankful to the excursion, because the train was packed: we were so many. Two stations distant, we were disgorged on the platform of Harduaganj, and each one of us was told to carry his bedding on his back to the place of sojurn. Now the place of our sojurn was not less than a mile off; and it was interesting to see many a tender constituted student drop his burden every hundred yards, his face red with extraordinary exertion. Yet the whole company presented a martial appearance and within twenty minutes the Infantry occupied its position and entrenched itself on the side of a canal. Soon after, all the students were engaged in different occupations. Some people climbed up the trees and shook the branches in such violent ways as if a hurricane were raging, others were occupied in the peaceful business of playing at cards, some went walking in groups while the 'freshers' were looking about and around with idle concern. At night, we convened a *moshaera* (a poetical meeting). Many a poet and poetaster came to revive the genius of Zauq and Ghalib. Every verse looked a tremendous outburst of applause while cries of "Well done," "Well said," "Well read" rent heaven and earth. In fact audience made a capital noise that would have done honour to an earthquake; and the assembly looked more like pandemonium than a *moshaera*, to the entire delight of all and the entire confusion of the secretary and the president.

This finished the day's programme. The next day the party was joined by Dr. Zia-ud-din and a bearded gentleman universally called "My Lord." We had several diversions like bathing in the canal (where mangoes were distributed and which was a most tumultous spectacle), and

residence of the College staff, until approaching the picturesque buildings of the Minto Circle, I stopped at the quarters of Prof. Anam-ullah Khan where I put up for a week until I was allotted a seat in Syed Mahmood Court West. As a new-comer to the college or a 'fresher' to use the term prevalent here, I was naturally anxious not to bring myself in evidence before I was initiated into the formalities and usages and little mysteries which every place has peculiar to it. Notwithstanding this innocent intention on my part, all the old students looked at me with an idle curiosity, in return for which I too looked at them with—what purpose I little understood. Many a student, as if to be a partner in my solitude for the time being, came to ask my name and home; and to return the compliment, I had to ask their names and homes simply to forget them the very moment they turned their back upon me. However I am glad to remark that I found the students in general well-behaved, considerate and indulgent to me; although there were a few students—and there are always a few black sheep in a flock—who tried to take an unjust advantage of my new situation and to enjoy some fun at my expense.

The most impressive feature of the College lies, as I fell, in the coming together of hundreds of Moslem students from different parts of India which is the pride of this great institution; and in this sense, the Aligarh College may well be called a microcosm of Indian Muhammadan intellectual life. I felt a thrill of joy and ecstatic sensation to find so many heads crowned with fezes. A capital sight indeed! A picturesque scene that might have moved Wordsworth and elicited from him a most thrilling sonnet!

In this fashion I began to spend my days here until on the eve of the Shab Barat, the College proposed to go to Harduaganj on a pleasure-excursion; and I accompanied

are said to be due to the inevitable consequences of the operations of the law so powerfully enunciated by no less a scholar than Macaulay who asserts 'that with the advance of human civilization poetry necessarily declines.' The theory seems to have found its origin in the fact that the modern age has failed to produce poets as great as those of past ages. However, this scepticism does not sound wise and true. It is true to a large extent that people in the modern age are more after material acquisitions and they seem to take no delight in the music of poetry as their predecessors did. But the modern materialism is perhaps not the highest rung in the ladder of human civilization.

The greatest thinker of the Victorian age has solved this question is his own peculiar way. He says: "The poet is a heroic figure belonging to all ages; whom all ages possess, when once he is produced." We believe that however much the world advances, the human mind remains enthralled in the spell woven by this All-charming Muse. Those of us, who regard the present decline of Urdu poetry as its natural and gradual death, since the world is rapidly moving forward, are entirely mistaken. The cause of its slow growth is not far to seek. Its stagnation is due simply to its hopeless conservatism of age-old methods. However refined the diction may be we employ in our poetry, it can never compensate for the dearth of ideas owing to which most of our poetry is no poetry.

SHAFAAT HUSAIN.

MY EARLY IMPRESSIONS OF THE COLLEGE AND THE COLLEGE ACTIVITIES.

"A very grand institution" exclaimed I within myself as I drove from the railway station past the college buildings, past the several snug, beautiful little bungalows for the

above, our own poetry unfortunately appears to possess very few merits.

Being largely based on foreign ideas and outlandish methods it is doubtless devoid of the brightest features of the art.

The unduly stiff Persian Prosody accounts for the want of exquisite ideas in Urdu poetry. But of late a remarkable change is coming over it. With the spread of Western ideas in this land and owing to our acquaintance with almost all the Master-minds in English poetry, a change for the better is steadily coming over Urdu poetry. Hali, the herald of the new era, has been succeeded by humerous worthy successors. Perhaps Shibli is no less remarkable a veteran than the great Hali himself. Akbar's humour stands unparallelled. Among all the notable living poets who hold so powerful a sway over popular imagination perhaps the great national poet Iqbal occupies the foremost place. There is a class of hair-splitters who would not recognize Iqbal's works as models of best Urdu poetry. The Lucknow School, a relic of the old school of poetry, might rejoice to anathemise Iqbal as a worthless and upstart poetaster. But real critics of poetry would always find more reasons to admire his inspiring ideals and splendid imagery than to accuse him for a few discrepancies in his expressions. Every developed language has allowed its poets a certain licence. But unfortunately those of our language have got none. It is a matter of common knowledge that, where rigid prosody necessitates a twisting or distortion of feelings and notion, true poetry disappears, or if anything out of it remains, it is fearfully stunted. Quite a long range must be given to the poet to roam and hunt out the best expression for his finest notions. The decline and degradation of modern poetry

always appears to the human mind a thing for more charming than the one presented by a prose writer. It has ever been a peculiar phenomenon of the history of literature that poetry has invariably preceded prose. In prose anything may be said which is worth saying at all, but in verse only what is worth saying better than prose can say it. Poetry has been ever since the birth of languages a vehicle to convey the most exquisite thoughts and emotions of humanity. All good poetry is the spontaneous overflow of human feelings and emotions. Some say that it takes its origin from emotion recollected in tranquillity. But the qualifying word 'tranquillity' does not add to the force of the remark. We cannot implicitly subscribe to this opinion. To a poet it matters little whether he enjoys perfect tranquillity or suffers from extreme anguish, be it mental or physical.

But solitude is perhaps essential to poetry. Mill in his 'Poetry and its varieties' has beautifully defined poetry which he calls 'a feeling confessing itself to itself, in moments of solitude, and embodying itself in symbols which are the nearest possible representations of the feeling in the exact shape in which it exists in the poet's mind.' Hence the great delicacy of a poet's task. He has to express his most exquisite feelings in the most exquisite form of his language. It is also true that sometimes prose looks like poetry. The famous living French writer, Pierre Loti has been recently called a great 'Prose-poet' by almost all the literary circles. That his prose reads like splendid poetry is a fact that has earned him the aforementioned title. We can therefore assert that it is not so much in Metre and Rhyme but in the exquisite expression of the exquisite feeling that true poetry lies. When studied in this light and judged according to the standard prescribed

to put back the hands of the clock in this respect. What we can do, however, is to see that the student enters his college with a sufficient equipment of English to enable him to assimilate with the minimum of effort what he is taught in that language. In what precise manner this is to be accomplished I leave it to the experts to determine. It will presumably mean a lengthening and strengthening of the High School course. An ideal which had been advocated by one of the warmest friends of education in this province, Mr. S. P. O'Donnell, is that the schools should take over what are now known as the intermediate class and that the colleges would thus be left at liberty to build up on much better material a fabric of more genuine learning. I would gladly see that ideal realised, and if it is not a possibility of the immediate future we can at least begin the ladder by which it may be reached, but it is far from my wish to prejudge the question, which will require thoughtful study by those who are most familiar with its operative details. I propose, therefore, to ask the consent of the University to submit this issue also to the round table conference which I mentioned a few minutes ago. Any steps of importance towards either of the two reforms for which I have now besought your consideration, will inevitably mean financial sacrifices and I should be a preacher of empty words if I did not assure you beforehand that the Local Government will be ready to undertake its share in whatever sacrifices may be necessary."

'MOST OF OUR POETRY IS NO POETRY.'

The Earl of Beaconsfield's remark that a poet is an artist and writing is an art not less important than painting —words are but chalk and colour—has a point and force worth contemplating. The vivid picture that a poet draws

may be but well recognised, should be attempted ? Would not a college be following its best interests if it decides that it can teach certain groups of subjects well, that it will put into that all its energy and its money and that within reason it will resist all outside pressure to diverge into other lines of study ?

" If these propositions are not repugnant to true education may I, with the concurrence of the University, invite the colleges to a round table conference a little later in the year? I shall have no cut and dried scheme to place before them. Each college knows best its own tradition and its own capacity. All that the Local Government will ask is permission to help it along the lines of its own greatest efficiency so that it may be unhampered in doing the work for which it is best adopted. Some hardship may result to individuals, some disappointment to the public ; but in mitigating that the Government will gladly co-operate. My hope is that the prestige of our colleges will be enhanced each in its own special group of studies, that teaching will be concentrated and strengthened, and that the standards of our University will thus reach forward to higher things."

THE STUDENT'S EQUIPMENT.

" The second suggestion which I tender for discussion to-day has also a relation to better teaching, but it is associated still more closely with the well being of the students. I have no desire to paint too lurid a picture but the evidence is convincing that the defective educational equipment with which so many lads start their college career is at the bottom of much of the failure, discontent, and disease which are too frequently the only harvest they reap from it. Can this be remedied ? I am convinced that in great measure it can be. For good or evil our University system is based on English as the vehicle of instruction, and it is too late

a more literary flavour to the curriculum. His Honour paid a tribute to the part private enterprise was playing in the promotion of secondary education. Through the length and breadth of the Provinces new High Schools were springing up as the result of the generosity of individuals, castes and special communities as memorials to distinguished men and as emblems of patriotism and loyalty.

The Standard of Teaching.

After referring to the newly constituted Board of Education in the provinces, His Honour continued :—

" No more ungrateful but at the same time no more necessary duty devolves on the University than the duty of deciding that a college may or may not teach a particular examination. This task has been performed unflinchingly but I now ask the colleges if they cannot lighten it. The broad principles of dividing labour and specialising functions apply to education as to everything else. No single college can possibly teach every subject for which its students ask without access to the purse of Fortunatus. With many subjects, it is better not to teach at all than to teach indifferently. With certain subjects which are now rising in favour—and I refer particularly to history and economics—poor teaching is capable of doing great harm and good teaching means exceptionally gifted lecturers and costly libraries. Every head of a college in his heart agrees with me; but yet we see constant efforts for affiliation in these subjects by colleges which cannot afford either the lecturer or the library. I speak in no unkindness. I recognise the great handicaps against which our colleges contend. The distances from other colleges, the unavoidable migrations of students, the hungry flocks and the empty billets; but facts have to be faced, and do you not agree with me that some division of functions, informal, it

loyalty would be an illusion and the citizenship of a great Empire an empty boast. I proceed, therefore, in accordance with our established usage, though on this occasion with brevity, to review our work as a university during the last year. I shall then touch on the general progress of education in the United Provinces and finish with a few suggestions for further advance in the art of instruction and the cause of learning.

EDUCATIONAL PROGRESS.

"During the year which now closes the story of our university has been one of continuous progress on two main lines, on the one hand in encouraging our colleges to raise their standard; on the other, in establishing our own position as a teaching body. In the former direction we are indebted to those of our Fellows who have given much of their leisure to the inspection of outlying colleges and we owe genuine gratitude to the Syndicate for their jealous scrutiny of applications for affiliation—a task of high importance, but always delicate and often invidious, to which, I shall refer again. In the latter direction, the development of a teaching university, we have made gratifying progress."

His Honour then proceeded with a review of education in the United Provinces generally and said they had at last got a plan of campaign which ought to bring sound and durable instruction to the doors of the people. Time would be required to develop it, but it was confidently hoped it would swell largely the numbers of school children, who would be under the care of better paid and better educated teachers. They were also busily engaged in improving the middle vernacular schools, prolonging the course, making it more practical and imparting

THE CHANCELLOR'S ADDRESS AT THE CONVOCATION OF ALLAHABAD UNIVERSITY.

Sir James Meston, Lieutenant-Governor of the United Provinces, and Chancellor of Allahabad University, on November 14, delivered an interesting address at the Annual Convocation of the University for conferring degrees. In the course of the address, His Honour said: "Convocation meets to-day at one of the junctures in the world's history when the oratory of the schools is silenced in the clash of arms. No rare experience was this for the ancient universities of Europe. Bologna, probably the oldest of all our sisters now, was of the same age as our own University when Italy was ravaged by Frederick Barbarossa. Paris in its youth must often have echoed with the battle cries of the Capets and the Angevins, and it was amid the bloodshed of the late Middle Ages that most of our great foundations took their rise. In later years our homes of learning had been spared the alarms of war, but during the last two months the venerable halls of Louvain have suffered a fate which no medæval despot would have inflicted and from Liege there comes the thrilling tale of how it was during one of the university examinations that the first thunder of the invader's guns was heard, how the answers to the paper of the hour were completed and calmly handed in, and how the undergraduates then streamed out to the firing line, many of them, alas, never to return. No such high test of courage may await the members of this university. It may not be our part to translate ourselves out of this speech of peace into the harsh and boisterous tongue of war. Our task will rather be to serve our King and Empire by carrying on firmly and faithfully a share of India's work, the imparting of knowledge and the formation of character, without which

We deeply regret to announce the death of the well-known Muhammadan scholar Shams-ul-ulama Shibli Nomani, which took place at Azamgarh on the 18th November, after a fortnight's illness. A largely attended meeting was held in the Strachey Hall next day, in which a resolution of condolence with the relatives of the deceased was proposed by Habib-ur-Rahman Sahib, Trustee of the College, and seconded by Maulvi Suleman Ashraff. Both speakers dwelt at length on the great services he rendered to the Muslim community, and the loss it has sustained by his death.

The Junior Debating Society gave a Garden Party at the M. A.-O. College Staff Club on Friday, 13th November.

* * * *

Tuesday, 17th November, was observed as holiday in the College and School on the occasion of the marriage of Mr. Syed Ross Masood, the grandson of Sir Syed Ahmad, Khan Bahadur, the Founder of the College. Nearly two thousand guests, including all the students, were invited to the ceremony which took place on the 16th, and also to a banquet the same evening at the house of the Hon'ble Sahibzada Aftab Ahmad Khan, the bride's father. On the evening of the 17th Mr. Ross Masood entertained the College and School students and other guests to dinner in the Strachey Hall, Zahur Ward, and Dining Hall respectively, and he was also the host at a largely attended Garden Party in the grounds of the English House on November 18th.

* * * *

The College and School were closed for the Moharram holidays for November 20th to the end of the month.

The Aligarh Monthly.

Vol. XII. | November 1914. | No. 11.

NOTES AND NEWS.

Dr. A. Lankester, I.M.S., who is engaged on behalf of the Government in research work on the causes and prevalence of Tuberculosis in India, delivered a lecture on "Consumption—its prevention and cure" in the Strachey Hall on the 7th November. All the College students and several members of the staff were present, Mr. Towle presiding. The lecture, which was very interesting and full of simple, straightforward, and practical advice, was much appreciated.

* * * *

It is announced that a Board of Education has been constituted for the United Provinces and that it will consist of sixteen members, of whom eight will be non-official gentlemen. Of these again, five are to be Indians. The official members will consist of the Director of Public Instruction who is to be the President of the Board, the Chief Inspectress, the Special Muhammadan Inspector of Schools, three officers of the Education Department and two Chairmen of District Boards. The non-official members appointed are the Hon'ble Dr. Sunder Lal, LL.D., C.I.E., The Hon'ble Sahibzada Aftab Ahmad Khan, the Raja of Pirpur, the Revd. R. Clancy, Maulvi Bashir-ud-din Ahmad, Pandit Ekbal Narayan Gurtu and Babu Joyotis Swarup.

[REGISTERED No. A-234.]

THE ALIGARH MONTHLY

VOL. XII. No. 11. } November 1914. { Annual Subscription Rs. 4, Post Free. Single Copy. As. 6.

No. CONTENTS. PAGE.

Allahabad:

Printed by Bishambher Nath Bhargava, at the Standard Press.

Publisher:—D. Auchterlonie, Professor, M. A.-O College, Aligarh.

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۳۴

علیگڈھ منتھلی

قیمت سالانہ للعہ مع محصولڈاک قیمت فی رسالہ مرادی ۲ر	بابت ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۱۴ء	نمبر ۹ و ۱۰ جلد ۱۲

مقام اشاعت مدرسۃ العلوم علیگڈھ

فہرست مضامین حصہ اردو

پبلشر۔ مسٹر ڈی۔ رینل۔ پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈھ
اسسٹنٹ اڈیٹر قاضی جلال الدین صاحب لکچرر مدرسۃ العلوم علیگڈھ
باہتمام بابو بشیر احمد صاحب بھارگو
در اسٹینڈرڈ پریس الہ آباد طبع شد

شرح چھپائی اشتہارات حصۂ اردو

ایک صفحہ	واسطے ایک سال کے	۲۴ روپیہ
"	واسطے نصف سال کے	۱۲ روپیہ
"	واسطے تین ماہ کے	۷ روپیہ
"	واسطے ایک ماہ کے	۲ روپیہ ۸ آنہ

نصف صفحہ کے لئے مذکورہ بالا شرح کا نصف لیا جاوے گا اور

نصف صفحہ سے کم ہونے کی صورت میں بھی نصف صفحہ کی اجرت لیجایگی

اجرت ہمیشہ پیشگی وصول ہوگی۔

ڈی۔ رینل۔ پروفیسر و منیجر

علیگڈھ منتھلی مدرسۃ العلوم علیگڈھ

علیگڈہ منتھلی

نمبر ۹ و ۱۰ | جلد ۱۲

بابت ماہ ستمبر و اکتوبر سنہ ۱۹۱۴ء

قیمت سالانہ للعہ محصولڈاک | قیمت فی رسالہ مرادی ۶ر

اُردو شاعری پر ایک اجمالی نظر

نمبر ۲

عربی مین شاعری نے اوس سے کہین پہلے شہرت حاصل کر لی تھی کہ امام غزالی و امام رازی کے ایسے اساتذہ و فلاسفر پیدا ہون۔ ایام العرب شاعری کا بڑا میدان رہچکا تھا۔ امراء القیس نے شاعری کی عمارت بنادی تھی مگران تمام باتون کے علاوہ اعتدال قائم رہا۔ عرب والون نے آگے چلکر شاعری کے آفتاب کو اتنا نہین گھورا کہ چکاچوندہ پیدا ہوجاتی اور دوسرے علوم کو نہ دیکھ سکتے۔ عرب مین اونٹون کے سوا اور تھا کیا اسلئے نئے خیالات نئے نئے تشبیہ و استعارات کہان سے لاتے۔

لیکن برخلاف دوسری زبانون کے فارسی زبان کے بزم کے لوگ عجیب نیرنگ مزاج تھے یہہ

بوُے گل سے پہلے ہی سے مست ہو رہے تھے۔ یہان شاعری کا ایسا استقبال ہوا کہ لوگ اوسی کے ہو رہے اون کو یہ نہین یاد رہا کہ صرف شاعری ہی کو ترقی دینا ہمارا فرض نہین ہے بلکہ ادب کے ہر حصہ کو بجنسہ ترقی دینا چاہیے نتیجہ یہ ہوا کہ ایران مین نہ تو مورخ پیدا ہوے نہ مفسر نہ منطقی نہ فلاسفر لے دے کر شاعر ہی شاعر رہ گئے۔ جلال الدین فلسفہ کی کتاب اخلاق جلالی لکھنے بیٹھتے ہین مگر فلسفے کے دامن کو گلون سے بھر دیتے ہین اور مجبور ہو جاتے ہین کہ فارسی مین تمام علمی اصطلاحات عربی کی لائین رودکی جو ایران کا پہلا شاعر کہا جاتا ہے اوس سے لیکر جلال الدین تک سواے شعرا کے کوئی ہوا ہی نہ تھا اصطلات آتین تو کہان سے آتین۔

بجنسہ یہی حال اُردو کا ہوا اوسکے پیدا ہوتے ہی شاعری نے اوٹھا لیا زبان کی بزم مین جو آتا تھا شاعر ہی بنا چاہتا تھا اس دو ڈھائی سو برس کے عرصہ مین کتنے شعرا پیدا ہوے مگر کوئی فلاسفر بھی پیدا ہوا کوئی مورخ بھی گذرا جب تک شاعری کا زور بڑھتا رہا کوئی مصنف پیدا نہین ہوا جب حالی کے ابتداے شاعری مین پرانی شاعری کا زور کم ہوا تب ہی سید علی بلگرامی۔ محمد حسین آزاد پیدا ہوے نثر کا مذاق بڑھ چلا رفتہ رفتہ شاعری گھٹنے لگی تو بیسوین صدی کی ابتدا مین مولانا نذیر احمد نے نثر کو وسعت دی مولانا شبلی نے تاریخ کو سنبھالا۔ مذاق سلیم پیدا ہو چلا اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعری ہی وہ زور تھا جو ادبی ترقی کو روکے ہوے تھا مذاق سلیم کی ابتدا تب ہی شروع ہوتی ہے جب رکیک مذاق پامال کر دیا جاتا ہے مگر پرانے طرز کا نشان یکبارگی مٹ نہین جاتا۔ آج باوجودیکہ اُردو کی شاعری ظاہرا بدل رہی ہے مگر وہی تراش وہی طرز اب بھی باقی ہے۔ موجودہ رسالو نمین نیئے نیئے عنوان سے جتنی نظمین ظاہرا نیا طرز لئے ہوے نکلتی ہین سب اوسی راستے پر چلتی ہین جسپر کہ پرانے شعرا چل چکے ہین۔

یونان مین فن شاعری کی جو تعریف کی گئی تھی وہ ایسی جامع ہے کہ اہل یورپ و حکماے اسلام اوسے برابر مانتے رہے ہین اور اب بھی مانی جاتی ہے۔ انہون نے بتلایا ہے کہ انسان کے پاک اور بے لوث جذبات مختلف اشیاء خارجی سے متاثر ہو کر اُبھرنا چاہتے ہین یہ جذبات اسقدر

ہوتے ہین کہ نثر کی کرخت آواز کے متحمل نہین ہوسکتے اسلئے اون خیالات کے اظہار کے لئے لطیف الفاظ اور نازک بندش کی ضرورت ہوتی ہے اِن لطیف الفاظ کا جامہ پہنکر جو جذبات ظاہر ہوتے ہین اونکا نام اشعار ہے شاعری کے عناصر اعلٰے چار ہین۔ جذبات خیال۔ مضمون آفرینی۔ طرز ادا۔ لطافت زبان۔ اِن چارون مین سے اگر ایک بھی معیار خوبی سے گرا ہوتا ہے تو شعر مکمل نہین کہا جاسکتا اُردو کی گذشتہ شاعری پر ایک سطحی نظر ڈالنے سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہہ ہے کہ میر و غالب کے صحیفہ سخن مذہب زبان کی وقعت کو تو بڑھا سکتے ہین مگر اونکے علاوہ سوا دو ایک مستثنیات کے اور سب عالم شاعری کے معمولی باشندے ہین۔ غالب کی مضمون آفرینی اور طرز ادا میر کے لطافت خیال اور درد آمیز بندش ایسی کھلی ہوئی صفات ہین جنھین کوتاہ نظری اور تعصب کے پردے چھپا نہین سکتے۔ آپ خود فیصلہ کرسکتے ہین کہ آپ کو غالب کی محویت اور نکات و معانی پر وجد آتا ہے یا امیر کے آنچل و مستی کے مضامین پر۔ ہمین یہان شعرا پر تنقید کی ضرورت نہین ہمنے مثالاً بتلادیا۔ ہمکو دکھلانا یہہ ہے کہ گذشتہ شاعری ابتدا سے لے کر اب تک ایک ہی رنگ مین رہی جو کسی شاعری کو کامیاب نہین بنا سکتا۔ اب ہمکو دیکھنا یہہ ہے کہ جس رنگ کی بنیاد مولانا حالی نے ڈالی وہ مستقل ہے یا نہین آیا وہی رنگ اصلی رنگ ہے یا ابھی وہ تغیرات ہونے باقی ہین جو اُردو شاعری کو اصلی رنگ مین لانے کے باعث ہونگے۔

سب سے پہلے یہہ دیکھئے کہ اپنی شاعری کو قومیت کے رنگ مین لانے سے پہلے خود مولانا حالی کس رنگ مین تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ اونھون نے شاعری کی ابتدا عشق و محبت کے افسانون سے کی مگر جون جون خیالات مین تغیر ہوتا گیا اونھون نے خاص رنگ اختیار کر لیا۔ بیشک مولانا کی شاعری اُردو زبان مین ایک نیا باب تھا یا یون کہیئے کہ نئے باب کی تمہید تھی مگر ہم اوسے شاعری کا مطمح نظر نہین کہہ سکتے۔ جو مقدمہ مولانا نے شاعری پر لکھا ہے اوسے اسقدر وسعت دی ہے کہ شاعری کا خاکہ بگڑا جاتا ہے اوسپر تنقید کی چندان ضرورت نہین کیونکہ وہ مقدمہ قریب قریب ہر نظر سے گذر چکا ہوگا۔ اوسپر ہزارون رائین دی جاچکی ہین۔ ہم کو صرف یہہ دکھلانا ہے کہ چونکہ نظر اِستنے دن

تاریکی مین رہی تھی اِسلیئے ایک معمولی روشنی بھی آفتاب سمجھی گئی اُردو شاعری کا یہہ نیا رخ بیتاب نظرون سے دیکھا گیا اسلیئے لوگ اوس شاعری کو بہترین نمونہ سمجھنے لگے۔

ڈاکٹر اقبال کا نیا رنگ اور مولانا شبلی کی تاریخی نظمین واقعی صبح اُمید کا پیام رکھتی ہین ان دو تین برسون مین مذاق شاعری مین جو تغیر ہوا ہے وہ امید افزا ہے۔ غالب کا طرز ادا پھیلتا جاتا ہے اقبال کا رنگ ترقی کرتا جائیگا۔ مگر گذشتہ شاعری کا جو برا اثر اُردو ادب پر پڑ چکا ہے اوسکی تلافی کے لیئے ایک زمانہ درکار ہے۔

اب اُردو شاعری کے معتقدین یہہ مسئلہ اوٹھا سکتے ہین کہ جب لاطینی اور یونانی زبان والے ہومر و ورجل کی شاعری کو مایۂ ناز سمجھتے ہین۔ جب شیکسپیر اور ملٹن انگریزی زبان کی ناک کہے جاسکتے ہین جب عربی والے امراء القیس پر مبالغہ آمیز فخر کرنے پر بھی ادبی ملزم قرار نہین پاتے جب فارسی کے بڑے بڑے رؤساے سخن کے نام زبان کی عزت بڑھا سکتے ہین تو کیا ذوق و امیر جرأت و سودا ناسخ و آتش کے دیوان اُردو کی ادبی حیثیت کو بڑھا نہین سکتے۔

اِس سوال کا جواب دو صورتون سے دیا جاسکتا ہے

اول یہہ کہ اُردو شاعری وہ شاعری ہی نہین جسنے دنیا کی متمدن زبانون کی ادبی شہرت دوبالا کردی ہے۔ ابتداسے انتہا تک فارسی کی تقلید ہوئی اور وہ بھی غیر مکمل طورسے اُردو شعرا نے رزمیہ شاعری کو بالکل چھوڑ دیا تاریخی حصہ کو قطعی بھول گئے فلسفے کی طرف شاعری کو بڑھنے بھی نہ دیا۔ صرف بزمیہ پہلو اختیار کیا وہ بھی غیر مکمل طور سے، ڈرامے جو شاعری کا ایک اہم جزو ہے کیونکہ اوس سے انسانی جذبات کا پتہ چلتا ہے بالکل چھوڑ دیئے گئے۔ صرف غزل اور قصائد پر اکتفا کیا۔ حالانکہ غزل کبھی کسی زبان کو متمدن نہین بنا سکتی۔

فارسی کے شعرا جنھون نے آج یورپ کے کتب خانون مین جگہ پائی ہے غزلین نہین کہتے تھے آج یورپ مین جتنی عمر خیام و فردوسی۔ شیخ سعدی و نظامی کی قدر ہے اوسکی آدھی صائب و عرفی کی نہین۔ اُردو نے فارسی کی تقلید بھی کی تو مفید پہلو چھوڑ دئے۔

انگریزی کو دیکھیے آج متمدن حصون مین جتنے شیکسپیر و ملٹن کو لوگ جانتے ہین اوتنا کیا بیرن و پوپ کو بھی جانتے ہین۔

دوسرے یہہ کہ کسی زبان کی ترقی صرف نظم سے نہین ہوتی بلکہ مختلف علوم کے ہر شعبہ مین جتنی وسعت پیدا کیجا سکے اوتنی ہی وسعت زبان مین پیدا ہو گی۔ تاریخ و جغرافیہ ریاضی و سائنس۔ فلسفہ و منطق یہہ وہ شعبے ہین جنھون نے آج ترقی یافتہ زبانون کو عروج کی سب سے اونچی منزل پر پہونچا دیا ہے۔ یونانی زبان کی قدر و منزلت آج شاعری کیوجہ سے نہین ہوئی۔ کیا شاعر وہان تھے نہین بڑے بڑے اہل کلام گذرے ہین مگر ارسطو و فلاطون بقراط و جالینوس کی تصانیف آج چشمۂ تعلیم ہو رہی ہین۔

عربی امراؤالقیس اور سبعۂ معلقہ کی وجہہ سے مشہور نہین۔ بلکہ غزالی ایسے فلاسفر اور ابن خلدون ایسے متبحر مورخون نے عربی کو عروج دیا۔

جرمن کی زبان آج اسلیئے قابل قدر نہین کہ اوسمین بڑے بڑے شعرا پیدا ہو چکے ہین اور شکسپیر پر تنقید کا ایک معقول ذخیرہ ہے بلکہ اِسلیئے کہ فلسفہ قدیم و جدید سائنس قدیم و جدید کا بے بہا ذخیرہ موجود ہے۔ امام غزالی کی جو منطق کی کتابین ممالک اسلامی مین آج نہین پائی جاتین وہ برلن کے کتبخانہ مین موجود ہین۔

اُردو کو دیکھیے شاعری ایسی ادھوری رکھی گئی کہ علوم کا آج تک کوئی ذخیرہ جمع نہو سکا جتنے دیوان ہین سب کے مضامین ایک ہین صرف نشست الفاظ مین فرق ہے۔

اب ہمین دیکھنا یہہ ہے کہ گذشتہ شاعری کا اثر اچھا یا برا آیندہ شاعری اور لٹریچر پر کیا پڑا ہے اور کب تک رہیگا۔

اُردو کے موجودہ رسالون کو اٹھاکر دیکھیئے۔ زمانہ مخزن و الناظر تمدن و نقاد سب مین نثر کے علاوہ ایک علٰحدہ مستقل پہلو نظم کا ہوا کرتا ہے۔ دونون شعبے دیکھیئے آپ مایوس ہونگے کہ مذاق صحیح اسقدر پامال ہو گیا ہے کہ پورے رسالے مین ایک مضمون بھی پڑھنے کے قابل نہین ہوتا

نثر کو لیجیے، اوّل تو کسی مین متانت خیال اور فلسفیانہ رنگ آمیزی نام کو بھی نہین اور اگر ہے بھی تو سطحی طور سے۔ نثر مین بھی شاعری کیجاتی ہے نظم کے پہلو کو سامنے لائیے تو عنوان تو بہت دلفریب ہونگے مگر مضامین آفرینی کسی مین نہین پائی جاتی "پھول"، "جھکی ہوئی نگاہ"، "تیغِ ابرو" "شمع مزار" ان سرخیون کے تحت مین وہی پرانی تشبیہات پرانے استعارات بھرے ہوے ہوتے ہین۔

رسالون کو دیکھنے کے بعد یہہ معلوم ہوجاتا ہے کہ جس حد تک رسالے علمی مذاق کے ترجمان کہے جاسکتے ہین اوس حد تک یہہ پتہ لگتا ہے کہ گذشتہ اُردو شاعری نئی شاعری اور ادب کو روکے ہوے ہے۔

یہ تخیلات نہین بلکہ روزمرہ کے مشاہدات ہین۔

خیالات کی روش زمانہ کا اثر اُردو شاعری کو سیدھے راستے پر لے آئیگا ہم دیکھ لینگے کہ وہ شاعری ہی ہے جو انسان کے پاک جذبات کے برانگیختہ کرنے کا بہترین آلہ ہے اور وہ شاعری ہی ہے جسکے اثر سے انسان جبر و قہر جور و تظلم کی عمارت کو ڈھا سکتا ہے۔

سجاد علی انصاری

ہندوستان کو اپنی ترقی کے لئے کیا کرنا چاہیئے؟

نمبر ۲

ممالک مغربی مین عرصہ دراز سے قومی زندگی کے صحت افزا ارتقا مین انکی مستورات معتدبہ حصہ لیتی رہی ہین۔ اور گذشتہ چند سالون سے ممالک مشرقی مین بھی اور خصوصاً ہمارے اپنے ملک مین ایسی علامات کی کمی نہین جس سے ظاہر ہو کہ صنف نازک اپنی طاقت کو محسوس کر رہی ہین۔ ہندوستان مین سب سے زیادہ تعلیم یافتہ برھمو سماج کی لڑکیان ہین۔ مگر ہم جب انکا مقابلہ غیر اقوام سے کرتے ہین۔ تو ہمکو بہت شرم آتی ہے۔ یہہ امر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ انسان کی بہبودی کو

صورت پذیر کرنے مین عورت کا حصہ عظیم الشان محرکانہ قوت سے مملو ہے۔ شروع زندگی مین مفید عادات کا راسخ ہونا۔ اور نوجوانون مین معاشرتی اُلفتون کا نشو ونما پانا۔ خانگی معاملات مین یکجہتی اور محبت اور قناعت کو ترقی دینا۔ یہہ جملہ امور بہت کچھ عورت کے درجہ تربیت پر منحصر ہین۔ نپولین اعظم سے جب یہہ پوچھا گیا تھا کہ فرانس کی ترقی کے لئے کس چیز کی زیادہ ضرورت ہے۔ تو اسنے یہی جواب دیا تھا کہ عمدہ ماؤن کی۔ لڑکون کی زندگی کا انحصار تمامتر انکی ابتدائی تربیت پر منحصر ہے۔ وہ مثل ایک نرم شاخ کے ہین۔ اِنکو جس طرف جھکا دیا جائیگا۔ جھک جائینگے۔ عورتون کی تعلیم کا انتظام خاص طور پر کرنا چاہیئے۔ ورنہ ہندوستان کی تمام ترقی ادھوری رہجاے گی۔ گورنمنٹ کو چاہیئے کہ ہر طرح سے تعلیم نسوان کے معاملہ مین سہولیتین پیدا کرے۔ ہمارے ملک مین جو اسکول تعلیم نسوان کے قائم ہین۔ اُنھون نے بہت کم ترقی کی ہے۔ عورتون کو مردون سے الگ تعلیم دیجانا چاہیئے۔ اور اِس معاملہ مین یورپ کی کورانہ تقلید مناسب نہین۔ بلکہ یہہ وہان بھی اکثر اوقات مضر ثابت ہوئی ہے عورتون کا نصاب تعلیم مردون سے مختلف ہونا چاہیئے اور انکو ابتدائی درجون مین مذہبی تعلیم دینا بہت مفید ثابت ہوگا۔ اب اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے یہہ مان لین کہ ہندوستان مین کافی تعلیم ہوگئی تو آگے چلکر ہمکو ایک اور مرحلہ طے کرنا پڑیگا۔ جو اِس سے بھی زیادہ سخت اور پر خطر ہے۔ وہ مسئلہ ہندو اور مسلمانون کے اتحاد کا ہے۔ یہہ معاملہ ایسا اہم ہے۔ کہ اسپر قلم اُٹھانا بہت دشوار ہے۔ تاہم یہہ نظر انداز بھی نہین کیا جا سکتا۔ ہندو اور مسلمانون مین اب بھی بہ کثرت ایسے لوگ موجود ہین۔ جو اِن دونون قومون کے اتفاق کو شبہ کی نظر سے دیکھتے ہین۔ اور اسکی ضرورت کو ایک قابل بحث مسئلہ خیال کرتے ہین۔ ہمکو کسی ایسی جماعت کے وجود پر تعجب نہین ہے۔ اِسلئے کہ جب بیسوین صدی مین ایسے بھی لوگ پائے جاتے ہین جو باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے مسئلہ کشش ثقل یا حرکت زمین جیسے مسلمہ مسائل کو قابل اعتراض خیال کرتے ہین تو ہندوؤن اور مسلمانون کے باہمی اتفاق کو اگر وہ مشتبہ یا قابل اعتراض خیال کرین تو تعجب کی بات نہین۔ البتہ ہمکو افسوس ان لوگون کی حالت پر ہے جو اس مسئلہ کو ناگزیر

سمجھنے کے باوجود اس طرف سے بے پرواہی کرتے ہین۔ کہ ہندؤن اور مسلمانون کے اتفاق کے وسائل کو مضبوط کرین۔ ایسے زمانے مین جبکہ انگلستان اور روس جیسے قدیمی دشمنونمین ایران کے متعلق ایسا معاہدہ ہوسکتا ہے جو "نصفٗ لی نصفٗ لک" کا مصداق ہوا۔ اور جبکہ فرانس تاریخی مخاصمت کے باوجود اسبات کی کوشش کرے۔ کہ انگلستان کا اقتدار بحر قلزم سے کم نہونے پائے۔ تعجب کی بات ہے کہ وہ دو قومین جو آٹھ صدیون سے ایک ہی ملک مین رہتی ہون۔ ایک ہی ملک مین پرورش پاتے ہون۔ ایک ہی زمین کی پیداوار سے مستفیض ہوتی ہون۔ اور ایک ہی طبیعی اور سیاسی حوادث کے زیر اثر ہون۔ اور اب خوش قسمتی سے ایک بادشاہ کے زیر سایہ ہوگئی ہون۔ اسبات کو بخوبی نہ سمجھ گئی ہون۔ کہ انکا باہمی اتفاق دنیا کی تنازع بقا مین رہنے کے لئے ایک امر ناگزیر ہے۔ جس شخص نے ہندؤن اور مسلمانون کے موجودہ اور گذشتہ واقعات کو نظر غور سے دیکھا ہوگا۔ اسکو ان دونون قومون کا اتفاق کوئی غیر ممکن یا ناقابل عمل بات نہین معلوم ہوگا اور دراصل وہ شخص جو ان دونون قومون کے متحد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ کسی نئی تحریک کا بانی نہین کہلاسکتا۔ بلکہ اس حقیقت کا تازہ کرنے والا ہے جو اب سے نصف صدی بیشتر دونون قومونکے تعلقات مین موجود تھی اور جو اب بھی ہندوستان کی کثیر دہقانی آبادی مین موجود ہے کس کو نہین معلوم ہے کہ اب سے تھوڑے ہی عرصہ پہلے ہندو اور مسلمان اس ملک مین اسطرح بسر کرتے تھے جیسے ایک خاندان مین دو بھائی۔ بعض لوگ یہہ خیال کرتے ہین کہ چونکہ زمانہ سابق مین مسلمان حکمران تھے۔ اسوجہ سے ہندو ہمیشہ مطیع اور فرمانبردار رہتے تھے لیکن اگر یہہ بات صحیح ہے تو کیا وجہ تھی کہ مسلمان سپہ سالار مرہٹون کی طرف سے جاکر نادرشاہ کے مقابلہ مین جنگ آزما ہوے تھے۔ حقیقت پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل ہندؤن اور مسلمانون کے دوستانہ مراسم کسی دباؤ یا حکمرانی پر نہین مبنی تھے۔ بلکہ انکا اتحاد نتیجہ تھا۔ اس فطرتی رواداری کا جو دو قومون کے درمیان ایک ملک مین صدیون تک رہنے سے پیدا ہوسکتی ہے۔ آج بھی شہرون کو چھوڑکر جس شخص نے دیہاتی رسم و رواج اور روزمرہ کی زندگی

کا نظارہ کیا ہوگا۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ ہندو اور مسلمان باہم اسدرجہ متحد ہین کہ بجز خاص صورتوں کے مشکل سے انہین تمیز ہو سکتی ہے۔

ملکی پیچیدگیون کا حل صرف اسی بات مین ممکن ہے کہ ہندؤن اور مسلمانون کے درمیان سے غلط فہمی کا پردہ اُٹھ جاے اور ایکدوسرے کی دلفریبی کا سامان مہیا کرے۔ کیونکہ جسوقت تک کسی قوم کے اہل الراے اشخاص مین کوئی خیال زور نہین پکڑے گا۔ اسوقت تک جمہور مین کوئی خیال سرایت نہین کر سکتا۔ جب ہم یہہ دیکھتے ہین کہ پریسیڈنٹ کانگریس نے مسٹر سید وزیر حسن کے اِس جملہ کو کانگریس کی زبان مین دہرایا ہے کہ "ہماری مشترکہ مادر وطن کی ترقی تمام اشخاص کی دلی تعاون اور امداد پر منحصر ہے" تو ہم بھی یہ معلوم کرکے خوش ہین کہ جو خیالات ایک زمانے مین متفاوت کہے جاتے تھے۔ وہ آج متحد قرار دئے جاتے ہین۔ اگر برادران وطن اپنے جمہور کے دلون کو اس انس اور اتحاد مین رنگ دین جسکی رنگت ہردو اقوام کے لیڈرون پر چڑھتی ہوئی ہے یعنی جب جمہور ایکدوسرے کو اپنے روزمرہ تعلقات سیاسی و معاشرتی مین ایثار و حق شناسی کا ثبوت دینگے تو میرے خیال مین آیندہ دونون قومون مین باہمی سمجھوتہ ممکن ہو جائیگا۔ اور جداگانہ نیابت کے مسئلہ پر جداگانہ بحث کی ضرورت نہ پڑیگی۔ لیکن ہندو مسلم اتحاد کے ساتھ ایک سیاسی بحث چھڑ جاتی ہے کہ گورنمنٹ اِس اتحاد کو کیسی نظرون سے دیکھتی ہے۔ عام طور سے آج تک یہی مشہور کیا گیا ہے۔ اور مختلف وجوہات سے جمہور کے دل مین ذہن نشین بھی ہو گیا ہے۔ کہ گورنمنٹ سیاسی مصلحتون کی بناپر ہندؤن اور مسلمانون کا اتفاق اچھی نظرون سے نہین دیکھتی۔ اور دونون کی باہمی مخالفت مین اپنے وجود کی سلامتی سمجھتی ہے۔ مگر جہان یہہ باطل گمان ملک کے ایک خاص گروہ کا جزو ایمان رہا ہے اور اسنے انکو اِس سطحی وفاداری سے مخمور کر رکھا ہے جو گورنمنٹ کی غلطیون یا غلط فہمیون پر پردہ ڈالکر اسے گمراہ کرتی رہتی ہین۔ وہان اسنے عامہ خلائق کو اسقدر آزردہ و بے چین کر رکھا تھا کہ آخر کار گورنمنٹ ہند کو اپنی حقیقی پالیسی کا اظہار کرنا پڑا۔ چنانچہ سیاحت ہند سے واپس ہونے کے بعد مسٹر مانٹیگو نے پارلیمنٹ کے روبرو بیان کیا "کہ تفریق اور حکومت کا نہایت ہی خطرناک

اصول ہمارے نصاب سیاست مین کوئی جگہ نہین رکھتا" پس یہہ بڑی غلطی ہوگی اگر ہمنے گورنمنٹ کی پالیسی سے فائدہ نہ اوٹھایا کیونکہ ہمارا یہہ فعل نہ صرف ملکی ترقی کا باعث ہوگا بلکہ انگریزی راج کی پائداری اور استحکام کا بھی موجب ہوگا۔ موجودہ زمانہ مین جو اختلافات ہندؤن اور مسلمانون مین مذہبی تیہوارون یا ایسے ہی مواقع پر پیش آتے ہین اور انکی وجہ سے جو نقص امن بعض مواقع پر پیدا ہورہے ہین۔ انپر نظر کرتے ہوے یہہ بات ضروری معلوم ہوتی ہے۔ کہ دونون قومون کی باہمی مصالحت کا ایسا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے۔ کہ انمین باہمی اتحاد کی ترقی ہو۔ آنریبل سر فضل بھائی کریم بھائی دراصل دونون قومون کے شکریہ کے مستحق ہین کہ اُنھون نے "مصالحتی بورڈ" کے قایم کرنے کی تجویز لیجسلیٹیو کونسل کے سامنے پیش کی ہے اور بہت خوشی کی بات ہے کہ اسکو دونون قومون نے بہت تحسین کی نگاہ سے دیکھا۔ اور اُمید ہے کہ بہت جلد کوئی سمجھوتہ دونون قومون کے درمیان ہوجائیگا۔ حسن اتفاق سے ہندی مصیبت زدگان جنوبی افریقہ کی گرہ کچھ ایسے وقت مین اُلجھی ہے کہ یہہ خود تو جب کھلیگی تب کھلیگی لیکن سر دست اسنے ہندو مسلم کے رشتہ کو ضرور مضبوط کردیا ہے۔

سردار محمد

انجمن حدیقۃ الشعر

انجمن مذکور یعنی ایم۔ اے۔ او کالج پوئیٹکل سوسائٹی کا ایک معمولی جلسہ بتاریخ ۱۸ جولائی ۱۹۱۴ء بوقت ۸ بجے شب سر سید کورٹ مین زیر صدارت جناب قاضی جلال الدین صاحب جلال منعقد ہوا اہل ذوق کی ایک معقول تعداد شریک مجلس تھی۔ مسٹر احسان الحق بیرسٹر ایٹ لا و مسٹر مسعود ٹامی اولڈ بائز کالج نے بھی جو حسن اتفاق سے اوس شب کو یہین تشریف فرما تھے اپنی شرکت سے جلسہ کی رونق کو المضاعف فرمایا۔ مصرع طرح۔ "میری فریاد ہے اے داورِ محشر فریاد" تھا۔ سب سے پیشتر وہ ایک غیر طرحیات ہوئین بعدآن جناب شیخ فضل الرحمن صاحب فجی۔ جناب محمد حاذق صاحب حاذق۔ جناب اقبال احمد صاحب سہیل۔ جناب سید علی عباس صاحب عباس

جناب عبدالحی صاحب زمانہ۔ جناب عبدالحمید صاحب حمید۔ جناب سید ممتاز احمد صاحب سُہا جناب بدرالحسن صاحب بدر و خادم آثم نے مصرعہ طرح پر اپنی اپنی نظمین پڑھین محفل ہذا تقریباً ۲½ گھنٹے کی پر لطف صحبت کے بعد برخاست ہوئی۔ حسب قاعدہ اُن غزلیات کا انتخاب جو دفتر معتمد اعزازی مین موصول ہوئین درج ذیل کیا جاتا ہے۔ و ہو ہذا۔ مصرع طرح "میری فریاد ہے اے داورِ محشر فریاد"

جناب محمد حاذق صاحب حاذق طالبعلم کالج

مُنھ کو آتا ہے کلیجہ تری سُنکر فریاد
یون تڑپ کر دلِ مضطر نہ کیا کر فریاد

ہجر مین دل سے نہ نکلی کبھی باہر فریاد
کیا کوئی حسرتِ دل تھی مرے داور فریاد

وائے ناکامیِ قسمت نہ ہوا کام تمام
سخت جان رہ گئے کرتے تہِ خنجر فریاد

بات رہ جاتی اگر تو نہ نکلتی منھ سے
آسمان ٹوٹ پڑا ہے نہ تجھ پر فریاد

یون نہ بلبل کا گلا گھونٹ قفس مین صیاد
دو گھڑی کرنے دے مظلوم کو کھلکر فریاد

رات بھر رکھتی ہین بیکل اونھین آہین تیری
حاذق اتنی شبِ فرقت مین کیا کر فریاد

جناب بدرالحسن صاحب جلالی بدر طالب علم کالج

او نکلے در پر تو نہ کر اے دلِ مضطر فریاد
وہ بھی آ جائین نہ کرتے ہوئے باہر فریاد

جل بجے ناکامیِ قسمت کہ بصبحِ امید
رہ گئی چاک سحر ہی سے اُلجھ کر فریاد

آہ کرتے ہی ہوئی جان بھی رخصت تن سے
شمع ہستی کے لیے بن گئی صرصر فریاد

چار باتون مین گئی عمر مری ساری گذر
آہ و نالہ کبھی شیون کبھی لب پر فریاد

مکتبِ عشق مین جو درس لیا تھا ہمنے
مرتے مرتے بھی نہ بھولے وہ رہا ازبر فریاد

تارِ بارش نہین اے بدر حبابِ گردون
پھوٹ کر روتا ہے اکثر مری سُنکر فریاد

جناب سید ممتاز احمد صاحب سہا طالبعلم کالیجیٹ اسکول

ضبط تسخیر ہے۔ روک۔ اے دلِ مضطر فریاد | ضد دلا دیتی ہے اوس شوخ کو اکثر فریاد
ہوگئی خود ہی علاجِ دلِ مضطر فریاد | اسکو بھی ساتھ لئے آتی ہے باہر فریاد
سوز کہتا ہے۔ کہ اک سلسلہ آہون کا رہے | غش کا دعویٰ۔ کہ نہ نکلے گی مکرر فریاد
میری بے تابیٔ فرقت کا نمونہ ہے برق | سازشِ درد سے اوٹھتی ہے مچلکر فریاد
دیکھیے غیر کی اُلفت کا نہ کیجئے دعویٰ | کہین کرنا نہ پڑے میری طرح پر فریاد

کاش سرگرم وفا ہون وہ سہا جب جانون
تپشِ قلب سے نکلی تو ہے جل کر فریاد

جناب اقبال احمد خانصاحب سہیل طالب علم کالج

مست ہے کیا دلِ سکیش سے نکلکر فریاد | کہ چلی چرخ کو کھاتی ہوئی چکر فریاد
لے اُڑی کیا نگہ ناز کے جوہر فریاد | کہتے ہین دل مین چبھو دیتی ہے نشتر فریاد
دل کے قابو سے ہوئی جاتی ہے باہر فریاد | خانہ زاد اپنے ہون اسطرح سے خود سر فریاد
تار کی طرح رگ و پے مین ہے مضمر فریاد | مجھکو چھیڑا ہے تو جھنجلاؤ نہ سنکر فریاد
قہر ہے زہر ہے دردِ دلِ ناکام ہے یہ | یون نہ پی جائیے صاحب مری سنکر فریاد
تھے بخارات درونی جو دمِ سرد کے ساتھ | رہ گئی دیدۂ پرنم سے ٹپک کر فریاد
فائدہ کیا دلِ نادان شرر افشانی سے | گرم ہین اور بھی جل جائینگے سنکر فریاد

کس طرح سینہ سے مین اسکو نکلنے دون سہیل
ہے مری ہستی بیتاب کا جوہر فریاد

جناب شیخ فضل الرحمٰن صاحب قدوائی فحیؔ طالبعلم کالج

لطف آتا ہے اونھین بھی مری سُنکر فریاد
ہنسکے کہتے ہین جو ہر بار "مکرر فریاد"

خانۂ دل سے نکل آئی جو باہر فریاد
نالے رُک رُک گئے۔ آ آ گئی لب پر فریاد

کیا یہہ زاہد کی دعا تھی جو ادھر رہجاتی
تا سرِ عرش گئی میری برابر فریاد

خاک ہوجائیگا اے چرخ برین یاد رہے
ہم جگر سوختہ کر بیٹھے جو جل کر فریاد

"تم جو ٹھہرے تو نکل جاؤنگی دل سے فوراً"
آہ و نالہ سے یہہ کہتی ہے مچل کر فریاد

عالمِ نزع ہے اور بارِ معاصی فحیؔ
اب سبکدوش کرے دل سے نکلکر فریاد

خادم آثم

ناتوانی سے کب آتی ہے زبان پر فریاد
بیٹھ جاتی ہے دلِ خستہ سے اُٹھکر فریاد

نہ کرون کیون غمِ فرقت مین برابر فریاد
نالہ قسمت ہے مری۔ میرا مقدر فریاد

اونکی سرکار مین جائے کہ خدا تک پہونچے
کس کشاکش مین رہی جاتی ہے پسکر فریاد

توبۂ شیخ بھی ٹوٹے گی۔ بہار آنے تو دے
کیون عبث کرتا ہے ٹوٹا ہوا ساغر فریاد

دلِ عاشق مین کہان آپکی جانب سے غبار
اور ہو بھی۔ تو نکل جاتا ہے بنکر فریاد

تم اولٹ دو تو ذرا عارضِ روشن سے نقاب
دیکھین کرتے نہین کبتک مہ و اختر فریاد

بوئے گیسو سے وہ کر لیتے ہین پہلے مدہوش
نہ کرے تا کوئی بسمل تہِ خنجر فریاد

کون سنتا ہے یہان اپنی فغان اے آثمؔ
درِ اقدس پہ کرین آئیے چل کر فریاد

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض شعرا بعد مشاعرہ اپنا کلام بلاغت نظام معتمد کو روانہ

نہین فرماتے جسکی وجہ سے وہ طبع ہونے سے رہجاتا ہے۔ اُمید ہے کہ آئندہ سے حضرات مذکور بصدر اِسکا خاص خیال فرماتے رہینگے۔ فقط

خاکسار
ایوب احمد آثم
معتمد اعزازی انجمن

ایک دوست کی یاد

مین مصیبت آشنا ہون عاشقِ ناشاد ہون ... آفتون مین مبتلا ہون خانمان برباد ہون
کشتۂ جور و جفا ہون کشتۂ بیداد ہون ... خوگرِ آہ و بکا ہون خوگرِ فریاد ہون
مضطرب دل نے کیا یادِ فرقت نے کیا
الغرض جو کچھ کیا وہ میری قسمت نے کیا

کج ادائی کا۔ بلا کا۔ قہر کا مارا ہوا ... آسمان کا۔ انقلابِ دہر کا مارا ہوا
پیچ و تابِ مارِ غم کی لہر کا مارا ہوا ... جس طرح بیمار کوئی زہر کا مارا ہوا
کسقدر افسردہ دل ہون ہاے کتنا شرہون
صورتِ برگِ خزان دیدہ سراپا زرد ہون

تابِ گویائی نہین کیا ہو بیانِ دردِ دل ... دلشکن ہے۔ جانگزا ہے۔ داستانِ دردِ دل
آئینہ ہے شکل سے رازِ نہانِ دردِ دل ... میری بیتابی ہے گویا ترجمانِ دردِ دل
رنج کی صورت ہویدا خود فراموشی سے ہے
سوز مثلِ شمع پیدا میری خاموشی سے ہے

اسقدر مین شادمان تھا اِسقدر مسرور تھا ... غم جسے کہتے ہین میرے نام سے کافور تھا
گھر مرا مہرِ جمالِ یار سے پر نور تھا ... شامِ ہجران کا اندھیرا کالے کوسون دور تھا

تیرہ بختی نے کیا اُس ماہِ کامل سے جدا
ہوگیا پروانہ گویا شمعِ محفل سے جدا

وہ تکلّم۔ وہ تبسم۔ وہ محبت۔ وہ عطا وہ تکلف۔ وہ تلطف۔ وہ مروت۔ وہ وفا
وہ تغافل۔ وہ تجاہل۔ وہ شرارت۔ وہ ادا وہ لگاوٹ۔ وہ بناوٹ۔ وہ نزاکت۔ وہ حیا

صورتِ تصویر ہین ہردم نظر کے سامنے
آجتک ہے ہاے۔ وہ عالم نظر کے سامنے

موت کی ہے آرزو۔ جینا گوارا ہی نہین زندگی کا کوئی دنیا مین سہارا ہی نہین
اوج پر میرے مقدر کا ستارا ہی نہین اب نظر کے سامنے وہ ماہ پارا ہی نہین

سخت مجبوری ہے۔ ملنے کا کسے مقدور ہے
اُس سے کوسون دور ہین۔ وہ مجھسے کوسون دور ہے

یا مجھے آرام تھا۔ یا بیقراری ہے نصیب یا خوشی سے کام تھا۔ یا آہ وزاری ہے نصیب
یا ہنسی تھی رات دن۔ یا اشکباری ہے نصیب یا چمن تھا دل مرا۔ یا داغداری ہے نصیب

انقلابِ آسمان ہے گردشِ تقدیر ہے
پہلے جو دیکھا ہے یہہ اُس خواب کی تعبیر ہے

بجھ گیا بادِ مخالف سے چراغِ آرزو جل گیا سوزِ غمِ فرقت سے باغِ آرزو
ہان مگر کچھ اب بھی چلتا ہے سراغِ آرزو یادگارِ آرزو باقی ہے داغِ آرزو

مٹ گیا صبر و تحمل خاطرِ ناشاد سے
کچھ اگر دل بستگی ہے اب تو اُسکی یاد سے

مین ترے قربان اے یادِ حبیبِ دل نواز تو دوا ے دردِ غم ہے تو ہے میری چارہ ساز
ہے عیان اچھی طرح تجھ پر مرا پوشیدہ راز کسقدر دل مین طپش ہے کسقدر سوز و گداز

موت کا آغاز ہے یہہ عشق کا انجام ہے

مارنا یا زندہ کرنا اب تو تیرا کام ہے

ب مراد ل ہے تو ہی - خالِ سویدا ہے تو ہی میری حسرت ہے تو ہی - میری تمنا ہے تو ہی
بخ و غم بے انتہا ہین - پھر بھی تنہا ہے تو ہی اِس بھری محفل مین اب گویا تماشا ہے تو ہی

یا مجھے تسکین دے - یا رنج دے - یا جان لے
مین حمید خستہ دل ہون تو مجھے پہچان لے

حمید میرٹھی از علیگڈھ



OUR CONTEMPORARIES.

We have to acknowledge, with thanks, the receipt of the following publications :—

For July—*The Aligarh Institute Gazette, the Observer, the Comrade, the Collegian, Madras Christian College Magazine, St. John's College Magazine.*

For August—*The Central Hindu College Magazine, the Madras Christian College Magazine, the Collegian, the Observer, the Comrade, the Aligarh Institute Gazette.*

For September—*The Madras Christian College Magazine, the Collegian, the Comrade, the Observer, the Aligarh Institute Gazette.*

For October—*The Aligarh Institute Gazette, the Madras Christian College Magazine, the Central Hindu College Magazine, the Comrade, the Observer.*

exclusively from books the outer world is a sealed book. It is society which makes us acquainted with various sides of a question and infuses into us a public and independent spirit. From this all my kind readers can judge, and I am of the opinion that society is a better seat for the development of knowledge than solitude. This is what I could produce before you, otherwise the creator of us all knows well. والله عالم بالصواب

SYED KARAMAT HUSAIN

of Jullundher.

REVIEWS.

"Longman's Indian Reading Books", (Longmans, Green & Co.) A very useful series of readers, calculated to simplify the learning of English for Hindu youth, by the use of familiar stories and the name of familiar objects as material. The series is carefully graded, though even "Grade I" appears to assume an elementary knowledge of reading in English. The books are well illustrated.

Notes on School Equipment (Longmans, Green & Co.) This is very largely a catalogue, a considerable proportion of the space being devoted to select lists of books, pictures, &c., for use in schools. The selections appear to be sound, and they seem to have the merit of impartiality, but one cannot help wishing that a little more space had been devoted to the development of the principles upon which they have been made. The book, however, is likely to be of great practical use to school masters who have no first hand acquaintance with the details of equipment in European Schools.

floodgates of the world." Similar sentiments are expressed by Virgil, Wordsworth, Cowper, and more frequently by Byron. In solitude they thought that they were away from the petty meannesses of humanity and everything else that could distract them from high thinking. And nothing was more conducive to deep reflections and progress of knowledge then to be alone and surrounded by the beauties of nature, a mountain, forest or valley.

Yet even the most elevated minds would tire surely of continual solitude unrelieved by a human presence. Absolute solitude is one of the greatest punishments that could be inflicted upon vulgar criminals; therefore it would be even more painful to a mind of high culture and knowledge. A Byron, a Wordsworth, or a Cowper, if condemned for years to solitary existence on a desert island, would have the feelings of disgust expressed by the last-mentioned poet, through the mouth of Alexander Selkrik. "Had I the wings of a dove and gone home again."

In perfect solitude men are deprived of much that makes life worth living and are in danger of becoming entirely concentred in self by their removal from the sight of the joys and sufferings of humanity. They lose the consolations of friendship and love, and have little opportunity of training themselves in moral virtue in their retreat, where there are few temptations, no chance of increasing human happiness or relieving human misery. From the intellectual point of view they are to suffer from lack of stimulation with other minds equal or superior. On these grounds, although it is a good thing for reflective heads to retire for a short time from human society, yet perpetual solitude would promote neither their happiness, nor their virtue or their knowledge. And to a person whose knowledge is

narrow sphere of his book because he meets in solitude no other person he has not the key to solve his intellectual difficulties. In a society he will meet his equals and superiors, and thus most of the difficulties which he may find in his problems can be solved. The society brings us into close contact with the greatest orators that the world has ever known. The social advantage may further be developed by forming library and debating societies the members of which meet at intervals to debate on intellectual questions or read "Shakespeare" together, or give public recitation with the object of spreading among others an interest in knowledge and thus in society he goes on adding something to his knowledge. By energetically working together in the organisation of such society they teach others to enjoy the priceless happiness of knowledge and thus they make known the facts which exist over all the face of the universe, which is the true definition of knowledge.

What a blessed thing is a taste for reading. Still happier is his lot if he happens to have congenial society with whom he can discuss the innumerable topics of conversation suggested by common love of books. I suppose for a moment that it was rather in the wilderness than among the haunts of men that the greatest religious teachers thought their solution of the great mystery of life. Many poets took delight in solitude and derived their highest thoughts from lovely communings with nature. Milton knew well that solitude sometimes is a lost society and composed his great epic when the loss of eyes shut him out to a large extent from close companionship with his fellowmen. Shelley, in one of his letters to his wife, wrote : "My greatest delight would be utterly to desert all human society. I would retire with you and our child to a solitary island in the sea ; would build a boat and shut upon my retreat the

certainly agree with me in nicknaming them as out-and-out barbarians. Still more interesting would be a psychological study of the new seekers of admission who are now swayed by hope and then by utter despair. If this study cost us a few college periods, we had enough compensation and we feel no regret on that account.

SHAFAAT HUSAIN.

THE DEVELOPMENT OF KNOWLEDGE.

Knowledge is such a wide word that it may include all the branches of study and information about facts that exist. But we should think what are the sources of progress of knowledge and where it can be better developed.

The sources are books, libraries, social gatherings, debating societies, etc. Knowledge is almost exclusively derived from books and in order to get full information as regards a certain fact one has to refer to the great works in that branch of knowledge. But every one cannot afford for to buy for himself such valuable books as the "Encyclopaedia Brittannia." In such cases public libraries supply the deficiency of knowledge and a library is also conducive to educational progress in other ways which are the bases of the development of knowledge. In solitude a man may be liable to continual interruption and distraction, which break the thread of his ideas and make it difficult for him to concentrate his attention on books. In a society like the library he finds himself in a large compartment where the very air of the place and the spectacle of so many students inspires studious thoughts, which is a great stimulus to the development of knowledge. A man studying in solitude has an imperfect idea of the world he is living in as compared with those who have the sense to live in a society. He has his mind concentrated on the

Some of our cynical readers might call this "hearty welcome" acquiescence and even surrender. But in fact such is not the case. It is pure hospitality on our part. Had we ever chosen to resist their inroads, there was every likelihood of our success, since we have always possessed a standing army well disciplined and perfectly equipped. Their land and lands could never have prevailed against our citizen-soldiers. Yet we have chosen to achieve a moral triumph. When our invaders lead their attack we retreat with perfect order into our barracks and draw them into the trap where in the long run they are fully assimilated. They begin to shake off their parochial manners and habits, and try to ape those of the conquered people. They seem to take no small pride in assuming our tone and accent. 'Aligarhisation' begins its tremendous work. This process continues for a few months and the hordes of barbarians once clad in shabby and grotesque costumes become so completely naturalised that no outsider and sometimes not even our old veterans can distinguish the freshers from the old citizens. One might wonder how rapidly this metamorphosis completes itself. But students of Ancient History who have in their moments of leisure thought over 'Hellenisation' and 'Roman assimilation' would find another example in our case which vividly illustrates how civilized nations, in spite of being vanquished, ultimately triumph over their barbarous conquerors. Gentle readers might accuse us of chauvinism, while I give the 'freshers' the somewhat rude epithet of 'barbarians.' But how can they expect me to be untrue to myself? I see no harm in calling a spade a spade. Such of us as have closely observed the 'freshers' trying to effect a breach in the Principal's office or reconnoitring the neighbouring fortresses in quest of admission will

Committee for this purpose, all subscriptions being forwarded to the Imperial Relief Fund.

A representative Committee of Trustees, members of the Staff and students was formed.

The following subscriptions were announced on the spot:—Trustees, Rs. 895; Staff, Rs. 460; students, Rs. 1,550; College Club, Rs. 100; total Rs. 3,005; monthly subscriptions of Rs. 73 per month were also promised. Ladies resident in the College have given 10 bags of clothing for 10 wounded soldiers. The Trustees have already subscribed, through the various local funds, Rs. 17,415 and Nawab Mozam-ullah Khan, officiating Honorary Secretary, Rs. 250; total about Rs. 20,000.

THE INVASION OF ALIGARH.

[In case any of our readers should be too seriously minded and so inclined to misunderstand our contributor's remarks, we would assure them that this article is of a gently humorous nature, and is by way of a friendly welcome. ED.]

The invaders of our little realm are neither German barbarians nor Russian hordes. They are people of our own faith, country and community. Their invasion has always been regular and uninterrupted and instead of any devastation it brings in every year a contingent of worthy citizens. In other words their invasion is a blessing. In spite of the great amount of inconvenience which the annual raid of the "freshers" occasions us it cannot be gainsaid that if these raids are effectively checked the present war strength of the College will ultimately break down. It must appear not a little amazing that instead of repelling the invasion we extend a hearty welcome to our numerous invaders.

Our very hearty congratulations are due to Mr. Mohamed Elyas Burney, who stood first in the M.A. Examination in Economics this year, on his securing a Hyderabad state scholarship for the advanced study of Economics in Europe. It is unfortunate that, owing to the outbreak of war, he has been unable to take advantage of this scholarship at present, but we hope that with the return of peace he will be able to do so.

* * * * *

The good wishes which were expressed some six months ago have been fulfilled, and Mr. and Mrs. Towle have returned to Aligarh in excellent health, to the great satisfaction of everyone.

* * * * *

Mr. Auchterlonie has also returned from leave, after an interesting and in some ways exciting voyage.

* * * * *

We offer a very cordial welcome to the new members of the staff: Messrs. C. E. Storey, H. Krall, and F. Rahman.

IMPERIAL RELIEF FUND: ALIGARH BRANCH.

A very crowded meeting of the Trustees, Staff and students of the M. A.-O. College was held at Aligarh on the 4th instant, at which the following resolutions were unanimously carried :—

(1) That this meeting of the Trustees Staff "Old Boys," friends and students of the M. A.-O. College, Aligarh, wishes to record its loyalty to the Government and its sympathy with the sick, the wounded and the suffering dependents of the Indian Army.

(2) That this meeting desires to raise subscriptions for the relief of such sufferers and resolves to form a

The Aligarh Monthly.

Vol. XII. | September & October 1914. | Nos. 9—10.

EDITORIAL.

We make no apology for the late appearance of this number, since it is but the corollary to the said fate of the last one, which had to be distributed to most of its subscribers after instead of before the long vacation. Certain changes had been introduced into the arrangements for producing the Urdu section, with a view to securing further culinary assistance, and though we trust that the quality of the mental meal provided did not suffer the proverbial deterioration, we cannot deny that the commencement of the feast was delayed, a fact which we regret as much as any of our readers. Once more, constitutional progress has "outrun administrative order." This is a world—alas!—in which everything—even progress—has its price. We did not feel that we could with a clear conscience submit the minds of our readers to the strain of perusing two numbers of the "Aligarh Monthly" in rapid succession, and so our present issue has attained quite a respectable age before "coming out."

NOTES AND NEWS.

It is with very sincere regret that we have to record the death of Mr. Syed Husain, B.A. (Aligarh), which took place on the 17th of October 1914 at 9 A.M. He was seized with typhoid fever which lasted for eleven days and ended fatally. The late Mr. Syed Husain was working in the school as a teacher and was one of the most popular members of the staff.

[REGISTERED No. A-234.]

THE ALIGARH MONTHLY.

VOL. XII. Nos. 9—10. } Sept. & Oct. 1914. { Annual Subscription Rs. 4, Post Free. Single Copy; As. 6.

No. CONTENTS. PAGE.

[For contents of Urdu section, see back cover.]

Allahabad:

Printed by Bishambher Nath Bhargava, at the Standard Press.

Publisher:—D. Reynell, Professor, M. A.-O. College, Aligarh.

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۳۴

علیگڈھ منتھلی

نمبر ۷ و ۸ جلد ۱۲	بابت ماہ جولائی و اگست ۱۹۱۴ء	قیمت سالانہ للعہ محصولڈاک قیمت فی رسالہ مرادی ۶

مقام اشاعت مدرستہ العلوم علیگڈھ

فہرست مضامین حصہ اردو

پبلشر- مسٹر ڈی- رینل- پروفیسر مدرستہ العلوم علیگڈھ

اسسٹنٹ اڈیٹر قاضی جلال الدین صاحب لیکچرر مدرستہ العلوم علیگڈھ

باہتمام بابو شمبھو ناتھ صاحب بھارگو

در اسٹینڈرڈ پریس الہ آباد طبع شد

شرح چھپائی اشتہارات حصّہ اُردو

ایک صفحہ	واسطے ایک سال کے	۲۴ روپیہ
"	واسطے نصف سال کے	۱۲ روپیہ
"	واسطے تین ماہ کے	۷ روپیہ
"	واسطے ایک ماہ کے	۲ روپیہ ۸ آنہ

نصف صفحہ کے لئے مذکورہ بالا شرح کا نصف لیا جاوے گا اور نصف صفحہ سے کم ہونے کی صورت مین بھی نصف صفحہ کی اُجرت لیجائیگی اُجرت ہمیشہ پیشگی وصول ہوگی۔

ڈی۔ بیل۔ پروفیسر و منیجر

علیگڈھ منتھلی مدرستہ العلوم علیگڈھ

علیگڈہ منتھلی

نمبر ۷ و ۸ جلد ۱۲	بابت ماہ جولائی و اگست سنہ ۱۹۱۴ع	قیمت سالانہ للعہ معہ محصولڈاک قیمت فی رسالہ مرادی ۶ر

اردو شاعری پر ایک اجمالی نظر نمبر ۱

(یہ مضمون انجمن اردو مدرستہ العلوم علیگڈھ کے ایک جلسہ مین پڑھا گیا)

قبل اسکے کہ کسی زبان کی تربیت ہو چکی ہو، اس سے پہلے کہ بڑے بڑے اساتذہ اور حکما پیدا ہو چکے ہون۔ شعرا نے ہر زبان کے عالم پر قبضہ کر لیا۔ وہ ایسا قبضہ ہے جسے زمانہ کی زلزلہ انگیز روش ہلا نہ سکی۔ اسلئے کہ اس کی بنا انسانی جذبات پر قائم کی گئی تھی۔ شاعری انسان کے لطیف جذبات کی لطافت آمیز تصویر کا نام ہے۔ وہ ایک رشتہ ہے جو جذبات انسانی کے موتیون کو گوندھے ہوئے رہتا ہے۔ ہر وہ انسان معیار انسانیت سے گرا ہوا ہے جو شاعری کے پاکیزہ خیالات سے متاثر نہ ہو سکتا ہو یہ نمایان امر ہے کہ ہر زبان کے شاعری کے عناصر اوس زبان کے گرد و پیش کے حالات سے بنتے ہین

ملکی خصوصیات قومی روایات طریق تمدن طرز معاشرت بھی وہ اجزا ہین جنسے شاعری کا مرکب طیار ہوتا ہے۔ عرب کے ریگستان مین سوا اونٹ کے اور کیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ خیالات کے عالم مین اوسے اونچی جگہ دی گئی۔ معشوق کے خط وخال کے تشبیہ کے لئے بھی اونٹ کے خط وخال کی تلاش ہوئی۔ ایک عربی کا مشہور شاعر اپنے اور محبوب کے باہمی خوشگوار تعلقات کے ثبوت مین یہ کہنا بہت کافی سمجھتا ہے کہ میرے اور اوسکے اونٹ ساتھ ساتھ باندھے جاتے ہین ایسا ہونا ممکن نہ تھا جب نگاہوں کے سامنے کوئی چیز ہر لمحہ رہتی ہے خیالات کا عنصر بنجاتی ہے نظرین کوتاہ ہو جاتی ہین تمام استعارات وتشبیہات اوسی چیز سے لینا پڑتے ہین فارس کے ایک حکمران شاعر نے تقدیر کو سونے کی کشتی سے تشبیہ دیکر یہ دکھلایا تھا کہ انسان تخیلات وتوہمات کا تاج دئے ہوے اوس کشتی پر بیٹھا ہے مگر محفوظ نہین اوس کے دربار کے تمام شعرا مان گئے کہ بیشک یہ شاہی تشبیہ ہے جسے معمولی دماغ خیال نہین کر سکتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہ صرف قومیت بلکہ شخصیت کا بھی اثر شاعری کو متاثر کر دیتا ہے۔

اسی طرح فارسی شاعری کو دیکھئے۔ فارسی کی قدرتی نیرنگیان بوے گل اور نغمہ بلبل سے بھری ہوئی تھین نتیجہ شاعری پر یہ پڑا کہ تمام خیالات انھین نیرنگیون سے رنگ گئے معشوق ایسے انمول چیز کو جڑی بوٹیون سے تشبیہ دی گئی پر نور آنکھین نرگس سمجھی گئین خلاصہ یہ کہ فارسی شاعری ایک محدود دائرے سے آگے نہ بڑھ سکی۔

یہ دو زبانین چونکہ ہم سے زیادہ مانوس ہین اسلئے انکو مثالاً پیش کیا گیا حالانکہ کوئی زبان ایسی نہین جسکی شاعری قومیت اور ملکیت کے رنگ مین نہ رنگی ہو۔

صرف یہی نہین کہ ایک زبان کی شاعری دوسرے زبان کی شاعری سے مختلف ہو بلکہ ایک ہی زبان کے مختلف زمانون کی شاعری کو دیکھئے آسمان وزمین کا فرق معلوم ہوگا۔ تغیر معاشرت کے ساتھ ہی ساتھ تغیر خیالات ہوتا گیا جسکا عکس شاعری مین جھلکنے لگا۔ خود ایران مین دیکھئے جہان سے اُردو شاعری آئی ہے۔ شاعری کے ابتدا مین جو رودکی کے ہاتھون تیسری صدی ہجری کے آخر مین ہوئی تھی تمام استعارات وتشبیہات عالم بزم سے لئے جاتے تھے۔ سرو قمری سوسن وشمشاد

عالم تخیل کے بسنے والے تھے یہ حالت ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک رہی اوسکے بعد جیسے ہی جنگ و جدل ایران مین شروع ہوئی مدعیان حکمرانی نے اپنے دعوی کو عملی صورت دینا چاہا جس سے جنگ کا عنصر سارے ملک مین غالب ہوگیا۔ خیالات نے پلٹا کھایا گل و بلبل خیالات سے دور ہوتے گئے خنجر و پیکان سے سابقہ پڑا۔ اوس کے ساتھ ہی شاعری نے پلٹا کھایا۔ یہ فارسی کی تاریخ شاعری سے نمایان ہے کہ جنگ کے بعد تمام استعارات عالم رزم سے لئے جانے لگے۔ مژگان یار کو نوک سنان سے تشبیہہ دی جانے لگی چشم محبوب کو کٹارے سے مشابہ کیا گیا۔ نظر کو خنجر کا خطاب ملا۔

اسی طرح اُردو شاعری مین بھی مختلف اوقات مین تغیرات ہوتے گئے۔ **ولی** دکنی نے جب اُردو کی شاعری کی بنیاد رکھی تو فارسی کے تمام استعارات فارسی کے طرز ادا لفظ بلفظ اُردو شاعری مین لائی گئی اور کیسے نہ لائی جاتی جب کہ خود اُردو کی بنیاد ہی فارسی زبان پر تھی۔ جب تک اُردو شاعری شاہان اودھ کے رنگیلے عہد مین رہی بادہ و صہبا کے خمار سے نہ چونکی **ولی** سے لیکر شاہان اودھ کے آخری تاجدار تک جو بذات خود اچھا خاصا شاعر تھا شاعری کو وصل و ہجر کے پردرد افسانون کا نام سمجھا گیا۔ بالآخر انیسوین صدی کے آخری حصہ مین شعراء چونکنے لگے مگر بادہ الست کا خمار کہان تک جاتا **امیر و داغ** جنھین عالم سخن کے آخری حکمران و وزیر کہتے ہین پرانے رنگ سے زیادہ نہ ہٹ سکے اون کی شاعری اوسی خمار آمیز نیند کا خمیازہ ہے۔ اسکے بعد **حالی** نے رنگ بدلنا شروع کیا۔ یہانتک کہ ڈاکٹر **اقبال** نے پورے انقلاب کے آثار پیدا کردئے ہین جو غالباً اُردو شاعری کے حق مین بہت مفید ہونگے بشرطیکہ مجموعی طور سے شاعری اوس طرف متوجہ ہوگئی۔ انفرادی کوششین اکیلی کہانتک کامیاب ہونگی جبتک کہ اون کا ساتھ نہ دیا جاسے۔

تاہم یہ امر قابل افسوس ہے کہ اُردو شاعری بالکل غلط راستہ پر چلی اتنا زمانہ ہوگیا مگر نہ سنبھل سکی اوس پر طرہ یہ کہ بدلتے بدلتے ایک زمانہ گذر جائیگا جب کہین نئے راستے پر آسکیگی۔ دوسرے متمدن اور مکمل زبانون کی شاعری دو ڈھائی صدیون کے اندر معلوم نہین کہان سے کہان پہونچ جاتی ہے

مگر اُردو شاعری کا یہ حال ہے کہ ابھی تک شعرا اُسی پرانے باغ مین کھڑے گل و بلبل کے فسانے گا رہے ہین اتنے دیوان آج موجود ہین مگر سواے چند شعرا کے اور بھی کوئی ہمیری سخن کا بجا طور سے مدعی ہو سکتا ہے ان نقائص کی وجہ یہ ہے کہ اُردو کی شاعری خود مختار کبھی نہین رہی پیدا ہوئی تو فارسی شاعری کی دایہ نے پالا جب بڑھی تو اوسی دایہ کی تربیت پورے طور سے فطرت مین شامل ہو چکی تھی اگر کوئی انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے جو خیال ارباب زبان کو ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آیا یہ نئی طرز ادا فارسی کے طرز ادا سے ٹی ہوئی تو نہین ہے آیا یہ استعارات پرانے شعرا نے باندھے ہین یا نہین آیا یہ محاورہ جرأت و انشا لائے ہین یا نہین یہی کہنہ خیالی اور کوتاہ نظری بڑھتے ہوے خیالات کو روکتی ہے۔ اُردو مین شاعری کا عنصر اعلےٰ صرف زبان سمجھی گئی ہے۔ مضمون آفرینی چاہے کچھ بھی نہ ہو مگر روزمرہ بچنے پاے۔ ہم دکھلائینگے کہ اُردو کی ادبی حیثیت پر اس غلط اور محدود شاعری کا کیا اثر پڑا اُردو عہد شاہجہانی مین پیدا ہوئی اور شعرا کے گود مین پالی گئی اس سے پہلے حضرت امیر خسرو فارسی کے مقبول شاعر جو عہد مغلیہ سے پہلے گذرے ہین مخلوط اشعار کہا کرتے تھے یعنی ہندی فارسی ملا کر خیالات کا اظہار کیا کرتے تھے مگر ولی نے اُردو شاعری کی علحدہ بنیاد رکھی۔ اس پہلے شاعر کا شعر ہے۔

جسے عشق کا تیر کاری لگے ہے — اوسے زندگی جگ مین بھاری لگے ہے

اس شعر سے ایک نکتہ سنج دماغ یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ نہ صرف زبان مین بلکہ خیالات مین ایسی سادگی ہے جس سے یہ پتا چل سکتا ہے کہ یہ شعر اوسوقت کہا گیا تھا جب اُردو اپنے بچپنے کے گہوارے مین کھیل رہی تھی۔ جون جون زمانہ گذرتا گیا اُردو شاعری مین فارسی شاعری کا رنگ پورے طور سے آتا گیا کوئی زبان گرد و پیش کے حالات سے متاثر ہوے بغیر نہین رہسکتی نہ کہ شاعری جس سے زیادہ اثر پذیر ادب کی کوئی شاخ نہین اوسکی بنا فارسی شاعری پر رکھی گئی۔ زبان کی ابتدا فارسی بولنے والونکے عہد مین ہوئی شاہان مغلیہ کے پہلے جتنے حکمران خاندان ہندوستان مین گذرے سب کی زبان فارسی تھی خلاصہ یہ کہ کئی صدیون سے فارسی زبان کے ذرات ہندوستانی فضا مین چمک رہے تھے نثر فارسی مین تھی نظم فارسی مین تھی سلطنت کا نظم و نسق فارسی مین تھا ایران کے اکثر شعرا سے

شاہان مغلیہ کے تعلقات مربیانہ تھے ظہوری و کلیم مغلیہ دربار کے مشہور شاعر تھے نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی شاعری کے تمام خصوصیات اُردو مین لے لی گئین تھے کہ یہ کہنا بیجا نہوگا کہ اُردو شاعری فارسی شاعری کا ترجمہ ہے

اسی کورانہ تقلید نے اُردو شاعری کو تباہ کر ڈالا۔ جو مضمون **ولی** نے باندھا تھا وہ آج **ریاض و جلیل** باندھتے ہین شراب وہی ہے شیشے مین تھوڑا سا فرق ہو گیا ہے۔ اتنے تجربہ کے بعد بھی اگر اُردو شعرا شاعری کے مفہوم کو نہ سمجھین تو کیسی زبان اور کیسا ادب۔ بیسوین صدی مین بھی حضرت **ریاض** باوجود اسکے کہ زمانہ کی سکھائی ہوئی تہذیب نے بالی اور بجلیون سے لفظاً تنفر پیدا کرا دیا ہے یہ شعر فرماتے ہین۔ جو گونج او لجھی بالی کی جھنجھلا کے بولے ؎ لگے پیار کو آگ ابھی کان جاتا۔

سوا چند اساتذہ فن کے اور شعرا بھی کیا ایسے پیدا ہوے جنکا کلام ادب اُردو کے لئے باعث ناز ہو؟

ہر ایک شے کی منزلت قدر کرنیوالون پر مبنی ہوتی ہے جس زبان کو دیکھئے یہ پتا چل جائیگا کہ آیا شاعری اعتدال کی حد سے بڑھ گئی اسلئے ادب کو نقصان پھونچا یا یا اعتدال قائم رہا جسکے باعث ادبی حیثیت کو فائدہ پہونچا۔

شاعری جرمن زبان مین گئی اہل زبان نے استقبال کیا مگر متانت کو لئے ہوے اونھین یہ خیال رہا کہ علاوہ شاعری کے ہمین اور بھی کچھ کرنا ہے اسلئے اپنی توجہ کو خرچ کرنے مین بہت محتاط ہے۔ **شیکسپیر** کے ڈرامون کی قدر جرمن سے زیادہ کہین نہین ہوئی۔ معلوم نہین کتنے نقاد پیدا ہوے مگر آپ دیکھ سکتے ہین کہ کس پہلو سے شاعری کو جانچا ہے شیکسپیر پر معلمانہ تنقید کی گئی جس سے خود علاوہ شاعری کے ایک خاص لٹریچر طیار ہو گیا۔

شاعری کو انگریزی زبان کی بزم مین **شیکسپیر** نے گلے سے لگایا مگر اتنے بیخود نہین ہوے کہ دنیا کو بھول جاتے شاعری کے آئینہ مین اوسنے انسانی جذبات کا عکس دکھلایا۔ اہل زبان نے علمی تقسیم عمل کا کام نہین چھوڑا اگر **شیکسپیر** و **مارلو** شاعری کرتے تھے تو ساتھ ہی **بیکن** فلسفہ کی عمارت کھڑی کر رہے تھے۔ ایک ہی وقت مین شاعر و نثار سائنس دان و فلاسفر منطقی و نجومی پیدا ہوتے تھے ٹینسن ورڈس ورتھ کے ساتھ ساتھ اسپنسر ڈل ہکسلے و نیوٹن عالم تصنیف و تحقیق مین

قدم رکھتے تھے۔ یہ نہین ہوا کہ سب شاعری پر ایسے محو ہو جائین کہ اور علوم کا دامن چھوٹ جائے علمیت کا ذخیرہ جاتا رہے اور صرف شاعری ہی شاعری ہاتھ لگے۔

(باقی آئندہ)

سجاد علی انصاری

جین گرے کا قتل نمبر ا

(ماخوذ از ٹاور آف لندن)

تمہید

ایڈورڈ ششم کے انتقال کے بعد لیڈی جین گرے جو بادشاہ کی قریبی رشتہ دار تھی انگلستان کے تخت و تاج کی وراثت قرار دی گئی۔ اگرچہ بادشاہ کی دو بہنین میری خونخوار۔ اور ایلیزبتھ موجود تہین لیکن بعض قابو یافتہ ارکینِ سلطنت نے بڑے اصرار کے بعد جین گرے کو عنانِ حکومت قبول کر لینے کے لئے آمادہ کیا۔ ان امرا کو خوف تھا کہ شاید ایڈورڈ کے مرنے کے بعد پروٹسٹنزم کی تحریک ترقی ہی نہ رک جائیگی بلکہ اسکے معتقدین کی جماعت کو سخت صدمہ پہونچیگا۔ اسلئے آنکے خیال مین جین گرے کا تخت نشین ہونا ازبس ضروری تھا چنانچہ جب وہ اپنی خواہش کے موافق اسکو تخت نشین کر چکے ہین تو یہین سے اس خوفناک کشمکش کا آغاز ہوتا ہے جسکی انتہا اسکے خویش و اقربا اور خود جین گرے کی زندگی کے خاتمہ کے ساتھ بھی نہ ہو سکی۔ بیکس و غریب جین گرے اگرچہ تخت و تاج کی ہرگز متمنی نہ تھی مگر اپنے شوہر اور خسر کے اصرار کے باعث مجبوراً تخت نشین ہونے پر رضامند ہوئی لیکن کیا۔ صرف دس روز سلطنت کرنے کے بعد گرفتار ہو گئی اور مع اپنے خاوند کے ملکہ میری کے حضور مین بطور قیدی کے پیش کی گئی۔

ظالم میری نے جین کو قتل کر دئے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ جو واقعات اس مظلوم۔ نیک سیرت

اور پاک طینت عورت پر گذرے انکی کچھ جھلک ذیل کے مضمون مین دکھائی گئی ہے۔ تاریخ دان اصحاب پر ظاہر ہے کہ انگلستان اور دیگر ممالک یورپ مین ایک عرصہ دراز تک مذہب عیسوی کے دو بڑے فرقہ کیتھولکس اور پروٹسٹنٹس ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتے رہے۔ اور اس دوران کشمکش مین وہ مظالم جو ملکہ میری کے زمانہ حکومت مین پروٹسٹنٹس پر ہوے تاریخ انگلستان مین اپنی ہولناک اور سفاکانہ حیثیت کے لحاظ سے اپنا نظیر نہین رکھتے۔

سین۔ ٹاڈر آف لنڈن کا ایک تنگ و تاریک حجرہ

(ملکہ جین گرے اور اوسکی سہیلی انجیلا)

آج ۱۲ار فروری ۱۵۵۴ء ہے۔ یہی وہ دن ہے جسکا جین عرصہ سے انتظار کر رہی تھی، کیونکہ وہ جانتی ہے کہ آج اسکی دنیاوی مصائب کا خاتمہ ہو جائیگا۔ آخر یہ دن آ ہی پہونچا۔ دن نکلنے سے پہلے جین نے رات کا بڑا حصہ خداے پاک کے آگے سر بسجود ہو کر عجز و نیاز مین گذارا۔ شاید ہی دو ایک گھنٹہ کے لئے آنکھ لگی ہو۔ وفا شعار اور حسین انجیلا، جو عرصہ سے جین کی رازدار سہیلی تھی، اس آڑے وقت مین بھی اپنے ملکہ کے ہمراہ ہے۔ جب رات بہت گذر گئی جین کی آنکھ دو ایک گھنٹہ کے لئے لگ گئی۔ مگر انجیلا آنیوالی خوفناک صبح سے اسدرجہ خائف تھی کہ نیند نہ آتی تھی اور نہ آئی۔ خاموش قیدخانہ کے ایک گوشہ مین دیوار سے لگ کر بیٹھ گئی۔ دیر تک بازوون سر پر رکھے زمین کیطرف ٹکٹکی لگائے غور و فکر مین غرق رہی۔ انجیلا کے دل و دماغ کی کچھ عجب کیفیت تھی۔ وہ سوچتی تھی، باربار خیال کرتی تھی، دہیان دوڑاتی تھی کہ شاید کوئی صورت ایسی سمجھ مین آجاے جس سے اسکی چہیتی ملکہ کی جان بچ سکے۔ لیکن کیا کرتی۔ مجبور تھی، دماغ و دل قابو سے باہر تھے۔ آخر بیچاری نے سر اٹھایا، ملکہ کے نورانی چہرہ پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالی، نظر نے حسرت ناک پیغام دل کو پہونچایا، انجیلا نے آہ بھری، آنکھوں مین آنسو ڈبڈبا آئے۔ مگر ضبط سے کام لیا۔ اسکے دل مین یہ خیال بار بار آتا تھا کہ اسکی مظلوم ملکہ کی آج کی نیند آخری نیند ہے۔ اور وہ خوفناک صبح نمودار ہونیوالی ہے جو اسکے خواب ہستی کی ہولناک تعبیر کا راز عنقریب کھولدیگی۔ اور

ملکہ جین عالم سفلی سے سدھار کر عالم بقا کی راہ لے گی۔

انجیلا (ایک سمت ہٹ کر اپنے دل سے)" آہ کیا معصوم صورت ہے! مظلوم ملکہ، تجھ پر جو ظلم ہوئے اور ہو رہے ہین، انکا عوض خدا ہی کے ہاتھ ہے۔

اسقدر کہنے کے بعد انجیلا کے دل مین پھر ایک تلاطم غم اٹھا۔ ملکہ کے قریب گئی، کچھ دیر اس کے چہرہ کو ٹکٹکی باندھکر دیکھا کی، اور پھر دل ہی دل مین کہنے لگی۔

"اللہ اللہ۔ کیا خواب ناز ہے! اے بیگناہ معصوم، عفت کی تصویر، تو دنیا سے جلد مٹ جانیوالی ہے۔ آہ میری مشتاق آنکھین تیرا حشر تک کس بے چینی سے انتظار کرینگی! اے پر نور شہاب تیری تجلی بس چند لمحہ کی اور ہے۔ مگر اس غمناک حالت مین بھی تیری شان کچھ کم دلفریب نہین۔ تیرے چہرہ پر عجیب نورانی تجلی ہے۔ تیرے لب اب بھی خدا کی تسبیح و تہلیل مین جنبش کر رہے ہین۔ ہان، ایسے ہی نیک سیرت انسانون کی حفاظت کے لئے خداوند عالم نیکی کے فرشتے مقرر کرتا ہے۔ مگر آہ بیکس ملکہ، وہ صبح جسکے خوف نے ایک مدت سے بدحواس بنا رکھا تھا آن پھونچی۔"

اسقدر کہنے کے بعد انجیلا دبے پاؤن ملکہ کے کوچ کے پاس جا پھونچی۔ آہستہ سے بازو کو چھوا ہی تھا کہ ملکہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔

ملکہ۔ "کون۔ انجیلا، کیا چار بج گئے"۔

انجیلا۔ "حضور ٹھیک پانچ بجے ہین۔ حضور معاف کرین کہ یہ میری عمر بھر مین پہلی غلطی ہے کہ مین نے سرکار عالیہ کی عدول حکمی کی۔ لیکن چونکہ حضور کو آج عرصہ کے بعد آرام نصیب ہوا تھا اور کچھ نیند سی بھی آگئی تھی۔ اسلئے جلد بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا"

ملکہ جین۔ "ہان انجیلا بیشک مجھے نیند آگئی تھی۔ اور ایسی حالت مین مجھپر ایک خاص مسرت کی حالت طاری ہوگئی۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ مین نے خواب مین دیکھا کہ بغیر کسی مزید تکلیف کے میری روح کو فرشتون کا ایک بڑا گروہ جو میری سولی کے گرد جمع تھا، آسمانی طبقات کیطرف لے گیا۔ جہان پہونچکر مین نے ہر چہار طرف ایک فرحت انگیز نغمہ سنا، اور وہ نغمہ یقیناً حیات جاودانی اور مسرت ابدی کا نغمہ تھا۔"

انجیلا "حضور اسمین کسکو شک ہو سکتا ہے کہ آپ کا مقام اس دنیائے فانی کے بعد فردوس بریں ہی مین ہوگا - جہان حضور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے پیارے شوہر سے جا ملینگی"

ملکہ جین " خدا تمہاری زبان مبارک کرے - لیکن انجیلا خواب کی حالت مین مین نے اپنے پیارے خاوند کو بہشت کے کونے کونے مین تلاش کیا - لیکن کہین پتہ نہ ملا "

انجیلا "پیاری ملکہ - گھبرائیے نہین - آپ انھین ضرور پا لینگی - اگر وہ خدا کی نگاہ مین اب بھی خطاوار ہین - تو آپکی دعائین انکی بخشش اور نجات کے لئے کافی ہونگی "

ملکہ جین " انجیلا - مین نے ہمیشہ خدا کے حضور مین اپنی ناچیز دعائین بصد عجز و انکسار پیش کین - تم بھی میرے شوہر کے لئے دعا کرو "

یہ کہتے ہی ملکہ جین ایک گوشہ کی طرف منہ پھیر لیتی ہے - خدا کیطرف متوجہ ہو کر دعا کے لئے اپنے ملائم نازک، برف سے صاف و سفید ہاتھ بلند کرتی ہے - اثنائے دعا مین گھنٹہ نے سات بجائے - ملکہ دعا کو ختم کرتی ہے اور انجیلا کو اشارہ کرتی ہے کہ دن مین پہننے کا لباس حاضر کرے - انجیلا فوراً حکم بجا لائی - ملکہ نے سیاہ مخملی لباس زیب تن کیا اور کسی قسم کے زیور اسوقت پہننا گوارا نہ کیا - اس صراحی دار نازک گردن پر افسوس اس گردن پر جو عنقریب جسم سے جدا ہونیوالی تھی، ایک معمولی سفید کالر لگانا پسند کیا - انجیلا نے چاہا کہ گیسو و زلفین درست کر دے مگر جین گرے نے سر جھٹک کر کہا " انجیلا - میری آرزو تھی کہ مین اپنا بہترین لباس اسوقت پہنتی اور اس جسم کو جس سے مین عنقریب جدا ہو جاونگی - ایک بار پھر دل کھولکر زینت دیتی - مگر نہین جانے دو - مین صبر و قناعت کو ترجیح دیتی ہون - میرے لئے اس پر آشوب زمانہ اور روحمت کے لحاظ سے سیاہ لباس ہی موزون ہے "

وفا شعار انجیلا کو یہ اندوہ ناک کلمات سنکر ضبط کا یارا نہ رہا - انجیلا کی آنکھون سے آنسوؤں کا دریا جاری ہو گیا - ملکہ نے یہ حال دیکھکر اُسکو فوراً گلے لگایا اور کہنے لگی " پیاری وفادار انجیلا - یہ نہ سمجھ کہ آج میں یہ سیاہ لباس جبراً و قہراً پہن رہی ہون - نہین انجیلا، جسقدر خوشی مجھے آج کے دن ہے، یقین مانو کہ شادی اور تاجپوشی کے دن اسکی آدھی بھی نہ تھی "

انجیلا - نے روتے ہوئے جواب دیا - حضور اگرچہ آپ ابدی خوشی کیطرف جاتی ہین - مگر ہماری حالت قابل رحم ہے - آپ کی جدائی ہمین زندہ درگور بنائے دیتی ہے "

(باقی آئندہ)

شفاعت حسین

ہندوستان کو اپنی ترقی کے لئے کیا کرنا چاہیئے

دنیا مین جسقدر چیزین ہین وہ ایک خاص دائرہ کے اندر چلتی پھرتی ہین - اور وقت کی پابند ہین اسی قانون کے مطابق سورج اور ستارے تک گردش کرتے ہین - ایک زمانہ تھا **ہندوستان** کی دولت کا آفتاب نصف النہار پر تھا - لیکن تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ مغرب کیطرف بڑھتا چلا گیا - پہلے **ایران** مین اور پھر **شام** مین - اور پھر اُسکے آگے مغرب کیطرف بڑھ گیا **مصر** کے سر پر بھی جلوہ فگن رہا - **یونان** کے سر پر بھی چمکا - پھر **روم** مین اسکی شوخ اور چکیلی کرنین گرین - اسکے بعد **جرمنی** **فرانس** اور **ہسپانیہ** نے کچھ عرصہ تک اسکی زندگی کا لطف اُٹھایا - آخر مین اسی آفتاب دولت کی چکاچوند دینے والی شعاعین **انگلستان** کے حصہ مین آئین - اس سے آگے بڑھکر اسنے **امریکہ** کو دولت سے مالامال کیا - **ممالک متحدہ** مین بھی یہ مشرق کیجانب سے نمودار ہوا - اور **کلیفورنیا** تک چمک دمک دکھاتا ہوا چلا گیا - جب **ہندوستان** مین روز روشن تھا - تو **امریکہ** کو کوئی جانتا بھی نہ تھا - لیکن اب جبکہ **امریکہ** مین دن چڑھا ہوا ہے - تو **ہندوستان** کے سر پر افلاس کی رات کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے لیکن شکر ہے کہ اب وہی سورج **بحر الکاہل** سے گذر کر **جاپان** تک آگیا ہے اور وہان آج کل دولت کی روشنی کا دور دورہ ہے - اسنے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے - اور اسکی شعاعین **تک** پہونچ گئی ہین - اور وہان جمہوری سلطنت قائم ہو گئی ہے - اگر **نظام قدرت** کا دورہ درست ہے اور قانون قدرت پر ہمکو اعتبار ہے - تو یقیناً وہ دن جلد آنیوالا ہے کہ وہی آفتاب دولت و حشمت اپنا دورہ ختم کر کے پھر ایکبار **ہندوستان** پر دوگنی روشنی کے ساتھ جلوہ فگن ہوگا - **ہندوستان**

عرصہ دراز تک سوتا رہا ہے اور خوب سو چکا ہے۔ اب گہری نیند سے جاگا ہے قسمت سے زمانہ اچھا ملا ہے۔ حالات بدل گئے ہین۔ اب ہمکو یورپین سائینس دانون اور کاریگرون کا مقابلہ کرنا ہے۔ اگر ہم دنیا کی مہذب قومون مین آسائش عزت اور آرام کے ساتھہ رہنا چاہتے ہین تو ہم اسنے علحدہ نہین رہ سکتے۔ بڑی بڑی کتابون کو پڑھکر یہ فخر کرنا کہ ہم بھی تعلیم یافتہ ہین۔ فضول ہے۔ جو تعلیم عمل مین نہ آئے۔ وہ تعلیم ہی کیا ہے۔ تعلیم حاصل کرنے سے ہمارا یہ مقصد ہونا چاہیئے۔ کہ ہم اپنے ملک کی بہبودی کے وسائل پر غور کرین۔ ہندوستان کی ترقی کے مسئلہ مین سب سے اہم مسئلہ تعلیمی ہے۔

ہندوستان کے معاملات پر غور کرنے والا کوئی شخص بھی اسکو محسوس کئے بغیر نہین رہ سکتا۔ کہ ملک مین ابتدائی اور صنعتی تعلیم کی مانگ ہے۔ اور یہ تعلیم ہی ایک ایسا علاج ہے جس سے ملک کی تمام برائیون۔ جہالتون اور تکلیفون کو دور کیا جاسکتا ہے۔ جب تک ہم مین اعلی تعلیم نہ ہوگی ہم گورنمنٹ و نیز اغیار کی نگاہون مین وقار کے ساتھہ نہین دیکھے جاسکتے۔ اور اعلی تعلیم اسوقت تک حاصل نہین ہوسکتی ہے۔ جب تک ابتدائی تعلیم جبری نہ کردی جاوے۔ جب ہم ابتدائی تعلیم حاصل کرلینگے تو ہم اس قابل ہوجائینگے کہ اپنی اعلی تعلیم کا خیال کرسکین۔ جب تک ہم تعلیم یافتہ نہ ہوجائینگے نہ تو ہماری صدائے احتیاج زوردار ہوگی اور نہ ہمکو ہمارے حقوق ملینگے۔ یہ مناسب نہین کہ تعلیم کا تمام بار گورنمنٹ کے اوپر ڈالدیا جائے۔ بلکہ ملک ہند کے لائق فرزندون کو بھی اسمین حصہ لینا چاہیئے۔

خوشی کی بات ہے کہ حضور شہنشاہ ہند کی تشریف آوری ہند سے ہمارے ملک کی تاریخ مین قابل ذکر واقعات کا اضافہ ہوا ہے۔ شہنشاہ ممدوح نے اپنی تقریر مین رعایائے ہند کے ساتھ ہمدردی کا اظہار فرمایا ہے۔ اور حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ رعایا مین تعلیم پھیلانے کی کام کو زیادہ مستعدی کے ساتھہ کرے۔ اس شہنشاہی تقریر کے بعد واقعی حکام نے ابتدائی تعلیم کیطرف زیادہ توجہ شروع کردی ہے جسکے ہم معترف ہین۔ لیکن اشاعت تعلیم کے متعلق ہندوستانی حکام کی کوششین کافی وسیع نہین۔ ابتدائی تعلیم کو مفت اور لازمی کرنیکے متعلق گورنمنٹ ہند جن پولیٹیکل اندیشون مین مبتلا ہے۔ وہ سب فرضی اور بے بنیاد ہین۔ ہمارے سامنے بڑودہ کی مثال موجود ہے۔ اور اسکی تقلید میسور اور ٹرانکور

نے بھی کی ہے۔ اسلئے گورنمنٹ ہند کو بھی چاہیئے کہ تعلیم جبری اور مفت کردے۔ ہندوستان کی ترقی کا دارو مدار صرف اسی تعلیم پر ہے۔ ہم جانتے ہین کہ **انگلستان** پہلے ہمہ تن تعلیم مین مشغول ہوا۔ اور اسنے اسی تعلیم ہی کی بدولت ہر ایک شعبہ مین ترقی کی۔ اور اج اسی تعلیم کی بدولت برطانیہ اسقدر مفخر و ممتاز ہے۔ ہم بغیر تعلیم کے دنیا کی قومون مین سرخرو نہین ہو سکتے۔ ابتدائی تعلیم کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ مادری زبان مین دیجاوے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مختلف کالج کھولے جائین۔ اور انمین صنعت و حرفت کی تعلیم ہو۔ کیونکہ جب تک کہ **ہندوستان** اپنی ضروریات کے لئے دوسرونکا دست نگر رہیگا وہ کبھی دولتمند نہین ہو سکتا۔ ہندوستان سے دوسرے ملکونکو چیزین جاتی ہین۔ اور وہان سے بنکر پھر ہندوستان واپس آتی ہین۔ اور اس طرح ہندوستان کا کروڑون روپیہ کا نقصان ہر سال ہوتا ہے اگر یہ چیزین **ہندوستان** ہی مین بنائی جائین۔ تو نہ بہت سا روپیہ باہر جانے سے بچیگا۔ بلکہ ہندوستان کے ان لوگونکے لئے جو بیکار پھرا کرتے ہین ایک ذریعہ معاش مل جائیگا اور اس طرح پر ہندوستان کی مفلسی دور ہو جائیگی۔ یہ ضروری ہے کہ ابتدا مین ہم یورپ کے مقابلہ کی چیزین بنانے مین قاصر رہینگے۔ مگر رفتہ رفتہ یہ دقت بھی دور ہو جائیگی۔ ہندوستانیونکو چاہیئے کہ تھوڑی سی تکلیف برداشت کرکے اپنے ہی ملک کی چیزونکا استعمال کرین۔ یہ کہنا کہ پہلے دیسی اشیا تیار کیجائین پھر ہم انکو استعمال کرینگے بالکل مہمل ہے۔ ہمکو اپنی تعلیم کے ساتھ تعلیم مستورات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔

کوئی قومی تعلیم مکمل نہین ہو سکتی۔ تاوقتیکہ اسمین مستورات کی تعلیم کے متعلق طریقہ ہائے جدیدہ پر ترقی پذیر انتظام نہ کیا گیا ہو۔ ان طریقہ ہائے تعلیم کو جو مغربی تہذیب کے ساتھ منسوب ہین۔ کلیتہً اختیار کرلینا عقلمندی کی دلیل نہین۔ باشندگان مشرق کا رسم و رواج اور خیالات کا رجحان جداگانہ ہے۔ ایشیا اور یورپ کے طریقہ ہائے تربیت کو صحت بخش طریقہ پر ترتیب دیکر ہمکو اپنے واسطے ایک نیا طریقہ تربیت مقرر کرنا ہوگا ہندوستان مین زمانہ کی رفتار نے ہمکو ترقی کے ایک ایسے مرحلہ پر پہونچا دیا ہے۔ کہ جسپر پہونچکر سوائے ایک نہایت ہی متعصب ملا کے کہ کوئی شخص انکار نہین کرسکتا کہ ہماری مستورات مین صحیح طریقہ پر اشاعت تعلیم کی ایک باقاعدہ اور مستقل تجویز کی اشد ضرورت ہے۔ (باقی آئندہ)

نظم مرسلہ مسٹر محمد ایوب علیخانصاحب از کیمبرج کالج فن زراعت معرفت مسٹر ولایت علیخانصاحب نورتھ ایر بی-ایس سی علیگڈہ

یارب یہ تمنا ہے میں لعل بدخشاں ہوں - چمکاؤں میں عالم کو وہ مہر درخشاں ہوں
تو مجھسے ہو خوش ہر دم بندہ ترا کہلاؤں - دنیا میں نمونہ ہوں عقبے میں بھی فرحاں ہوں
آرام میرے دم سے دنیا کو ہر ایک دم ہو - ہر زخم کا مرہم ہوں سر درد کا درماں ہوں
اس مجلس دنیا میں میں زینت محفل ہوں - اور جہل کی تاریکی میں شمع شبستاں ہوں
فرض اپنا بجالانے میں مجھکو تسلی ہو - دنیا کی بھلائی میں ہر آن میں کوشاں ہوں
کیوں طوطئے ہندی ہو ٹیگور[1] میں بنجاؤں - کافی ہے مجھے یہ ہی میں طفل دبستاں ہوں
مقصود جلانا ہے مردہ دل مسلم کو - اس بات میں ہوں ساعی کوشش میں میں حساں[2] ہوں
ایماں کی دے توفیق اسلام پہ رکھ قائم - محبوب کا شیدا کر جن کا میں ثنا خواں ہوں
ہے کنجپورہ[3] بستی جس جا کا میں بلبل ہوں - ایوب[4] کا ہوں ہمنام احمد کا ثنا خواں ہوں

---

[1] ٹیگور - بنگالی شاعر جسکا لوہا یورپ بھی مان گیا ہے اور حال ہی میں مختلف ممالک نے استاد وقت تسلیم کیا ہے +

[2] حسان - ایک بہت بڑے عربی شاعر گذرے ہیں غالباً اونہیں سے مراد ہے +

[3] کنجپورہ ضلع کرنال میں ایک ریاست ہے جہاں کہ لکھنے والے کا وطن ہے +

[4] ایوب - تخلص ہے +

ایم۔اے۔او کالج پولٹیکل سوسائٹی۔

انجمن مذکورالصدر کا ایک معمولی جلسہ بتاریخ ۲۳ رجون ۱۹۱۶ء بوقت شب ۹،۰ بجے گر یجوایٹس لان پر منعقد ہوا۔ حاضرین کی تعداد بہت امید افزا تھی۔ اور سب سے زیادہ قابل مسرت یہ امر ہے کہ نئے آنے والے اصحاب میں سے بھی کچھ صاحبان شریک جلسہ تھے جلسہ زیر صدارت جناب قاضی جلال الدین صاحب جلال صدر انجمن منعقد ہوا۔ برائے مشاعرہ مضمون "پھول" اور مصرعہ طرح "زبان تیغ بھی جاری صدائے مرحبا رکھے"۔ قرار پائے تھے۔ مصرعہ طرح پر مندرجہ ذیل اصحاب نے اپنی غزلیات سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔ جناب سید علی عباس صاحب اسیر۔ جناب بدر الحسن صاحب بدر۔ جناب محمد رضا صاحب رضا۔ جناب محمد مظفر صاحب مظفر۔ و خادم آسیم نے اپنی اپنی نظمیں پڑھیں آخر کار مشاعرہ ۲ ½ گھنٹہ کی پر لطف صحبت کے بعد بخیر و خوبی تمام ہوا۔ غزلیات و نظم حسب ذیل ہیں۔

مصرعہ طرح "زبان تیغ بھی جاری صدائے مرحبا رکھے"

غزل جناب سید غلام محی الدین صاحب آسیر نائب معتمد انجمن طالب علم کالج

ستم پر جو کمر باندھے ستم کو جو روا رکھے
تمھیں کہدو کوئی کیا اوس سے امید وفا رکھے

عجب کیا گر سزائے دار بھی معراج ہو او سکو
وصال یار کی جو آرزو بعد فنا رکھے

مثال طور جل کر خاک ہونا شرط اول ہے
اگر منظور ہو آنکھوں میں کوئی سرمہ سا رکھے

کہاں تک اضطراب دل پہ پرسش ہمسے جائز ہے
کرشمے حسن کے اندر ہیں کیا ہمنے چھپا رکھے

ہمیں کیا واسطہ دیر و حرم کی داستانوں سے
یہ قصے ہمنے سنا رسے اوسکے بلئے پڑا رکھے

آسیر اس قید غم سے جو رہائی پا نہیں سکتا
وہ آخر بے بسی کا نام کیوں صبر و غنا رکھے

غزل جناب سجاد علی صاحب انصاری آختر متعلم کالج

مری فریاد سننے کے لئے سر کو جھکا رکھے
فلک کچھ بھی تو آخر پاس آہِ نارسا رکھے

تری رفتار جب ہر وقت اک محشر بپا رکھے
تو زاہد کس طرح روز قیامت کو بھلا رکھے

مین چشم یار کا مے کش ہون رضوان سے کوئی کہدے
شراب ارغوانی آب کوثر میں ملا رکھے

محبت بس اوسی کو سرخرو رکھتی ہے عالم مین
جو اپنی آستیں کو چشم پرخون سے جدا رکھے

تغافل کیش نظرین یاہی میرے دل سے کہتی ہین
کوئی عہد وفا رکھے کوئی مشق جفا رکھے

نگاہِ خشمگین کے تیر کی لذت دوبالا ہے
یہی دل چاہتا ہے عمر بھر تمکو خفا رکھے

سُنا ہے شیخ بھی تو آج مے خانہ مین آئے ہین
آختر اب دختِ رز کی پارسائی کو خدا رکھے

غزل جناب شیخ فضل الرحمن صاحب قدوائی فہمی متعلم کالج

شرارت چشم خوبان سے لگاوٹ او حیا رکھے
ترا گھر غیر کا مسکن ہو تو اس کو روا رکھے

نہ پہونچی یار کے در تک تو اور امید کیا رکھے
کوئی پھر کیون دلِ محزون مین آہِ نارسا رکھے

تلاطم اشک کا ہو کشتی جانِ حزین ڈوبے
ڈسے گیسو کی ناگن۔ لاج گرداب بلا رکھے

ہیں مائل اشک باری پر۔ وہ آمادہ تبسم پر
بڑی پُر لطف سیر برق و باران ہے خدا رکھے

گھٹا چھائی ہے میکش جمع ہین ساقی کی آمد ہے
خدا ہی اس گھڑی بنت عنب کو پارسا رکھے

نہ نکلو گھر سے تم۔ چاہے جئے یا کوئی مر جائے
خود آرائی تمھین اس طرح پابند حنا رکھے

ہماری زندگی کچھ اور بڑھ جائیگی اے فہمی
گرفتار بلا یون ہی اگر زلف دوتا رکھے

غزل جناب سید ممتاز احمد صاحب شہا طالبعلم کالجیٹ اسکول

نگاہ ناز تیری جس کو لذت آشنا رکھے — وہ کافر ہے اگر دل میں خیال ماسوا رکھے
انھیں مایوسیوں سے بزم صورت آفریں دیکھی — ترے حسنِ غرور آموز کو اے بت خدا رکھے
ہمارا جذب ہے بے باکیوں کے واسطے رہبر — تجھے طرز ستم گو لاکھ پابند حیا رکھے
یہ کھنچنا ظاہری مانا۔ مگر پاس عدو کیوں ہو — وفا کس کام کی جو پردۂ جور و جفا رکھے
تغافل۔ التفات غیر۔ اور نا قدرئ الفت — تم ہی کہدو کہ کتنے کونسی کرنے اٹھا رکھے

شہا۔ جس دل میں نور لازوال روے احمدؐ ہے
پس از مردن بھی روحِ گفتن صل علیٰ رکھے

غزل جناب سید محمد مظفر صاحب طالب علم کالج

خیال خام ہے اوس سے جو امید وفا رکھے — زہے قسمت اگر وہ بے وفا مہر جفا رکھے
ہوائے سیر جنت مے کشوں کو کھینچ لائی ہے — کہو رضوان سے باغ خلد جو رو نسے سجا رکھے
دہن پتھر کا بھر دیتا ہے رازق اپنی قدرت سے — بلا سے چرخ گردش میں ہمیں جون آسیا رکھے

تری محشر خرامی اک قیامت سی قیامت ہے
ہزاروں فتنۂ محشر ہیں ٹھوکر سے لگا رکھے

غزل جناب بدر الحسن صاحب بدر جلالی متعلم کالج

زمیں پر ناز سے جب دو قدم وہ دلربا رکھے — بنا کر اور دو سورج فلک پھر نقش پا رکھے
نہیں ممکن ہے سیر عالم امکان آنکھوں سے — مگر ہاں جب کہ چشم دل حقیقت آشنا رکھے
خدا کی شان کف رنگیں میں جو رو نکو جگہ مل جائے — ہے قسمت اپنی اپنی بخت یہ وزد حنا رکھے

دکھائیں سخت جانی کا مزہ ہم تیغ قاتل کو
ذرا آئے تو میدان مین اگر کچھ حوصلا رکھے
بلا کی بدر ہمت ہے پڑے ہو اوس کے در پر جو
قیامت قد۔ کلام قہر۔ چشم فتنہ زا رکھے

ولہٗ نظم دیگر۔ بر مضمون "پھول"

در معنی فکر بستہ کھلا۔ ہویدا نیا حسن مضمون ہوا
دیا دل سے فکر و الم سب بھلا۔ حسین ایک پردہ سے باہر ہوا
صبا آئی گل سے اُلجھتی ہوئی۔ نزاکت سے دامن سمیٹے ہوے
گل و خار یکسان سمجھتی ہوئی۔ اوٹھایا اونھیں جو تھے لیٹے ہوے
یکایک کھلے بستہ از بار سب۔ کھلا طفل کمسن کا گویا دہن
ہوا نونہالون مین عیش و طرب۔ کہ جوبن ہے غنچہ نیہ گل پر پھبن
گلستان مین گل پر نظر پڑ گئی۔ ملا شاہد جو یا مقصود سے
نہ اوٹھی وہان سے۔ جمی۔ گڑ گئی۔ جدا کب ہوا عید معبود سے
رگ گل سے تار نظر وصل تھا۔ ملے گویا مدت کے بچھڑے ہوے
پریشان ورق سے جگر وصل تھا۔ نہ کیون ملتے ذرے تھے بکھرے ہوے
جگر مین چھپی دل مین اٹھی زر گل۔ دکھائے تماشائے مژگان دوست
مچا بلبلوں مین عجب شور و غل۔ ہمہ صورت و رنگ و بوئے اوست
کف شاخ پر دیکھا جو جام مل۔ تو مستی مین بلبل چہکنے لگے
عجب رنگ مے نے کھلایا ہے گل۔ تو زاہد کی نیت بہکنے لگی
غضب پتیون کا گلابی سا رنگ۔ عجب اُس پہ ہلکا سا عکس شفق
کیا سیم و زر کے خزانہ کو دنگ۔ ہوا چرخ خونبار کا چہرہ فق

کوئی چادر سرخ اوڑھے ہوے۔ کناری ہری جیسے چھٹے سے داغ
سرشام مخمور سوئے ہوے۔ لئے گرد اوسکے تھے لالہ چراغ
ہین یہ تہ بتہ اوسکے اوراق سرخ۔ تموج یہ یا بحر احمر ہوا
نہین۔ محل عشرت کے ہیں طاق سرخ۔ پئے سجدہ خم حسن کا سر ہوا
ستم ہلکی ہلکی وہ اندر کی زردی۔ لگے چار چاند اور دولت بڑھی
تو پھر عندلیبون مین شادی رچی۔ کہ مائیون کی وطن پہ شیرینی چڑھی
اے مسند نشین نہال غرور۔ جگر خستہ عشاق سے بے نیاز
سراپا ہے تو۔ غرق دریاے نور۔ نہان تیری رگ رگ مین الفت کا راز
تری سرخی لب سے ناز آفرین۔ اوڑا لعل رمان کے چہرہ کا رنگ
گھسی ہے عقیق یمن نے جبین ترے در پہ برسون ہی اے شوخ و شنگ
بنایا ہے بلبل کو دیوانہ کیون۔ تڑپ اور اُلجھن سکھائی اوسے
کیا آشیانہ سے بیگانہ کیون۔ یہ کیسی گلستان پڑھائی اوسے
ابھی بولنے کو تھا کچھ غنچہ لب۔ یکایک سموم ستم چل گئی
مٹا یا وہ سب آہ عیش و طرب۔ چڑھی تھی ابھی دھوپ پھر ڈھل گئی
مٹا آہ شیرازہ اوراق کا۔ ہوا بکھرے پتے اوڑا لے گئی۔
گئی صبح وقت آیا اشراق کا۔ نسیم صحراے جُل دے گئی
زمین پر نظر آیا وہ سرنگون۔ جو صہباے نخوت سے مخمور تھا
نہ دیکھا گیا گل کا حال زبون۔ سراسر وہ مٹی مین مستور تھا
نہ وہ خود پسندی۔ نہ رعنائی تھی۔ نہ بلبل سے الفت کا راز و نیاز
کفن خاک کا پھر صبا لائی تھی۔ پڑھین کر نین سورج کی بھر نماز
گلستان پہ طاری خموشی کا جوش کیے بدر گر کچھ مراقی ہے وہ

صدائے خروس و نہ بانگ سروش۔ فنا سب کو ہے صرف باقی ہے وہ ؂

اِن صاحبان کے علاوہ اور کسی صاحب نے اپنا کلام فصاحت التیام معتمد کو روانہ نہین کیا لہذا اشاعت سے معذوری ہے۔ قلت گنجائش کی وجہ سے خاکسار اپنی نظمین بھی نہ پیش کر سکا۔ انشاءاللہ اشاعت آیندہ مین تحریر کیجائینگی۔ فقط ؂

ایوب احمد آثم

معتمد اعزازی انجمن

(نوٹ۔ کالج کی ہر سوسائٹی سے اُمید رہتی ہے کہ مختصر رپورٹ اپنی اپنی سوسائٹیون کی اشاعت کے لئے بھیجین جو حسب گنجایش رسالہ ہذا نہایت خوشی سے چھاپی جاویگی۔ ایڈیٹر)

نظم جلالی

جو اسٹریچی ہال مین ۳۰ رجون ۱۹۱۴ء کو بتقریب عطاے خطاب "شمس العلما"
بجناب مولانا مولوی سید عباس حسین صاحب پروفیسر محمدن کالج
منجانب پروفیسر قاضی جلال الدین پڑھی گئی

کیا ہمایون وقت ہے پُر لطف چون عہدِ شباب — کیا مبارک روز ہے مسرور ہے ہر شیخ و شاب
کیا شبِ یلدا میں اپنی رہنمونی کے لئے — یک بیک آفاق عالم سے ہے نکلا آفتاب
ہان اسی باعث تو ہے اسبابِ عشرت کا ہجوم — میرے ایک مخدوم کو سرکار نے بخشا خطاب
مولوی عباس حسین آن قبلہ گاہ مومنین — اشرف و عالی گہر عالی نسب عالیجناب
کیا ہی اس پر نور چہرہ پر ہے زیبا و درست — نور فوق النور ماہ علم پر مہرِ خطاب
آپ کو اس عزت افزائی کی گو حاجت نہ تھی — تھے درخشان آپ پہلے بھی چو گوہر در خلاب
جب ہُمائے بخت سر پر سایہ افگن ہو گیا — آن بیٹھا فرق انور پر سعادت کا عقاب
آفتابِ علم گردانا انہیں سرکار نے — شکریہ سرکار کو انکو مبارک ہو خطاب
آسمان منزل سے کالج کی فلک بھی مانتا ہے — جسمین نورِ علم کے دو دو ہین روشن آفتاب
دل ہوا خواہون کے خندان آج ہین مانند گل — دشمنون کے قلب جل بھن کر ہوئے مثلِ کباب
وقت موزون اب دعا کا آن پہونچا ہے جلال — کامران مطلوب مین مقصود مین ہو کامیاب
تو محیطِ علم ہو موجین تیری جاری رہین — آبیارِ گلستان علم ہو مثلِ سحاب

THE PHILOSOPHICAL SOCIETY.

On the 6th of June 1914 an ordinary meeting of the society was held at the President's bungalow at 5 P.M. Mr. G. W. Ferguson was in the chair. Mr. Syed Hasan Burney read his ably written paper on the biography of 'Mr. Herbert Spencer.'

Then the President proceeded to explain some philosophical views of Spencer, which led to an interesting discussion upon the bearing of Spencer's metaphysics upon his ethics.

Another meeting of the society was held on the 13th of June 1914 at 8-15. P.M. at the President's bungalow. Mr. G. W. Ferguson occupied the chair. Mr. Abdul Kadir read his paper on 'The Greek Conception of Philosophy,' which was well written.

Then the President himself gave a consistent account of the evolution of Greek philosophy. Then the meeting came to a close.

JWALA PRASAD SINGAL,
Officiating Secretary.

Dated 15th June 1914.

PUBLICATIONS RECEIVED.

We beg to acknowledge with thanks the receipt of the following from the Department of Land Records and Agriculture, United Provinces of Agra and Oudh :—

Bulletin No. 31, Veterinary Series, Note on Glanders, by E. W. Oliver, Esq., M.R.C.V.S., F.Z.S., Superintendent, Civil Veterinary Department, United Provinces.

Our Contemporaries.—We have also to acknowledge, with thanks, the receipt of the following periodicals:—

For April :—*The Calcutta University Magazine.*
For March and April :—*The Students' Own Magazine.*
For May :—*The Madras Christian College Magazine, The Collegian.*
For June :—*The Central Hindu College Magazine, The Comrade, The Observer, The Madras Christian College Magazine.*

Dining Hall department. The members of the luggage and games committees would now be anxious to receive our thanks. We will not let them go without it. Their work is in no way less deserving of our thanks and praise than the food-committee. Nobody's luggage was lost or damaged, and as for games, there were plenty of them. Our description will be quite incomplete if we fail to mention the most interesting item of the Programme,—we mean the Jahl-e-murrakkab.

At its first meeting Professor Abul Qasim Irani presided and in the second the chair was graced by Mr. Abdus Samad, the famous orator and the questioner of the Union Hall. There were many humorous speeches, amongst which my Lord's speech deserves special mention. The Indian music must really be very thankful to this excursion for many a hoarse-throat tried its best to improve this fine art in the coarsest way. The Mashaira, too, was not without much interest. We then prepared for departure. A regiment was formed with my Lord as the leader and we marched to the station. In the way we were caught by a wind-storm which marred much of the interest. The train took us to Aligarh and Deputy Sahab departed from us at Hardwaganj. We have given a brief sketch of this very interesting function and now we close with our heartiest thanks to the members of the three committees, especially to Aga Mohammad Yakub, Secretary of the Society, Riaz-ur-Rahman, Secretary of the F. Committee, and Mr. Gohir, the General Secretary of the Excursion, and Deputy Nisar Husain Sahib, our chief host there. We congratulate the organisers on their success.

KHALIL-UR-RAHMAN,

II Year, Section B.

before. He took us to an adjacent bungalow where we all breakfasted. We, then, hurried to the boats; and after a pleasant boating of 3½ hours, which was attended by singing, etc., we arrived at Narora. All the time which we had on the way was at once so happy and beautiful that the pen can hardly depict it easily in all respects.

We reached there. For what we did and in what order we would invite the reader to peruse the Programme, which was published before; and we refrain from giving it here.

We played Hide-and-Seek, Water-polo, Blind-man's-buff, and many other childish games, Kabaddi, Football and Rugby were also played.

No stranger could have distinguished the professors from the students, but for seniority in age, for they mingled with us in all these functions as fellow-students.

This brotherly feeling among the teachers and the taught has been the chief distinctive feature of the institution, to which we have all the honour to belong. How many times did we take our bath is useless to tell. It was the summer season, and sweet and cool water of the Ganges was at our disposal. Under such circumstances we leave it for the reader to ascertain the number of the baths we took.

'My Lord's' speech in the course of the baths and the chorus deserve special mention.

We must now make some mention of the food management. Indeed, the numbers of the food-committee deserve our thanks. With not much money at their disposal they made excellent arrangements for food. The food we got, there, was very good both in quality and in quantity. We suppose the members of this committee would prove successful if they chose for themselves the

But, now, the students waited to get the fruits of their labours, the result of the examination was out after having totally taxed the patience of the examinees. Thanks to the leniency of the examiners, the majority was successful and there was joy all through the college. The able President of the "Junior Debating Society" (Professor Wilayat Ahmed Sahib), who is ever ready to promote the literary spirit in us, caught hold of the occasion and proposed to take an excursion to Rajgarh Narora.

Three committees were formed to make arrangements for food, luggage and games respectively. Everything was settled soon through the co-operation of the members of the respective committees and the Professor Sahib, too, spared no pains to make the proper arrangements.

About a hundred students took part in the excursion, and some twenty-five guests were invited amongst whom may be mentioned Professors Dr. Wali Mohamed Sahib; Akhtar Adil Sahib; Fakhr-ud-din Sahib; Irani Abul Qasim Sahib; Jalal-ud-din Sahib.

We luckily got a holiday on Saturday owing to the success achieved by our hockey team in Bengal, and thus we had two days at our disposal.

At last the day for which we were all anxiously waiting arrived; and it was notified that we had permission to go on the excursion. We were filled with joy at this news.

We started from our rooms at 3 P.M. for the Railway Station. After half an hour the train arrived and took us to Rajgarh where we arrived at about 7 P.M.

In the way we received Nisar Husain Sahib, Deputy Collector of the Canal Department at Hardowaganj, who accompanied us. At Rajgarh we were received by Professor Wilayet Ahmed Sahib, who, along with some members of the food committee, had gone a day

Five Debates and one business meeting have been held up to this time.

We organised a general excursion of the society to the Narora Falls.

AGHA MOHAMMAD YAQUB,
Honorary Secretary.

MINISTRY FOR 1914.

1.	Wilayat Ahmed, Esq., M.A.	...	President.
2.	Syed Khairat Ali	...	Vice-President.
3.	Agha Mohammad Yakub	...	Honorary Secretary.
4.	Riaz-ur-Rahman	...	Joint Secretary.

CABINET.

1. Izhar Ahmed Faruqi.
2. Ali Akhtar.
3. G. A. Qadir Bhoy.
4. Mohammad Husain.
5. Ashfaq Ali.
6. Wali Mohammad Gohair.
7. Sh. Abdul Majid.
8. Mazhar-ul-Islam.
9. Saeed Umar.
10. Ali Ahmed Khan.

THE EXCURSION.

The month of February has a peculiar significance in the college for its manifold activities. This year, too, was not an exception and the busy month which hardly gives any time for a monotonous work—like studies—had hardly come to an end when the date of the commencement of the annual examination was announced.

What a sharp contrast! The ideas of ease and rest that occupied the minds were replaced by dull thoughts of failure and success in the coming trials; and the hitherto happy and careless scholar began to be hard at his books.

Somehow or other the examination was over and there followed another happy and busy period. The Old Boys' Dinner, the games and the many interesting activities of these three days released the students from the fatigue caused by the preparation for examination.

Or suppose—and this is more likely—that a heavy comet were to graze the earth or in other words, pass across the sky within a few thousand miles of us. The journey across the heavens would occupy about 10 minutes, and, during that time, the earth's surface would be scorched, the oceans would rise to meet the clouds. As the comet receded, an immense tidal wave would follow in its wake and bury the burning land in water.

There is yet another way in which a heavy comet might be a source of serious danger to us, and that is by falling into the sun. The great comet of 1843 actually entered the sun's atmosphere to within a few thousand miles of its surface; and a later comet in 1882 struck the sun's corona. But the sun, being very huge in comparison to it, nothing happened, at least to affect us. It would require a comet of very great size and weight to hurt the sun. If such a comet came, one of the effects on the earth might be a frost lasting several years.

MOHAMED SHAH NAWAZ KHAN.

JUNIOR DEBATING SOCIETY.

We took the charge of the society on 6th March 1914. We gave to the second year students an Annual Farewell Dinner instead of a social gathering. We started an Elocution Class to teach the members of our society public speaking and oratory. Twenty members of the society selected by the Select Committees are being trained in that class.

The President has vetoed the constitution framed by the preceding ministry and passed in the House. Accordingly we are reframing the constitution and hope to put it before the House in a fortnight.

Lisbon; 30,000 people buried and neighbouring towns engulfed.

1607 Dutch destroyed Spanish Fleet at Gibraltar.

1682 Pennsylvania planned by William Penn.

1758 English defeated the French Fleet in the East Indies. Russians and Austrians invaded Berlin.

1835 *Chili* destroyed by Earthquake.

1910 Chinese revolution—Tripolitan and Balkan Wars —King Edward died.

We are no longer superstitious about comets, but the question that troubles us nowadays is a much more material one than that which troubled the Ancients That is this: Will the world one day be destroyed by a comet?

With what feelings ought we to regard these eccentric celestial monsters? Is it not possible, when these huge comets are in the habit of dashing into our solar system with an increasing immense speed, that they may collide with or graze the earth and thus destroy it.

But how can this event be possible? In the first place it would be necessary to come in contact with the nucleus, because the tail is incapable of doing any material damage. The magnificent comet of 1861 had an enormous tail and this enormous appendage actually struck the earth on June 30th of that year without any effect whatever.

But the head is a very different matter. Now since the heads of comets vary greatly in density, we may naturally conclude there are a few very solid ones flying about in space.

Imagine what would be the effect, if a flying monster, thousands of miles in diameter loaded with white hot iron, travelling at an enormous speed, and getting angrier and angrier as it nears the sun, were to find our tiny little speck of a world standing in its path.

Danger of Comets.

Of all natural appearances there are few that have been regarded with more superstition than comets. And indeed a glance at the following list of important events which took place during or near the time of the appearances of Halley's comet, will convince the reader that the Ancients had some excuse for their superstitious ideas :—

B. C.

240 Romans defeated the Carthaginians, concluding 23 years' war.

163 Judas Maccabæus defeated Syrians and occupied Jerusalem.

87 Rome besieged and taken by four armies.

12 Drusus Senior invaded Germany, establishing Roman supremacy there.

A. D.

66 Very brilliant on this occasion and shaped like a sword. Jerusalem destroyed in the following year.

375 The Huns invaded the Roman Empire and drove out the Goths.

452 Attila, the Napoleon of the period, invaded Italy and Gaul.

531 Persia visited by Plague.

610 Mohomet received his first revelation and began to preach in Mecca.

1066 William the Conqueror invaded England.

1146 Second Crusade begun--Conrad IIIrd's army destroyed by the Greeks.

1223 Khorassan and Persia conquered by Changes Khan.

1456 Constantinople taken by Turks. The comet very brilliant.

1531 Holland inundated through failure of dykes—400,000 people drowned, Great Earthquake at

The Great Comet of 1680.

Its period has been estimated at 575 years. This comet has been considered with at least a high *primâ facie* probablity to be identical with a magnificent comet observed at Constantinople and in Palestine in the year 1106 A. D. ; with that of 531 A. D., which was seen at noon day close to the sun ; with the comet of 43 B. C., which appeared after the death of Cæsar and which was also observed in the day time, and finally with two other comets, mention of which occurs in the sibylline oracles and in a passage of Homer. The last two comets are referred, as well as the obscurity of chronology and the indications themselves will allow, to the years 618 and 1194 B. C.

It is to the supposed near approach of this comet to the earth about the time of the Deluge that Whiston ascribed that great catastrophe. (W. Whiston succeeded Newton as the Lucasian Professor at the University of Cambridge. Later on he adopted Arian views and published them. This cost him his professorship.)

Short Period Comets.

The first of these short period comets is that of Encke, named after Professor Encke of Berlin, who first ascertained its periodical return on the occasion of its fourth recorded appearance in 1818. Its period is 3⅓ years, which is the shortest known.

Another comet of short period is that of Biela so called from M. Biela of Gosephstadt who first calculated its period on the occasion of its appearance in 1826. Its period is about 6¾ years. It exhibited a very strange phenomenon when it appeared in 1846. The comet was actually seen to separate itself into two distinct comets.

There also other less important comets, as those of Morehouse, De Vico, Bronsen and Donati.

stars. All these stars attract it, according to the law of gravitation and the nearest or the most powerful star deflects the course of the comet towards itself.

Our sun, being very large and powerful, attracts some of them towards it for this reason. So that after drifting about for ages, in space over many hundreds of billions of miles, during which it probably becomes somewhat cool, the comet finally comes tearing straight towards our sun.

SOME IMPORTANT COMETS.

The most remarkable of these comets which have been ascertained to move in elliptic orbits is that of Halley, so called from the celebrated Edmund Halley who on calculating its elements from its perihelion passage in 1682, when it appeared in great splendour with a tail of 30° in length, was led to conclude its identity with the great comet of 1531 and 1607, whose elements he had also ascertained. The intervals of these successive apparitions being 75 and 76 years, Halley was encouraged to predict its return about the year 1759 and this prediction proved to be quite true. Its last return was in 1910. Throughout the whole year of 1909, all the observatories of the world had been looking out for it and photographic plates had been exposed towards the constellation Gemini, where it was expected to appear.

On September 12th of 1909, in the morning, a faint patch upon the plates announced its approach. The predictions of astronomers were thus fulfilled and photography won the proud distinction of having sighted a comet several weeks before it could be seen through the most powerful telescopes. The comet became telescopically visible in the month of October. The public saw it as a morning star in the months of February and March and as an evening star in the months of April and May of 1910.

some of the former, particularly Aristotle, considering them merely as accidental fires or meteors which were kindled in the atmosphere, while others said that they were permanent bodies like planets, and it was first positively ascertained and demonstrated by Tycho Brahe (a celebrated Danish Astronomer, who founded the planetary system which bears his name and compiled a list of 777 fixed stars) from his observation on the comet of 1577.

The only conjecture about their structure which may be made from their luminous character is that they are great masses of thin vapour, susceptible of being penetrated through their whole extent by the sun-beams.

And now something about the probable answers to the following questions: Where do comets originate? Why do they visit the sun and whither do they go?

All space is thickly populated with innumerable stars. Our solar system is but one of an infinite number of systems of stars grouped like so many chandeliers in a mighty darkened hall. To human eyes this darkened hall seems to be in quiet and peace for ever. Yet violent accidents are constantly taking place. For packed in between all these shining stars are swarms of meteors.

Suppose that two swarms of meteors running in an opposite direction to one another, collide and crash into each other. A prolonged collision ensues and the friction and pressure from that collision are so intense that the colliding bodies are converted into a gaseous, white hot hulk of shapeless matter. This flaming hulk is a newly born comet.

At first this infant prodigy is very hot; vapours rise and cover the nucleus forming a coma, and streams of molten matter are flung into its track, forming the tail. In this state it flies on among the swarms of surrounding

when the latter are interposed between them and the sun. But comets exhibit no phases and are attended by no bodies to intercept the sun's light. But unless it can be shown that a comet is a solid mass, impenetrable to the solar rays, the non-existence of phases is not a proof that the body does not receive its light from the sun.

A mere mass of cloud or vapour; though not self-luminous, but rendered visible by borrowed light, would still exhibit no effect of this kind. Its imperfect opacity would allow the solar light to affect its constituent parts through its entire depth.

Now the question is whether comets are self-luminous or emit light just like clouds. The explanation given by Arago (a French astronomer and natural philosopher of great eminence whose researches added much to our knowledge of electricity and magnetism, who was awarded the Copley Medal of the British Royal Society) merits attention.

The apparent brightness of a visible object is the same at all distances, supposing its real brightness to remain unchanged. Now if comets shone with their own light and not by borrowed light from the sun, their apparent brightness would not decrease as they would recede from the sun, and they would cease to be visible, not because of the faintness of their light, but because of the smallness of their apparent magnitude. But the contrary is found to be the case. As the comet retires from the sun its apparent brightness rapidly decreases and it ceases to be visible from the mere faintness of its light while it still subtends a considerable visual angle.

THEIR PROBABLE STRUCTURE.

With regard to their nature, various conjectures have been advanced both by ancient and modern astronomers :

the theory of gravitation, the enigma of these seemingly irregular movements might have remained for ever unresolved.

The Newtonian Law of gravitation states that a body which is under the influence of a central force, the intensity of which decreases as the square of the distance increases, moves along one of the curves known as conic sections. He ascertained that the comet of 1680, one of the most-remarkable on record, described about the sun as its focus an elliptic orbit of so great an eccentricity as to be undistinguishable from a parabola (which is the extreme or the limiting form of the ellipse when the axis becomes infinite) and that in this orbit the areas described about the sun were, as in in the planetary ellipses, proportional to the times. It is extremely difficult to determine, from computation, the elliptic orbit of a comet to any degree of accuracy; for when the orbit is very eccentric, a very small error in the observation will change the computed orbit into parabola or hyperbola.

These comets generally enter our system with a very great speed. For example, Halley's comet when observed in 1910 was travelling at a million miles an hour. The idea of such an enormous speed can be had by comparison only. For instance, if a railway train were to keep up this pace, it would get right round the earth in a minute and a half, and arrive at its destination with the engine red hot and carriages on fire. A steamer would get across, the atlantic in about 10 seconds.

THE CAUSE OF THEIR ILLUMINATION.

That planets are not self-luminous but receive their light from the sun, is proved by their phases and by the shadows of their satellites, which are projected upon them

The Actual Dimensions of Comets.

The calculation of the diameters of their heads and the lengths and breadths of their tails, offers not the slightest difficulty when once the elements of their orbits are known. Now calculations instituted on these principles lead to the surprising fact that their dimensions are beyond all earthly conceptions. As an example, take the size of Halley's Comet. Conceive in the first place, forty-four of our worlds arranged in a line, then put 480 full moons at right angles from it. The forty-four worlds represent the breadth of the head and the 480 full moons the length of the tail. In round figures the diameter of the head in 1835 was 357,000 miles and the length of the tail about 960,000 miles. It would take an express train eight months uninterrupted travelling to get across the head. Compared to a size like this, the Atlantic Ocean is a pond and our whole world like a tiny island.

Other comets are still more enormous than this one. For instance a comet appeared in 1843 with a tail 200 million miles long. Half of this tail would more than make a pathway from the earth to the sun. In 1907 there came a comet with no less than 7 tails each 7 million miles long. The breadth of the nucleus of such a comet is such that it could barely squeeze its way between the earth and the moon.

The Motions of Comets and Their Periodical Revolution.

Their motions are apparently most irregular and capricious. Sometimes they remain in sight only for a few days, at others for many months; some move with extreme slowness and others with extraordinary velocity. Some pursue a direct, some a retrograde, and others a tortuous and very irregular course. Without the clue furnished by

General Description of a Comet.

What is a comet ? At first sight it appears like a broom of silvery grey mist with something thick and hard shining inside. This hard and shining centre is called the nucleus. Besides the nucleus there are three more distinct parts of a comet, namely, the head, the coma, and the tail. The head is that part of it in which the nucleus is involved and which does not shine as brilliantly as the nucleus but more brightly than the coma and the tail. The coma is a faint light surrounding the head of the comet. Lastly strewn right away into the rear of the flying comet is a litter of cast off vapour and meteorites lying thick as hailstones in a thunderstorm. This long train is called the tail.

Suppose that the world were to turn suddenly white hot and consequently all the oceans boiled up into the sky in steam and all the continent melted. Suppose that this molten mass kept on erupting forth volumes of white-hot stone and vapour right up to the moon. The world in this terrific state would be an active comet near the sun. The molten land will be the nucleus, the steamy atmosphere would be the coma and the far thrown volumes of stones and vapours would be the tail.

The comets are observed in three distinct forms according to the circumstances under which they are seen. When the comet is eastward of the sun and moves from it, it is said to be ***bearded*** because the light precedes it in the form of a beard. When it is westward of the sun and sets after it, it is said to be ***tailed***, as the train follows it in the manner of a tail. Lastly if the comet and the sun are in opposition, the train is hid behind the body of the comet, excepting a little which appears round it in the form of a border of hair or coma whence it is called *hairy* and whence the name of comet is derived.

by heat, I was moving up about the stair, all beside myself. What saw I? The five children of the Woman were lying, one over another, heads and points.

OF COMETS.

The extraordinary aspect of comets, their rapid and seemingly irregular motions, the unexpected manner in which they often burst upon us, and the imposing magnitudes which they occasionally assume have in all ages rendered them objects of astonishment and wonder, not unmixed with superstitious dread to the uninstructed, and an enigma to those most conversant with the wonders of creation and the operations of natural causes.

NUMBER OF RECORDED COMETS.

Over 1,200 different comets have so far been observed to enter our solar-system. But the actual number of comets must be at least many thousands; because in the earlier ages of astronomy and in the times before the invention of the telescope only large and conspicuous ones were observed. Several of these comets must have escaped all observations, only because they happened to traverse that part of the heavens which is above the horizon in the day-time. In these circumstances they can only become visible by the rare coincidence of a total eclipse of the sun —a coincidence which happened as related by Seneca, in the year 62 B.C., when a large comet was actually seen very near the sun. On the other hand, there are many which on account of their brightness have been observed in the day-time. Such are the comets of 1402, 1532, and 1843. In modern times, the camera has proved to be of great use in discovering these heavenly bodies.

dysentery, always obsequious to the physician, habituated to medication and accustomed to drugging. Our tempers are morbidly sensitive, like the creeper touch-me-not. We pine away with the slightest stroke. Whatever the season, some complaint or other is always clinging to us. In summer, the head aches almost to bursting, the eye burns, and there are regular flames coming out of the palm and the sole. Even under normal circumstances, we are ever weeping for the loss of appetite; whilst, in summer, the little of hunger that we some time had is completely scared away. No satisfaction is given by water cooled with ice or saltpetre; and there is no relief afforded by fruit *sherbet*.

With the advent of the rainy season, huge preparations are made to defeat the flies and the mosquitoes. And it appears as if some enemy were coming to assault a royal dominion. The eastern wind completely suspends the digestive process; pain from flatulence resides in the shoulders of mornings, is lowered down to the waist in the noon, and transported to the calves at even-tide! and winter brings in its wake cough and cold and catarrh. Now, as for the head, it falls into perfect disorder, and refuses to obey your hest. One single fault, Indolence, has made us forfeit the relish of all kinds of delicacies, and lose the taste of all kinds of comforts.

In spite of all culinary skill it is impossible to experience that taste which poor men daily enjoy eating their dry bread with their simple composition of chilly and salt. The sleep is eternally scared away. Day and night we are essaying to get rest for an hour or two. But sleep,—alas, it flies off, leagues and miles, at the slightest disturbance. I would often wonder to reflect over the condition of this Neighbour-Woman. One day it happened that, oppressed

bour-Woman ! is there not a grain of pity in your heart ? Imagine the capacity of the child, and her carrying so great a load from your house up to this place. If the poor girl is such a burden to you, surely there is no help for it ; and you might better let her slumber with a dose of poison one day. How strange, since even a step mother would not treat the child in this way. I helped her to take the basket down. So heavy was it ; dense, almost like a rock ; it slipped from my grasp half-way up. Blessed God, the wet earth of the canal ! Even iron is lighter than that. Even in the short time I fell panting.' I had wanted to blame the Neighbour-Woman with much emphasis and formality. But she dismissed the whole thing with a casual remark, 'Miss, poor people that we are, and she is the daughter of a poor family. Our days and nights are passed in carrying loads. A basket of clay does not count for much. She carries beds about unaided. Day before yesterday she managed to carry to the door to the mill-grinder the heavy mill-stone to grind. If our children were to be, like the daughters of the rich, Madam Fine, Lady Delicate, or Mistress Slender, we should not pull on for a single day.' Hearing the Neighbour-Woman talk in this strain, I perspired profusely as I was struck with shame and contrition, and I reflected within myself, 'What is there at the bottom ? They seldom get a good full meal ; how can they be so stout and strong' ? One day I question our Tutoress. She said, 'All this strength, endurance and vitality comes from hard labour. We are lolling, all day and night, fallow and inert, like any other idler. Our food remains undigested in the stomach, just like that which is taken. Our digestion is never correct, nor is our appetite perfect. And we live the life of eternal valetudinarians, perpetual sufferers. Sometimes we complain of costiveness, at other times of

what a novel mode of making complaints about her troubles!' The Tutoress said, 'Nay, I shall give you more corn to grind: but, Neighbour-Woman, how is it that the flour you bring rather under-weighs whilst I give an over-weight of wheat?' The Neighbour-Woman said, 'The wheat had been rather moist; and the very first handful fell down like crushed meal. So I exposed it for a while to the fire. Otherwise I do not grind out in the open air. I work in the interior of my room where the air has no access.' The Tutoress said, 'I know not what to do;' I have been looking out, these many days, to hear the cry of the muleteer, if one chanced to pass through the lane, to take two sacks of clay from him, so that the hall may be washed, and the hearth which has gone out of repair be daubed afresh. Had I got clay, I would have asked you to repair the hearth.' The Neighbour-Woman said, 'What ado there is to get the clay? *Himmat* will be presently going to his father with his bread; and, returning, he will fetch the basket full of clay from the canal. The clay from the canal is both firm and glossy.' The Tutoress said, 'If the clay will be brought, you will do this work instead of grinding to-morrow.' The Neighbour-Woman ejaculated a blessing. And what did I see a short while after? The younger sister of *Himmat*, of about ten years, came on ahead, with a large basket of clay upon her, the Neighbour-Woman following her behind. I was strongly moved to see the poor little girl. I did not know what the girl had brought; but I ran headlong to the door, and helped the girl to take down the basket. And I saw that it was wet earth from the canal. I said, 'O wretched girl; God mend thee! what a mischief hast thou done! A burden so very heavy as that.' Just then the Woman herself arrived. And I began to scold her, saying, 'Neigh-

attention perpense, I came to know that she was so very merry that she chanted a strain with perfect joyousness. At first I doubted as to how, in such a miserable condition, the poor woman could bring herself to sing a song; but when I shouted out to her, through the window, she replied in a lusty tone, 'What do you say, my child? Tell your Tutoress that there are but three or four handfuls more to grind, and I will be bringing the flour in a trice. She made her reply in a voice so clear and crisp that it seemed to be absolutely free from the taint of misery. And what did I see a little while after? She came on with the flour, her face lit up with laughter. She came; and took the weights and the scales, and weighed the flour; she strained the flour through the sieve, and stored it in the big earthen jars. The Tutoress asked, 'Good Neighbour-Woman! have you covered the flour-jar securely or not?' The woman replied, 'Ay, Madam; I have covered it with the large copper-plate, and made it steady with a five-seer-weight.' The Tutoress said, 'All right, then; farewell!' The Neighbour-Woman asked, 'Will you not give more corn to grind?' The Tutoress looked into her book and said, "No, not at present, we don't want more yet. There is flour enough for four or five days. These are wet days, when quickly vermin appear in the flour and it begins to taste bitter.' The Neighbour-Woman said, 'Pray, Madam, no; do please give more corn to grind.' The Tutoress said, 'Poor Woman, why shouldst thou not take one day's rest? What terrific heat there is, and dost thou not feel disconsolate?' The Neighbour-Woman replied, 'I really do not know; it is a peculiar habit of mine. The day when there is no grinding, my body aches all day long, and I feel as if my food were hanging upon my breast; so that I fall into melancholy.' I reflected within myself, 'To see

is the woman herself with her husband and four or five children. The children are almost infants, and scarcely fit for any work. The good-man works as a labourer carrying earth at the canal; whilst the woman herself grinds corn for wages. You go to her house and you will see neither a *takht* nor a carpet. There are only three or four cots meagrely woven with ropes, and they sleep on these beds, rough and bare, without the least inconvenience. The utensils consist of clay-pitcher, earthen-pots, cups, and plates, and wooden spoons, and there is no more save the holy name of God." *Husn-Ara* said, "Call you that a free and easy life? May God shield even my enemy from such a luxury; for I am sure there cannot be a greater misfortune in the world than this. She is struggling hard for her very existence; and, odd enough, you, incorrect with our Tutoress, have conceived an envy for her comfortable life!" *Mahmooda* said, "At first I was also given to marvelling at what our Tutoress said. But I thought over the condition of our neighbour and her children for a long time, and at last I came to realize that our Tutoress said the right thing. Reflection made it clear that physical pleasures and bodily pains all depend upon habit. One who is habituated to hard work gets so much happiness thereby that it exceeds anything that idlers like ourselves can ever get by lolling listlessly. I have seen this very Neighbour-Woman of ours, whilst there is the humid heat peculiar to the rainy-season, the air is absolutely close and breathless, so that not a leaf stirs; I stand out in the yard, never stopping to fan myself on and on, streams of perspiration, as it were, gushing out; the very breathing becomes distressed;—and, mercy of God upon this Neighbour-Woman of ours, pent up in the interior of her garret,—all alone,—she is busy grinding the corn! And as I heard with

price of the shoes. In short, the man with money is the one more in want than the seller. But if not more, his want is at least equal to that of the seller. Over what then the capitalist can be vain : since he stands in want of one thing, namely, the shoes, while the seller needs the other thing, namely, the money ?" *Husn-Ara* said, " But things can always be had for money." *Mahmooda* rejoined, " It is an error thinking like that. It often happens that we are prepared to pay double the price and still we cannot get the thing. My Mamma sometimes talks about the events of the Mutiny: we all fled for safety to *Sultanji.* We tried to get a seer of flour for a rupee, but failed to get it. All the day the male members knocked about with money in their hands, and they returned in the evening quite checkmated. Owing to the disturbed state of affairs there was a complete stoppage of the supply of rations from outside. The village population, who had provisions, used to say, 'What shall we do with the money ? The modest store of grain that we have in the house is the only stay of our family." ' *Husn-Ara* said, " Of course, if things come to such a pass, money would be a bootless trash. But do you maintain that a Mutiny will daily occur ? God alone knows how it broke out. In our times, he who has money is in comfort."

CHAP. X.—FIRST HALF.

Furnishes Example of the Contented Life of a Poor Household ; Proves the Troubles following in the wake of Stylish life, and the Difficulties arising from Sloth.

" Peace and contentment never come from wealth. Our Tutoress often directs my attention to the condition of this our Neighbour-Woman, and so makes me understand, saying, ' See ! what a free and contended life is hers' ! There

cashed for its face value everywhere, and you are liable to no brokerage nor any discount. Therefore money intrinsically has next to no value. No body eats it like cakes, nor does anybody wear it in strings like garlands. But you can take for it anything you like. Hence commodities are the things you require, and money is a means to get them. Such is the whole truth about the money over which the rich are so very vain. *Husn-Ara* said, "What a first-rate thing; a capital idea you have given exposition to; but, pray, what say you to this? That, since money can be a consideration for everything, does it not amount to this; that one who keeps money is the lord of all, and everything is within his reach? Necessarily then money must be a thing of great dignity and worth; and therefore all the vanity and pride entertained by the rich is just." *Mahmooda* answered, "I certainly do not detect one single reason for their being proud. Money indeed is the price for all kinds of things, but it cannot serve the purpose of the things themselves. Suppose, for instance, that we are in need of a pair of shoes. There are two factors herein; firstly, that the pair of shoes is wanted, and it is available; secondly, that the pair is not in existence, though the money is there with which we might purchase that. Reflect, and you will find that these two factors are not identical. At any rate, it is a permanent compulsion on the moneyed man that he must go to the bazar to buy the shoes. Suppose that the shoes are not to be had; or that, if they can be had, the price be not agreed upon;—shall not the intending purchaser be altogether helpless? And there's another matter worth considering; that when the purchaser goes to get the shoes, he, and not the seller, in reality, is the man in want. But the latter is rather in want of that commodity for which he shall have spent the

I have also no doubt that I will be reciprocating the sentiments of all when I say that we are very grateful to him and that no amount of thanks can lessen the burden of gratitude that we owe him, nor are words equal to the task of expressing its magnitude. We also take the opportunity of most heartily thanking our friend Mr. Bashir Mirza who was always very attentive to our comfort and convenience at the expense of his most valuable time. We also take the opportunity of thanking Mr. Justice Hasan Imam, Mr. Sultan Ahmed, Nawab Mohi-ud-din Mirza, Nawab Nasir-ul-Mumalik and our friends Messrs. Nadir Mirza, Farukh Mirza and Sultan Hasan Mirza for their kind entertainments. We are also grateful to our Old Boys and the members of the Calcutta Muslim Institute for the most enjoyable parties. Last but not least we thank the Calcutta Public for the kind interest they took in our undertaking, and we hope that our tour next year may be as successful.

SCENES FROM BANAT-UN-NASH.

CHAP. IX.—SECOND HALF.

Translation forwarded through Professor Anam-ullah Khan.

In the beginning, iron coins were in use; and so heavy were they that a cart-load of them went to make up the value of but a hundred rupees. Subsequently, copper, silver, and gold coins came into usage. Tradition has it that during a certain period leather currency was in use but the leather also had in it nails of gold. In our times, the English have made such arrangements, that currency is given to paper. One single leaf of paper is worth ten, a hundred, and any multiple of it. The paper can be

their second goal a couple of minutes before the finish. Agha Mirza, our custodian, also showed to great advantage and saved in fine style some very hard shots. The game finished by our winning by three goals to two and amidst loud cheers from the huge crowds of spectators, believed by the papers to have numbered over 15,000. After the match Sir Lawrence Jenkins made a nice speech and Mrs. Richardson gave away the prizes. The Beighton Tournament Cup was now over and we had only to play the Oriental Sporting Club and the Lachhmi Bilas Cup Finals on Monday, which was to be the end of the Hockey season in Calcutta. The fine Hockey that had gone before threw this into the background, and consequently it was attended by the meagre gathering of 850 persons, the exact number being obtained by a friend of ours who went round counting the spectators to while away the time, finding the game too dull. We scored an easy victory by 5 goals to nil. The Hockey season in Calcutta had come to an end and the next day not a single post was to be seen throughout the Maidan, but for us there now began a round of festivities and entertainments which we enjoyed immensely. It has been truly said when the heart is full the tongue is silent and it is equally true that when the stomach is full then too the tongue is silent, but the pen can have no excuse in not thanking our well-wishers and friends in Calcutta who went to a great deal of expense and trouble to give us the pleasure of their company and also some most enjoyable parties and dinners. For these we thank them most heartily. Amongst them we have no hesitation in putting on the top the name of one of our Old Boys, Nawab Moin-ud-din Mirza, whose guests we were. His kind attention and the trouble he took on our behalf in his brotherly treatment of us has won him a seat in our hearts.

B 2—0 are also a very fine lot. Their forward line is nippy and very clever in passing, dribbling and shooting, but I am inclined to think that their backs can be rushed of their game by energetic forward play—just the game to upset the Aligarh backs. All things considered I think Jamalpur have a better chance of winning the finals on their forward play alone. The *Englishman* also on the same day in his 'To-day's prospects' says: 'The question now arises who will win to-day? Jamalpur stands the better chance. They are a better balanced team, but it is very doubtful if they possess the same turn of speed as the Indian eleven. Jamalpur have a better defence than Aligarh. A good understanding exists between the attacking lines of both teams, but the better half-back line is that of Jamalpur. Jamalpur has beaten better teams than Aligarh, and there is reason to believe that a win for them to-day will not be surprising.' The game began at 5-21. It was in the beginning an up and down game, neither side getting the upper hand till the Aligarh forwards invaded the Railway goal and forced a short corner. The ball was beautifully placed and Azhar Ali put through with a splendid shot eight minutes from the start. Throughout the rest of the first half time we kept pressing with only occasional outbursts on the part of the Jamalpur forwards. Our forwards played with a wonderfully fine combination and Mustafa scored the second goal fourteen minutes from the start. No other point was scored till the whistle blew for half time. On the resumption of the game Jamalpur livened up. Rodgers for them reduced the margin beautifully within five minutes of the resumption. Our men were also not far behind in scoring their third goal, which they got through in fine style and with a beautiful display of passing. Jamalpur was however not yet beaten, and kept up a fast game right up to the end, scoring

but no points being scored, the customs people tried to carry the day by sheer weight, and the referees had to warn them on several occasions. The game opened with a fast run by our forwards, and within the first five minutes two clear openings were missed. The inside right was also sent back for off side. Galbraith for the customs got down at length, only to lose to Rahmat Khan. The game was again carried into the customs sphere and their goal had a very hot time, but he saved in fine style and his goal keeping was indeed brilliant. The half time came, but without any points having been scored. After the resumption the game became if possible faster still, and close to the end of the time the customs custodian again displayed a good game, saving half a dozen certainties in quick succession. Time was called without any result and extra time was at once ordered. After saving a goal from Mustafa the customs custodian was beaten by Azhar Ali who scored a fine goal off a corner. The end of the extra time saw us press more and Mustafa secured the second goal, and thus the College won by two goals to nil. Our side played a fine game throughout, the combination among the forwards and the way the defence checked and fed their forwards was excellent. The I. D. M. remarked, "Aligarh was quite as good in attack as in defence, the combinations among the forwards alone being worth going a long way to see, and the game was played in the best of sporting spirits." In the next two days the papers were full of discussions about the respective merits of the two combatants for the finals and as to who would win, and their conjectures as a general rule and as usual were all against us. 'The Empire's Tip,' which came out on the day of the Finals said: 'Aligarh who have beaten the Police 4—2, Calcutta 1—0 and Customs

slaught of the Calcutta attack very cleverly. The other halves came in for their due share of work which they got off creditably. The backs, too, were not far behind in giving them a helping hand and themselves sending the ball spinning up the field when it happened to get past the half line, which was not often. In another place the papers remark: 'The Calcutta defenders cannot be held responsible for the defeat.' This is perfectly true but not in the sense the papers take it. As a matter of fact our forwards were too quick and clever to be checked by them, and the Calcutta defenders cannot be blamed for allowing them to get into their quarters and netting the ball. In particular the stick work of Asad Ali and Altaf Hasan was splendid and a pleasure to watch. *The Englishman* remarked, " But in fairness to Calcutta it must be mentioned that they missed many good openings—four open goals at least—and taking all things into consideration they should have won." Indeed this view seems to be too biased and one-sided. As a matter of fact the Calcutta people never got an opening.

The next match against the customs B in the semi-finals was believed would prove our last. The customs B had beaten the Rangers, the defenders of the cup, and were not favourites. Indeed it was popularly believed that the tournament this year would be a record inasmuch as two teams of the same club, *viz.*, customs A and B would fight out the finals and B was popularly believed to be the better team.

The tournament indeed proved a record, but not in the way expected. It was a record inasmuch as two outside teams fought for the finals, an incident unprecedented in the history of the cup. The defeat of customs B by the Aligarh team came as a surprise to the Press and to the Public. The match was productive of good play in the beginning,

tive of scientific play; still Aligarh was a fast side and the forwards made the most of their chances.

The Aligarh team led by four goals up to within ten minutes of the time, when the police attacked strongly and reduced the margin against them by two goals." This was as a matter of fact due to our becoming over-confident and consequently slack which gave our opponents a chance to put in two easy goals.

The next match we played was against the Calcutta Club. This day our men were in much better form, and gave a good display of their stick work. Although we only won by the narrow margin of one goal to nil, yet the side on the whole played so well and with such good combination as to raise the odds; 20 to 1 against us; to 5 to 1.

The next day the papers gave lengthy reports of the games; and attributed our victory to luck more than to good play. The Statesman said: "The unexpected happened on the rangers ground yesterday; Aligarh College dismissing Calcutta by one goal to nil. The College men were admittedly a strong team, but it was generally expected that Calcutta would gain the day by a narrow margin. That the reverse occurred was due largely to apathy on the part of some of the city players during the closing stages of the game; when a little more dash and smartness on the ball might have made all the difference."

This does not strike one who happened to have watched the game to be in strict accordance with truth and facts. To be sure Hosie, the Calcutta centre, played a brilliant and dashing game, and it was no fault of his that he was not able to score. As a matter of fact, the credit is due to our defence, whose brilliant play did not allow Hosie to get past them. Azhar Ali, the centre half, played a specially cool, fast and skilful game and checked the heavy on—

Agha Khan Hockey Cups. This, too, after a good and hard-fought game against the O. R. R. Team in the finals, we brought to Aligarh amidst great rejoicings. The Beighton Cup, which we had twice failed to bring off, again tempted us to Calcutta, and this time with better chances. Another Tournament, namely, the Lachmi Bilas Hockey Cup, which was being played off at Calcutta simultaneously proved too tempting a morsel to be ignored, and accordingly it was entered for also. The tedious journey to Calcutta having come to an end and the hardship of excessive heat which was met with on the way being successfully overcome we reached Calcutta. There we played our first match in the semi-finals of the Lachmi Bilas Cup against the Grears Sporting Club. In this match we did nothing brilliant, nor did we show off to any great advantage. This may have been due to the after-effects of the journey or to our not being accustomed to play on a lawn, which indeed was a great drawback. However, we managed to bring the game off by two goals to one amidst shouts of "Not good enough for the Beighton, this will not do in the Beighton and many others of the kind."

The next day the Orientals Sporting Club gave us a friendly game which to a certain extent made us accustomed to the Lawns.

The next day in our first match for the Beighton against the police we did slightly better winning by four goals to two.

But still this display was not such as to raise us much in the public opinion, and the press men put heavy odds against us, and did not much believe in our getting beyond the next round.

The Statesman remarked: "The match was not produc-

In this way, they will also be helpful to the professors and the authorities who have an immediate control over us.

These things, if achieved, will undoubtedly go a great way to elevate the "*Dear Old College*" to a supreme and enviable status.

MOHD. IRSHAD ALI.

ALIGARH HOCKEY, 1914.

When we recall to mind the fine game which our team put up against the M. C. College in the University Tournament, in times gone by, we begin to wonder how it was that we were not so successful of late. The reason is not far to seek. The team had of late lost two of its most brilliant defenders, namely, Masud, on account of his having left the college; and Nur-ud-din, whom an untimely death took away from our midst, to the great regret of all his acquaintances and friends. These losses pulled the team down very low, and the lack of good backs to take their place did not allow it to recover for some time. But of late this deficiency has to a great extent been made up and the team may now be said to be at its zenith. This year the team has had a brilliant career, not having lost a single match throughout the season. The latter opened with a short trip to Delhi, where we won two matches, and then again in November (1913) we entered for the Bom Bahadur Cup at Lucknow, in which, after playing a very hardly contested game against the Agra College, we brought home the Trophy; which, though insignificant in itself, proved the herald of many a bigger and more important triumph. Within a month we again entered for the Dr. Ram Lal All-India Hockey Cup which, though not being long established, bids fair in the course of time to stand on the same level as the Beighton and the

sincere workers and are on the right path, no obstruction can check their success. They are sure in the long run, if not at first, to surmount all the impediments lying in their way. Sincerity and earnestness should be their strength.

Among other things that are expected from the old boys one is this that they should, heart and soul, try to maintain the reputation of their "alma-mater."

They should consider themselves as in duty bound to clear off the mist overhanging the pure atmosphere of our college, and they should leave no stone unturned to draw attention towards the real mission of the college so as to convince them of the fact that it is an institution which instils loyal views in the mind.

Besides this we also hope that they will always keep themselves in touch with the college matters.

Last but not the least, as far as I believe, is the hope that they should every now and then renew their visits to the mother institution. Thereby they will be able to experience whole-hearted happiness to see the wonderful improvement which is going on with the advance of time in its organisation, the wide expansion of its buildings and the ever-increasing numbers of students.

They should also mix with us freely and encourage us, so that we might pursue the path of our improvement, and warn us against the dangers of wrong methods so as to bring us back on the right track. One more object will be achieved by this—that the present students will have the chance of satisfying their eager desire of seeing the best productions of the college.

They should tell us of the happy relations that existed between the students and authorities of their own past time.

should shine in his duty in such a way that he may be recognised as worth his weight in gold. His worldly career should be an object of envy to others and a cause of sincere happiness to us. His success in his career ought to lead one to think that the college is a mould able to shape crude materials into objects of intrinsic worth and value, and the employer of a man whose mind has been shaped in the mould of the college should ultimately find his expenditure well returned.

Among our hopes, service, so far as the members of the Muslim community are concerned, is by no means a matter of small consequence. Every one of us unanimously hopes that the old boys will take upon their shoulders the responsibility of the guidance of the Muslim community in its political, educational, and social affairs. The Muslim community as well looks forward with the same hopes towards them. It thinks that if there is any hope at all of the regeneration of the Muslim community, that will become possible through the sincere work and strenuous labour of the old boys of Aligarh. The nature of our hopes in the matter can be estimated by the fact that whenever we happen to see the name of some of our old boys in the papers proving helpful to the community in one way or the other, we exult and take pride in it.

We hope that they will regard 'moral courage' as their chief qualification in leading the community in the path of prosperity. We hope that no temptation, of whatever nature it may be, will make them deviate from the right course. They should feel for the community with intensity of sentiment.

No personal interest, no amount of pain, should deter them from striving after the achievement of their aim. No failure, no threat, should disconcert them. If they are

The Aligarh Monthly.

Vol. XII. | July & August 1914. | Nos. 7—8.

NOTES AND NEWS.

On June 20th, being the anniversary of the birth of Lord Hardinge, a meeting was held in the Strachey Hall, at which it was resolved on behalf of the Trustees, Staff and Students to send a telegram congratulating His Excellency, and praying that he might enjoy long life and prosperity.

* * * * *

The 22nd June was the date fixed for the official celebration of the birthday of His Majesty the King-Emperor. A private business meeting of the Siddons Union Club, at which representatives of the Trustees of the Staff were present was held immediately before the debate in the evening, and a loyal resolution was unanimously adopted.

WHAT THE PRESENT BOYS EXPECT FROM THE OLD?

The whole body of the old boys is for the present students of Aligarh, the centre of numerous high expectations.

Brotherly treatment occupies the highest place in the list of these. We expect such treatment as exists among brothers born of one mother. The elders in their treatment of the youngers show real love and true affection. The former think it their bounden duty to supervise the work of the latter, to lead them on the right paths and to feel an earnest desire to help them to be successful in their worldly-life.

Brilliant character in worldly-life is another most important demand of the present students. An old boy

[REGISTERED NO. A.-234.]

THE ALIGARH MONTHLY.

VOL. XII. Nos. 7—8. | July & August 1914. | Annual Subscription Rs. 4, Post Free. Single Copy, As. 6.

[For contents of Urdu section, see back cover.]

Allahabad:

Printed by Bishambher Nath Bhargava, at the Standard Press.

Publisher:—D. Reynell, Professor, M. A.-O. College, Aligarh.

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۳۴

علیگڈھ منتھلی

قیمت سالانہ للعہ معہ محصولڈاک قیمت فی رسالہ مرادی ۶ر	بابت ماہ جون ۱۹۱۴ء	نمبر ۶ جلد ۱۲

مقام اشاعت مدرستہ العلوم علیگڈھ

فہرست مضامین حصّہ اُردو

پبلشر مسٹر ڈی ۔ رینل ۔ پروفیسر مدرستہ العلوم علیگڈھ

اسسٹنٹ اڈیٹر قاضی جلال الدین صاحب لیکچرر مدرستہ العلوم علیگڈھ

باہتمام بابو شمبھو ناتھ صاحب بھارگو

دی اسٹینڈرڈ پریس الہ آباد طبع شد

شرح چھپائی اشتہارات حصہ اُردو

ایک صفحہ	واسطے ایک سال کے	۲۴ روپیہ
"	واسطے نصف سال کے	۱۴ روپیہ
"	واسطے تین ماہ کے	۷ روپیہ
"	واسطے ایک ماہ کے	۲ روپیہ ۸ آنہ

نصف صفحہ کے لیئے مذکورہ بالا کا شرح کا نصف لیا جاوے گا اور

نصف صفحہ سے کم ہونے کی صورت مین بھی نصف صفحہ کی اجرت لیجاویگی۔

اجرت ہمیشہ پیشگی وصول ہوگی۔

ڈی۔ ریسل۔ پروفیسر و منیجر

علیگڈھ منتھلی مدرستہ العلوم علیگڈھ

علیگڈہ منتھلی

قیمت سالانہ للعہ معہ محصولڈاک قیمت فی رسالہ مرادی ۶ر	بابت ماہ جون سنہ ۱۹۱۴ع	نمبر ۶ جلد ۱۲

جواب مضمون

بخدمت شریف جناب اڈیٹر صاحب عصر جدید

براہِ کرم آپ اِس مختصر نوٹ کو اپنے اخبار مین بسلسلہ مضمون مندرجہ جلد ۷، نمبر ۴ صفحہ ۲، دربارہ عدم قدرشناسی جناب مولانا سید عباس حسین صاحب پروفیسر عربی مدرسۃ العلوم علیگڈھ کی شایع فرماکر نیازمند کو مرہون منت فرمایئے۔ جناب مولانا صاحب موصوف کی قابلیت کی جسقدر تعریف کیجاے وہ کم ہے اور جو اعلےٰ خدمات اونھون نے اِس قومی کالج کی کی ہین اوس سے بھی کسی کو انکار نہین ہوسکتا اور یہہ بھی غلط نہین ہے کہ ایک زمانہ دراز تک "اونکا مشاہرہ ایک حد سے آگے نہین بڑھا" مگر آپ مجھے اجازت دین کہ مین آپ کے اِس قول کی تردید کرون

کہ اسوقت تک بھی مولانا کا مشاہرہ وہی ایک صد ماہوار ہے۔ مجھے اس امر کا فخر حاصل ہے کہ میرے زمانہ سکرٹری شپ مین سنڈیکیٹ نے مولانا صاحب کی قدردانی کا اظہار کرتے ہوے ۵۰ ماہوار کی توحال ہی مین ترقی کی ہے اور دو سال مین بحساب ۲۵ سالانہ کے اضافہ سے اونکا ماہوار ۱۵۰ ماہوار مشاہرہ کردینے کی تجویز کردی ہے۔ اگرچہ یہہ ترقی بدیر ہوئی ہے لیکن بمصداق انگریزی ضرب المثل "بیٹر لیٹ دین نیور" (دیر مین ہونا بہ نسبت قطعاً نہ ہونیکے بہتر ہے) ٹرسٹیون پر سے یہہ الزام کہ "سخن فہمی عالم بالا معلوم" اوٹھ جاتا ہے۔ اسی زمرہ مین شمس العلما مولوی خلیل احمد صاحب عربی پروفیسر بھی تھے جن کی ترقی بھی ایک مانہ دراز سے نہین ہوئی تھی اون کی بھی حال مین ترقی ہوئی ہے۔ یہہ دونون حضرات ہمارے کالج کے لئے مایہ فخر ہین اور یہی اب بانی کالج کے دیکھنے والون مین باقی رہ گئے ہین۔ اِن حضرات نے کالج کو اپنا کالج سمجھ کر خدمت کی ہے اور یہی وجہہ ہے کہ انکو اسکی مطلق پرواہ بھی نہین ہوی کہ اونکی ترقی ہو یا نہو۔ ٹرسٹی اونکی قدر کرین یا نہ کرین اونکا قدم جادہ مستقیم سے ایک سرمو نہین ہٹا اونکی زندہ مثال سے اونکے ایثار سے اونکے چپ چاپ اپنا کام کرنے سے موجودہ نسل کو عمدہ سبق حاصل کرنا چاہئے اور یہہ جان لینا چاہئے کہ بھونرا اگرچہ بہت شور وغل کرتا ہے مگر ہمیشہ ٹکرین کھا کر منزل مقصود سے دور رہتا ہے یہہ شہد کی مکھی مین ہی وصف ہے کہ موضع پاک تجویز کرکے خود سکوت سے اپنے لب و دہن کو نفع پہونچاتی ہے اور دوسرون کے لیے عسل مصفی کے بارکے بار مہیا کردیتی ہے۔ اِن دونون علما کی مثالین بڑی قابل قدر ہین اور اونھون نے ثابت کردیا ہے کہ قوم کی سچی خدمت کسطرح کرتے ہین۔ افسوس اسبات کا ہے کہ بقول آپ کے مضمون نگار کے "نسلین کی نسلین ترقی اور تعلیم پاکر نکل گئین"، مگر کسی ایک شخص کو بھی یہہ ہمت اور توفیق نہوئی کہ اِن بزرگون کے حالات لکھ کر بطور نمونہ کے آنے والی نسلون کے لیے چھوڑتا۔ اب بھی وقت ہے کہ اسطرف توجہہ کیجاے اور مین خاصکر اپنے لایق دوست آنر ایبل خواجہ غلام الثقلین کی جنکے زیر اثر آپکا پرچہ عصر جدید ہے توجہہ اِسطرف مائل کرنا چاہتا ہون اس امید پر کہ وہ اِس

الزام کو جوان مولوی صاحبوں کے شاگردان رشید پر عائد ہو سکتا ہے ہٹانے کی کوشش کریں۔ بیچارے ٹرسٹیوں نے تو اپنی کمزور ہمت کے مطابق الزام ہٹانے کی کافی کوشش کر دی ہے مگر ابھی اولڈ بوائز کا حصہ باقی ہے۔ و ما علینا الا البلاغ المبین۔ ۲۷ مئی ۱۹۱۴ء

خاکسار

(دستخط نواب حاجی محمد اسحٰق خانصاحب)

آنریری سکرٹری مدرسۃ العلوم مسلمانان علیگڈھ

نظم جلالی اسٹریچی ہالی واقع یکم جون ۱۹۱۴ء بر موقع کرسی نشینی جدید عہدہ داران پرشین سوسائٹی

این مجلس با برکت و با فیض کہ اینجاست — از رحمت مولاست
وین محفل با عظمت و شانے کہ بپاست — ہم رحمتِ مولاست

آن کیست کہ قلبش ز محبت نہ بجوش است؟ — در دل نہ خروش است
بر فارسی فارس کہ باشد کہ نہ شیدا است؟ — این رحمتِ مولاست

آن کیست کہ بر بلبل شیراز نہ نازد — با شیخ نہ سازد
وان کیست کہ در رقص نہ بر نام مصلی است؟ — این فارسی ماست

آیا نہ شنیدید کہ بودند نظامی؟ — فردوسی و جامی؟
آن کیست از ینہا کہ نہ ملک سخن آراست؟ — این فارسی ماست

چون مصحفِ پاک آمدہ آن مثنوی روم — در پہلوی مرقوم
ہم در خبر و فقہ چہ انبار کتبہا ست — این فارسی ماست

با فارسیان کوہ کہ بمیدانِ بلاغت — در دوُر فصاحت

پاے زند و باز نہ بیند بچپ و راست   آن فارسی ماست

از سعدی و عنصری و انوری آگاہ   ہم ماہی و ہم ماہ

وز خسرو خوشگوے چہ شیرین سخنہاست   آن فارسی ماست

بگذر ز عرب تا عجم و بین کہ غزالی   با رتبہ عالی

خود در سخن پارس تصانیف بیاراست   آن فارسی ماست

از یک تنِ ایران چو خیّام حکیمے   با طبع سلیمے

دانی کہ بہ یوروپ چسان غلغلہ برپاست   آن فارسی ماست

بین از پئے ہر فضل و ہنر چون در مکنون   شد فارسی موزون

ہم بہر کمالات ہمین فارسی دریاست   این رحمتِ مولاست

پیغمبر ما نیز درین باب بفرمود   کاین فارسیان زود

تحصیل کمالے بکنند ار بہ ثریّاست   این حکمت مولاست

ہیہات چنین دولت افضال و کمالات   وان باب کرامات

مسدود جلال آہ بر دم رثیہ خواناست   این مرضی مولاست

از ماست کہ برماست

این دود سیہ فام کہ از بام وطن خاست   از ماست کہ برماست

وین شعلہ سوزان کہ در آمد ز چپ و راست   از ماست کہ برماست

جان گر بہ لب ما رسد از غیر ننالیم   با کس نہ سگالیم

از خویش بنالیم کہ جان سخن این جاست   از ماست کہ برماست

یکتن چو موافق شدہ یکدشت سپاہ است   با تاج و کلاہ است

ملکے چو نفاق آورد او یکہ و تنہاست   از ماست کہ برماست

ما کهنه چناریم که از باد نناليم برخاک بباليم
امّا چه کنيم آتش ما در شکم ماست از ماست که بر ماست

اسلام گر امروز چنين زار ضعيف است زين قوم شريف است
نی جرم ز عيسیٰ نه تعدی ز کليساست از ماست که بر ماست

کی گفت بما خصم که هان علم مياموز او هام بيندوز
آن شيخ بما گفت که اين علم تو بيجاست از ماست که بر ماست

ده سال بيک مدرسه گفتيم و شنفتيم تا روز نه خفتيم
امروز بديديم که آن جمله معماست از ماست که بر ماست

از شيمی و جغرافی و تاريخ نفوريم وز فلسفه دوريم
وز قال و ان قلت بهر مدرسه غوغاست از ماست که بر ماست

از مهر هنر ساخته مغرب شده پرنور وين مشرق رنجور
شب خفته در انديشهٔ آسايش فرداست از ماست که بر ماست

گوئيم که بيدار شديم اين چه خيالی است بيداری ما چيست؟
بيداری طفلی است که محتاج بلاست از ماست که بر ماست

اغيار بهم صلح نمودند بهر سو هر برزن و هر کو
در خانهٔ ما باز هنوز اول دعواست از ماست که بر ماست

گويند "بهار" از دل و جان عاشق غربی است يا کافر حربی است
ما بحث چه رانيم در آن نکته که پيداست از ماست که بر ماست

(جريدهٔ "نوبهار") مطبوعه مشهد مقدس

تبریک

قربان تیری شان کریمی پہ کیون نہو ہن
دامن گلِ مراد سے کالج کا بھر دیا

بہار آئی غنچے مسکرائے۔ پھول کھلے۔ مشاطۂ قدرت نے ہر ایک نخل کو زمردی لباس پہنا کر دولھن کیطرح آراستہ و پیراستہ کیا۔ انجمن انبساط کی گرما گرمی دیکھ کر عنادل نے سریلی آوازون مین مسرور کرنے والے نغمے شروع کئے صحن گلزار نے سبز مخمل کا فرش بچھایا نسیم نے اٹھکھیلیان شروع کین شبنم نے طفلان چمن کا منھ دھلا کر پاک صاف کیا چمن مین شادی رچی محفل عیش جمی۔ گل اشرفی نے زرّین تھالیان لٹائین۔ موتیے نے موتی برسائے۔ ہر طرف عیش کے سامان نظر آئے۔ قدرت کے کرشمے اور کرشمون کی گلکاریان خالی از حکمت نہین۔ آج گلشن عالم مین یہہ دھوم دھام کیون ہے۔ لیجیے وہ سروش غیبی نے مژدۂ جان بخش سنایا عالیجناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب پرنسپل کالج مدظلہ نے مراد کا پھل پایا۔ باغبان لم یزل نے گل مراد سے دامن پر کیا یعنی بسر نیک ارجمند عطا فرمایا۔ مین بحالت خوشی و خرمی اپنے مکرم فخر قوم ڈاکٹر صاحب کو مبارکباد دیتے ہوے ایک فی البدیہہ دعائیہ قطعہ فی الحال پیش کرتا ہون ؎

گر قبول افتد زہے عز و شرف

قطعہ

نسیمِ صبح آئی رنگ روے گلستان ہوکر
گرے شبنم کے قطرے چرخ سے عنبر فشان ہوکر

گیا کلفت کا دورہ رنگ بدلا ہے زمانے نے
گھٹا چھائی مسرت کی چمن پہ آسمان ہوکر

چمن مین یون نزول لشکر آرام و راحت ہے
وطن مین کاروان جسطرح آئے شادمان ہوکر

کہین ہے رنگ پھولونپر کہین جوبن ہے غنچونپر
بنا رشکِ ارم گلشن ہجوم گلرخان ہوکر

لبِ بلبل پہ نغمہ ہے۔ کلی چٹکی مسرت سے　　مبارکباد دونون گائینگے اب ہمزبان ہوکر
نسیم صبح خوش ہوکر سنانے آئی ہے مژدہ　　ظہور شانِ رحمت کن فکان ہے شادمان ہوکر
ملا جب چاند سا بیٹا ضیاء الدین احمد کو　　ہوا ہر موے تن وقفِ سپاس حق زبان ہوکر
سراپا حسن و خوبی ہے یہہ جب فرزند نیک اختر　　نہ چمکے کسلیئے دنیا مین نجمِ خاندان ہوکر
حمید اب آرزو ہے تا قیامت باغ عالم مین
پھلے پھولے یہہ نخلِ آرزوے دل جوان ہوکر

محمد عبد الحمید۔ حمید میرٹھی
طالبعلم کلاس دہم۔ ایم۔ اے۔ او۔ کالج علیگڈھ

ایک دلچسپ تفریح

(زیر سرکردگی جناب پروفیسر ولایت احمد صاحب)

گرمیون مین سخت دھوپ۔ دوپہر کی لو اور آئے دن کی آندھیون نے پریشان کردیا تھا کہ یکایک جمعہ کے روز شب کے آٹھ بجے سے فرحت افزا ہوا کے جھونکے چلنے شروع ہوئے اور مدت کے تپش زدون کے لئے تسلی بخش (بارش) کے پیام لائے۔ کالے کالے بادل چارون طرف سے آسمان پر محیط ہوگئے۔ رات کی تاریکی نے شب کے آوارہ گردون کو یعنے (The heroes of Night expedition) گدگدایا اور اب کواڈرینگل (Quadrangle) کی ہر سمت مین نعرہاے بلند گونجنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد بجلی کی چمک اور بادلون کی مہیب گرج جوکہ ہمارے معزز دوست عرف ملتانی (S.M.E) کی کڑک سے کچھ ہی زائد تھی سامعہ نوازی کرنے لگی۔ رات کے ۹ بجے بارش شروع ہوئی اور چونکہ متواتر (Night expedition) نائٹ اکسپیڈیشین اور گرمی کی شدت سے کئی گذشتہ شبون مین آرام کرنے کا موقع نصیب نہ ہوا تھا ان سرد ہوا کے جھونکون نے کچھ ایسا مست اور متوالا کردیا تھا کہ دفعتاً سب آوازین

بند ہوگئیں اور چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔ ہم بھی ایسی میٹھی نیند سوئے کہ صبح کے سات بجے ہوش آیا۔ آنکھ کھلی تو کیا دیکھتے ہیں کہ تمام درختوں نے غسل کر کے دھانی جوڑے تبدیل کئے ہیں اور سورج کی زرد کرنیں ان پر لوٹی جاتی ہیں کالج کی عمارتوں کا رنگ بھی کچھ اور سے اور ہو گیا ہے اور ایک عجیب شوخی ہر پھول اور پتے سے ٹپک رہی ہے۔ بے جان قالبوں میں ایک تازہ روح آگئی ہے اور تمام مخلوق خدا بشاش نظر آتی ہے۔ ہمارے دل میں بھی کچھ ولولہ انگیز امنگیں اٹھیں لیکن کالج کی گھنٹی کی ٹن ٹن نے فوراً چونکا دیا اور کتابیں بغل میں دبا کر آسمان منزل کی راہ لی۔ کلاس میں پہنچے تو پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ اس خوشگوار موسم کا لطف اٹھانا چاہیئے۔ چنانچہ یہ رائے قرار پائی کہ جتنے سائیکل سوار ہیں وہ ایک بجے پروفیسر صاحب کے بنگلہ پر جمع ہو جاویں۔ تاکہ علیگڈھ کے گرد و نواح میں جو آثار الصنادید اور تاریخی یادگاریں ہیں انکے متعلق تحقیقات کیجاے۔ سب لوگ خوش خوش اپنے اپنے کمروں پر واپس آئے اور مقررہ وقت پر پروفیسر صاحب کے بنگلہ پر پہونچے۔ چونکہ منٹو (کالونی) کے اصحاب ابتک تشریف نہ لائے تھے اسلئے کچھ انتظار کرنا مناسب سمجھا گیا۔ غرض ڈیڑھ بجے تک کافی تعداد ہوگئی اور ہلوگ کچھ سائیکلس پر اور کچھ یکّوں پر بیٹھ کر روانہ ہوے۔ دو میل سفر کے بعد تحصیل کھیر کی سڑک پر پہونچے اور قریب چھ فرلانگ گئے ہونگے کہ سڑک کے بائیں جانب کچھ کہنہ عمارتیں اور پرانی قبریں نظر پڑیں یہاں سے سب لوگ پیدل ہو کر اس سمت کو روانہ ہوے۔ اس میدان کے متعلق یہہ روایت مشہور ہے کہ یہاں کسی زمانہ میں ایک بہت بڑی جنگ ہوئی تھی گو تاریخ سے اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا مگر چند نشانات مثلاً میدان کی وسعت کہنہ قبریں اور انسانی ڈھانچوں کی ہڈیاں اسبات کا کافی ثبوت ہیں کہ یہاں ضرور کوئی جنگ ہوئی ہوگی۔ اسی جگہ ایک کہنہ کنگلھی کی اینٹوں کی قبر نظر پڑی جسکا تعویذ دوسری ڈھئی ہوئی قبروں سے کسیقدر مرتفع اور بلندی پر واقع ہے۔ یہہ اینٹیں (کنگلھی کی) اب سے دو سو برس پہلے رائج تھیں۔ یہہ قبر قاضی شہر کے نام سے مشہور ہے اور اسپر اب بھی سالانہ میلہ ہوا کرتا ہے۔ اسی میدان میں دو ماہ

قبل پروفیسر صاحب کو ایک مردہ ڈھانچے کا کاسۂ سر ملا تھا جسکے متعلق ڈاکٹر نثار احمد صاحب نے یہہ تحقیق فرمائی کہ یہہ کسی غیر معمولی انسان کا سر ہے کیونکہ اسکی نصف موجودہ کی جسامت زمانۂ حال کے دو آدمیونکے سرون کے برابر ہے اس کاسۂ سر کی بڑائی سے یہہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہہ کسی سامی نسل یعنی (Semetic origin) آدمی کا سر ہے۔ ایک خاص صفت اس میدان کی یہہ ہے کہ یہان کی نہایت سخت ہے اور اسوجہ سے پرانے پرانے مردونکی ہڈیان اکثر مسلّم پائی جاتی ہین جنکا نرم زمین مین ابتک قائم رہنا بالکل غیر ممکن تھا کیونکہ نرم زمین مین ہڈی بہت جلد گل جاتی ہے اسیطرح سیر کرتے ہوے مشرق کیجانب بڑھے کہ اسطرف کچھ کہنہ عمارتیں نظر آرہی تھیں۔ راستہ سے ملا ہوا ایک زمین دوز خشک کنوان دکھائی دیا اس سے آگے بڑھے تو اس مشہور باولی پر پہونچے جو نواح علیگڈھ مین سب سے بڑی ہے۔ اور جسکا مشہور سیّاح ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ مین ذکر کیا ہے۔ اسی مقام پر وہ دو تین روز ٹھہرا تھا اور صرف سرسون کے پتے کھا کر دن گذارے۔ یہان سے بڑھے تو نیا قبرستان نظر آیا اسمین قابل ذکر صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب کے والد مرحوم کا مقبرہ ہے جہان سالانہ عرس بھی ہوتا ہے۔

یہان سے گذر کر حضرت شمس العارفین رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ کے احاطہ مین داخل ہوے ڈوگا ؤن جمال پورا اور دودھ پور اس درگاہ کے لئے وقف ہین۔ یہان تقریبًا پندرہ مجاور تھے۔ جب مقبرہ مین داخل ہوے تو حرمت کی وجہ سے سب لوگون کو بونٹ آتارنا پڑے۔

یہہ بزرگ اس گرد و نواح مین بہت مانے جاتے ہین اور انکے متعلق بہت سے قصّے اور روایتین قرب و جوار کے باشندونمین مشہور ہین۔ بعض کا قول ہے کہ آپ مسلمانونکی طرف سے جاسوس بناکر بھیجے گئے تھے اور چونکہ ہندو راج تھا اسلئے آپ یہان قتل کرادئے گئے اور بعض کہتے ہین کہ قطب الدین ملک کے فاتح ہمراہیون مین سے تھے۔ اصل مین معلوم ہوتا ہے کہ کوئی درویش ہونگے جو یہان آکر رم گئے اور بعد وفات یہہ مقبرہ بنا دیا گیا۔ کیونکہ اگر اول روایت صحیح مان لیجائے تو مقبرہ وغیرہ ہرگز نہ بنتا۔

اس مقبرہ کا احاطہ بہت بڑا ہے اور صاحب مذکور کی قبر کے چارون طرف سیکڑون قبرین پھیلی ہوئی ہین۔ اسکی جنوبی دیوار مین ایک کتبہ خط طغرے مین لکھا ہوا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہہ کسی مسجد سے نکالکر یہان لگایا گیا ہے لیکن اسمین کوئی تاریخ وغیرہ کندہ نہین ہے۔ عبارت فارسی ہے۔ اگرچہ تمام قبرون پر بہت کثرت سے جھاڑیان پھیلی ہوئی تھین اور راستہ دشوارگذار تھا تاہم ہمراہیون کی مشترکہ کوشش سے بعض بعض نہایت پرانی قبرون تک رسائی ہوگئی اور بہتون پر عربی کتبے لکھے ہوے ملے انمین بہت سے کتبے پڑھے نہ جاسکے۔ اور بعض ایسے تھے جنکا خط صاف پڑھ لیا گیا لیکن نام اور تاریخ کا پتہ نہ ملا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے زمانہ مین نام و تاریخ لکھنا کچھ ضروری نہین خیال کیا جاتا تھا۔ ایک قبر ملی جسکے تعویذ پر کلمہ شریف اور پوری آیت الکرسی لکھی ہوئی تھی سمت مغرب مین ایک دوسری قبر پر یہہ عبارت کندہ تھی۔

یا فتاحُ

سنہ ۲۵۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا اللہ۔ یا اللہ۔ یا اللہ۔ ناد علیا مظہر العجائب ....

شمالی حصہ مین چونکہ راستہ بہت زائد مخدوش اور ناہموار تھا اس سبب سے وہ حصہ چھوڑ دیا گیا۔ جنوبی حصہ مین ایک قبر پر کتبہ لکھا ہوا ملا تاریخ صرف بست پنجم شوال لکھی ہوئی تھی مغربی حصہ کے جنوبی سمت کو گذر ہوا ایک قبر دیکھی کہ اوسکے وسط تعویذ مین ایک سفید پتھر پر ایک قدم کا نقش بنا ہوا تھا مجاورون نے بیان کیا کہ یہہ آنحضرت کا قدم شریف ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہہ پتھر کوئی صاحب بوجہ حرمت اپنے ساتھ لائے ہونگے اور وہ انکی وفات کے بعد قبر پر نصب کردیا گیا اسی قبر پر ایک عربی کتبہ لگا ہوا تھا گو ان بزرگ کا نام اسمین کندہ نہ تھا لیکن تاریخ وفات سنہ ۲۶۱ھ لکھی ہوئی تھی۔ اسی حصہ کے کونہ مین ایک اور بزرگ کی قبر پر گذر ہوا جسکے متعلق یہہ روایت مشہور ہے کہ اگر کوئی حافظ یہان بیٹھا قرآن شریف کی تلاوت کررہا ہو اور وہ کسی مقام پر بھول جاوے

توخود بخود اسکی یادکام دیجاتی ہے۔ ان کتبون سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی سنہ ہجری مین اسلامی روشنی بخوبی پھیل گئی تھی لیکن تاریخ سے اسکا کوئی پتہ نہین چلتا یہہ ضرور ہے کہ مسلمانون نے پہلی ہی صدی ہجری مین سندھ کو فتح کرلیا تھا اور کچھ لوگ اِدھر اُدھر پھیل بھی گئے تھے جنکا پھر کوئی پتہ نہین چلا لیکن تھوڑے عرصہ بعد مسلمانونکی حکومت سندھ سے اُٹھ گئی تھی اور راجپوتون نے کسی مسلمان کو باقی نہین چھوڑا تھا یہانتک کہ ہندوستان پر دوسرا حملہ محمود غزنوی نے چوتھی صدی ہجری مین کیا اور از سرنو اسلام کی اشاعت ہوئی۔ علاوہ ازین مذکورہ بالا کتبون مین سے ایک مین دوسو پچاس ۲۵۰ سنہ ہجری تاریخ وفات دی ہے اور کتبہ مین لفظ "نادعلیا" لکھا ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہہ کسی صوفی کی قبر ہے کیونکہ نادعلی کا تعلق صوفیہ کرام سے ہے اور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اول صوفی تھے جو ہندوستان مین آئے اس سے پہلے ہندوستان مین صوفی تو صوفی کوئی مسلمان بھی نہ تھا۔ اسلئے ہم ان واقعات کے متعلق کوئی سالم راے نہین قرار دے سکتے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اِس مقام کی سیر کے بعد ہملوگ باہر نکلے اور مشرقی عمارت کے کھنڈرون کے جانب رخ کیا۔ اول ایک احاطہ کی دیوار جسکا مغربی حصہ سالم رہگیا ہے نظر پڑی اسمین ایک فارسی کتبہ جو ذیل مین درج کیا جاتا ہے نصب ہے۔

عیدگاہ

بعہد خسرو غازی بہ دور شاہ دین پرور	جلال الدین محمد شاہ بر شاہنشہان اکبر
بنا کرد این عمارت محمد گیسو از خانے	نبی را میوۂ جانست و علی را دیدہ انور
مرتب شد بخوبی این عمارت در مہ رمضان	ز ہجرت بود سالش نہ صد و ہفتاد بالاتر

اِس سے معلوم ہوا کہ یہہ عیدگاہ عہد اکبری مین گیسو خان نے جو کہ مغلونکی طرف سے علیگڈھ کا گورنر تھا تعمیر کرائی تھی۔ اسکے آگے ایک کشادہ میدان ہے جسکے متعلق یہہ روایت مشہور ہے کہ یہہ گیسو خان کا باغ تھا۔ گو اسکی صداقت کا کوئی کافی ثبوت نہین ملتا لیکن چند علامات جو اس

بگڑی ہوئی حالت مین نمایان ہین صاف طور پر بتلاتی ہین کہ یہان کسی زمانہ مین بہت بڑا شاندار باغ موجود ہوگا۔ اُسکے چارون کنارون پر چار برج بنے ہوے تھے گو اب تین بالکل منہدم ہوگئے ہین لیکن شمالی برج جو کافی بلندی اور وسعت رکھتا ہے اپنی خراب اور خستہ حالت مین بدستور قائم ہے۔ اس برج کی بلندی سے معلوم ہوتا ہے کہ گیسوخان یہین بیٹھ کر باغ کی سیر کرتا تھا۔ اس برج سے آگے بڑھے تو ایک فوارہ کا حوض ملا جس سے پتہ چلا کہ باغ مین برج کے سامنے فوارہ بھی چھوٹا کرتا تھا۔ کچھ دور چلکر اسی زمین مین ایک بڑا کہنہ کنوان ملا جسکے چارونطرف پانی دینے کی نالیان پختہ بنی ہوئی تھین۔ اِدھر اُدھر گھومے تو کئی جگہ سطح زمین پر پختہ نالیونکے آثار نظر آئے جو کہ آبپاشی کے غرض سے بنائی گئی ہونگی اِس سے اندازہ کیاجاسکتا ہے کہ وہ باغ کسقدر پرتکلف اور شاندار ہوگا۔ اس میدان کے جنوبی سمت مین ایک برج نما کہنہ عمارت بنی ہوئی ہے اور یہی گیسوخان کا مقبرہ ہے اسپر جالی کے کام کے نہایت خوبصورت نشانات موجود ہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصلی پتھر کی جالیان اسپر سے اتار لی گئی ہین اب جابجا سے یہہ عمارت بوسیدہ ہوگئی ہے۔ اسکے مغربی جانب دوگز کے فاصلہ پر ایک اونچی دیوار کھینچی ہوئی ہے اور اسکے اندر ۴ فیٹ بلندی پر ایک پچ طاق بنا ہوا ہے شاید یہہ جگہہ حافظون کے قرآن خوانی کے لئے بنائی گئی ہوگی۔ اس مقبرہ کے مشرقی حصّہ مین چار گز کے فاصلہ پر ایک اور بڑے آثار کی دیوار ہے اور قریب ۷ فیٹ بلندی پر ایک چھوٹا دروازہ بنا ہوا ہے اس دیوار کے پیچھے دو بڑے پشتہ لگے ہوے ہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ مقبرہ کی عمارات کا سلسلہ یہانتک پھیلا ہوا تھا لیکن اب سب منہدم ہوگیا اور یہہ پشتہ صرف اس دیوار کی حفاظت کے لیئے بعد مین لگا دئے ہین۔

یہان سے کچھ دور مشرق کی جانب اس باغ کے صدر دروازہ کے کچھ نشانات معلوم ہوتے ہین اور کہا جاتا ہے کہ اُس زمانہ مین نقارخانہ اسی دروازہ پر تھا۔

بس یہی ہمارے آج کے اکسکرشن (Excursion) کی غائت تھی اور چونکہ پروفیسر صاحب

کو جونیر سوسائٹی کے ایک جلسہ مین ۵ بجے شریک ہونا لازمی تھا اسلیئے سب لوگ دائین بائین سرسری نگاہین ڈالتے ہوے واپس لوٹے راستہ مین ایک ٹوٹی ہوئی قبر دکھائی دی جس کے اندر انسانی ڈھانچے کی ہڈیون کا ڈھیر اور پانچ چھ کھوپڑیان بے ترتیب پڑی ہوئی تھین - ایک سر کو امتحاناً نکالا گیا تو معلوم ہوا کہ بہت پرانے زمانہ کا ہے پھر بدستور یکون اور بائیسکلون پر سوار ہوکر پونے پانچ بجے اپنے اپنے کمرون پر واپس آگئے - ہماری دوسری لٹریری اکسکرشن کے دلچسپ واقعات جو کہ سولہ [۱۶] اور سترہ [۱۷] کو بمقام نروا جاوینگی انشاء اللہ آیندہ منتھلی مین درج کیئے جاوینگے - فقط

خلیل ٹونکی
سکنڈ ایر کلاس

نولح کالج مین گولون کی آوازین

جب تک مین اس کالج مین داخل نہوا تھا ان گولون کی آوازون کے متعلق مختلف قسم کی افواہین سنتا رہا - لیکن اب خدا کا کرنا کچھ ایسا ہوا کہ مین یہان داخل ہوا اور منٹو سرکل مین آیا جہان سے ان آوازون کے متعلق کوئی تحقیقات کرنا بہ نسبت کالج کے کسی اور مقام کے زیادہ آسان ہے -

آج اتفاقیہ علیگدھ منتھلی کے گذشتہ پرچون کی سیر کرتے کرتے جون ۱۹۱۲ء کے نمبر مین قاضی جلال الدین صاحب کا ایک مضمون بھی بعنوان بالا نظر آیا - لیکن تقریباً ایکسال کے قیام کالج کے تجربہ کے بنا پر مجھے قاضی صاحب کے چند دلائل سے اختلاف پیدا ہوتا ہے -

قاضی صاحب فرماتے ہین کہ "ان آوازونکا دن مین سننے کا کبھی اتفاق نہین ہوا" لیکن برخلاف اسکے اس سال کئی بار اسی قسم کی آوازین خود مین نے اور دو ایک اور اصحاب نے سنین - زمانۂ قرب امتحان مین ہم مین سے چند لوگ سبق یاد کرنے کی غرض سے جنگل کی

جانب نکلجاتے تھے چنانچہ وہاںپر یہہ آوازین سنائی دین - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہہ آوازین دن کو بھی ہوتی ہین لیکن چونکہ دن کو آدمیونکے بولنے چالنے کی آوازین ہوا مین گونجتی ہیتی اور سب لوگ اپنے اپنے کاموںمین مشغول رہتے ہین اسلئے یہہ آوازین نہین سنائی دتیین اور رات کے وقت چونکہ چارون جانب خاموشی کی گھنگھور گھٹا چھاجاتی ہے اسلئے ان آوازون کے سننے مین زیادہ آسانی ہوتی ہے -

مین اسوقت جو کچھ عرض کرر ہا ہون اوس سے میرا یہہ مطلب نہین ہے کہ خواہ مخواہ یہان کوہ آتش فشان ہی ہے یا یہہ کہ مولانا کالے خانصاحب دوندے شہید اپنی روحانی قوت سے گولے چھوڑتے ہین - بلکہ قاضی صاحب کے دلائل کے خلاف جو مجھے ذاتی تجربہ حاصل ہوا ہے وہ عرض کرتا ہون -

قاضی صاحب ایکدوسری جگہہ فرماتے ہین کہ یہہ سب براتون کے گولون کی آواز ہوتا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ کالج کے گردونواح مین کثرت سے نہایت متصل دیہات واقع ہین -

ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو لیکن ہم نے فرض کیا کہ کالج کے پانچ یا چھ کوس کے درمیان مین پچاس گانون ہین گو غالباً اتنے گانون دس کوس کے درمیان بھی نہونگے - لیکن کیا یہہ ممکن ہے کہ ان مٹھی بھر گانوون مین چند ماہ تک روزمرہ اتنی براتین آوین کہ رات بھر گولے چھوٹتے رہین ہمنے یہہ بھی مانا کہ اونمین سے کسی نہ کسی گاؤنمین ایک نہ ایک بارات ضرور ہوتی ہوگی لیکن مجھے خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ گانون کی شادیون مین نصف سے زیادہ باراتین ایسی ہوتی ہین جسمین گولے نہین استعمال کئے جاتے - دوسرے یہہ کہ اس سال تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ آوازین اوس روز عام طریقہ پر زیادہ زوردار اور لاتعداد آتی ہین جسروز دنمین زیادہ گرمی پڑتی ہے تو کیا یہہ ضرور ہے کہ جسروز زیادہ گرمی پڑے اوسی روز باراتین زیادہ آوین -

ہم نے مانا کہ قاضی صاحب نے ایکروز کی تحقیقات مین یہہ معلوم کرلیا کہ فارم سرکاری

کے قریب بارات ٹھہری ہوئی تھی۔ لیکن اس سے یہہ نتیجہ نہین نکل سکتا کہ ہمیشہ ایک نہ ایک بارات ہی آجاتی ہو۔

ان واقعات کو تو مدنظر رکھ کر یہہ بارا تو نکے گولون کی آوازین معلوم نہین ہوتین۔ اپکی ارادہ ہے کہ شب ماہتاب مین ایک بڑا مجمع طلبا کا اِن آوازونکی تحقیقات کے واسطے نکلے۔ اوسوقت جو کچھ بھی نتیجہ نکلے گا اونہین ہم انشاء اللہ تعالےٰ کسی آیندہ ایشیو مین ظاہر کرینگے۔

شبیر حسین مارہروی
متعلم سکنڈ ایر

اس تحقیق طلب توہم کے دور کرنے کے غرض سے ایک نہین بہت سے وجوہ جون ۱۹۱۲ء کے مضمون مین درج کر چکا ہون۔ غنیمت ہے کہ پورے دو سال کے بعد انمین سے ایک دو کی تردید کی طرف توجہ تو ہوئی۔ کسی امر کی توجیہ دوسری چیز ہے اور کسی واقعہ کو قبول کرنے کے لیئے دل کا نہ ماننا شے دیگر ہے۔ اگر ایک روز کی تحقیقات قابل وثوق نہین تو ایک رات کی تفتیش بھی کیونکر برہان قاطع بن سکتی ہے۔ شادیون کا تعین دیہات کی شمار پر نہین ہے بلکہ آبادی سے متعلق ہے۔ علیگڈھہ سے دس میل تو دور فاصلہ ہے ۵ میل کے نصف قطری دوَر مین ۳ لاکھ سے زیادہ آبادی ہے اور یہان کا یہہ معینہ دستور ہے کہ اور کچھ ہو نہو شادی مین گولے ضرور ہون۔ سالگذشتہ ہنڈون کا سہالگ نہ تھا شاذو نادر گولے سنائی دیئے۔ اب کی فصل ہے۔ آوازون کی بھی کثرت ہے۔ عملی تحقیقات کے لیئے تو بہت سا وقت خراب کرنے کی ضرورت ہے اگر کوئی صاحب محض سقدر بھی تکلیف گوارا فرمادین کہ کسی پنڈت جی سے شادیون کی تاریخین اور مہورتین اپنی ڈایری مین لکھ لین اور پھر کمی بیشی آوازون کا موازنہ کرین تو بھی مسئلہ پر کافی روشنی پڑیگی۔ ورنہ آواز بازگشت اور بازگشت در بازگشت کا قصہ اور آواز کا مجسم اور موقت اور مرئی نہونا ایک رات کی محض دوڑ دھوپ سے معرض انکشاف مین گولون کے مسئلہ کو نہین لا سکتا۔ ایسی تحقیقاتون کے شرائط ہوتے ہین اور شرائط کے مبادی جب تک پھر طے نہ ہو جاوین اور پھر اسکی منطقی شکل سے

جرح قدح نہو لے تب تک عالمانہ تفتیش کا درجہ نہ دیا جاویگا۔ مین اپنے مضمون مین صاف لکھ چکا ہون کہ وہ فیصلہ نہین بلکہ تحقیق حق کی ایک تحریک ہے۔ اور سعی الی التفتیش کیطرف ایک تحریص۔

(ایڈیٹر)

ایم اے او کالج پوئیٹکل سوسائٹی

انجمن مذکور کا ایک معمولی جلسہ بتاریخ ۲۴ رمئی ۱۹۱۲ء بوقت شب ۹ بجے گریجوایٹس لان پر منعقد ہوا۔ جناب قاضی جلال الدین صاحب جلال صدر جلسہ تھے۔ حاضرین جلسہ کی تعداد معقول تھی۔ سب سے اول صاحب صدر نے ایک تجویز پیش فرمائی کہ "اگر شعرائے مشاہیر بیرونجات مضامین مقررہ پر اپنا کلام فصاحت التیام انجمن کو روانہ فرمائین تو وہ شکریہ کے ساتھ قبول کیا جاوے اور جلسہ انجمن مین سنایا جاوے"۔ جناب سجاد علی صاحب انصاری اثر نے تائید فرمائی اور آخرکار تجویز ہذا بالاتفاق پاس ہوگئی۔ یہہ بھی قرار پایا کہ آیندہ سے جلسہ "مضمون برائے بندش" اور "مصرع طرح" دونون اصناف شاعری پر مشتمل ہوا کرے۔ بعدہٗ شمع کو حرکت دیگئی اور غیر طرحی کلام کا سلسلہ شروع ہوا۔ مندرجہ ذیل حضرات نے اپنے کلام سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔ جناب سجاد علی صاحب اثر۔ جناب غلام محی الدین صاحب اسیر نائب معتمد اعزازی انجمن۔ جناب محمد کبیر صاحب رسا و خادم آثم۔ اب "مضمون برائے بندش" کے لئے جو "منظر آبی" تھا۔ شمع کا دور ثانی شروع ہوا لیکن نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سوا اس ہیچمدان کے اور کسی صاحب نے اپنے افکار رسا سے حاضرین کو مستفید اور انجمن کی رونق کو دوبالا نہ فرمایا۔ الغرض خاکسار کا مسدس موسوم بہ "پیلی ورکا ویری" پڑھا گیا۔ اور تقریباً ۱½ گھنٹہ کی پرلطف و دلچسپ صحبت کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

ایوب احمد آثم

معتمد اعزازی

"میں" اور "کاویری"

لے گئی رات مجھے فکر رسا سوئے دکن دیکھا اِک خطۂ شاداب کہ تھا رشک عدن
غنچۂ غنچہ سے ٹپکتا تھا ستم کا جوبن پتّہ پتّہ وہ دلاویز کہ گویا گلشن
بھینی بھینی عجب انداز سے چلتی تھی نسیم
دل پسے جاتے تھے۔ اس ناز سے چلتی تھی نسیم

گدگداتی تھی غضب دل کو وہ پر لطف فضا جب چلی موج ہوا آپ سے انسان چلا
پڑگئی آنکھ جہاں۔ سبزہ پہ جی لوٹ گیا صورتِ نقشِ قدم آگے قدم بڑھ نہ سکا
تھی زمیں کے تنِ نازک پہ جو دھانی مخمل
اُس پہ قربان ہوے جاتے تھے کالے بادل

بزم قدرت کے مناظر کا یہ دیکھا عالم وہیں اِک نہر بھی دیکھی کہ بصد یاس والم
آہیں بھرتی ہوئی اس وادی میں رکھتی ہے قدم پچھمی گھاٹ کی کاویری۔ عیاں چہرہ سے غم
جانبِ غرب سے بے چین چلی آتی تھی
سر کو ٹکراتی۔ کنارہ سے گذر جاتی تھی

مضطرب حال۔ جگر تفتہ۔ نزار و بیتاب جیسے دیکھے ہوئے آتی ہو پریشاں کوئی خواب
پھوٹ کر روتی ہے جس طرح سے چشم پُر آب لاکھ اُبھرتے تھے مگر پھوٹتے ہی جاتے تھے حباب
اسکی فریاد قیامت کا اثر رکھتی تھی
دمبدم ہائے جگر ہائے جگر کرتی تھی

میں نے پوچھا کہ "تجھے کس نے کیا ہے نالاں ایسی کیا آتشِ غم ہے ترے دل میں پنہاں
سوگ میں کس کے ہے شیون کے ہیں کیوں ساماں دل کے ٹکڑے کئے دیتی ہے یہ فریاد و فغاں
کیا سے کیا ہو گئی حالت تری اے وائے ستم

موجِ خوں موج ہے اور سیل ہے گرداب الم

"ہے زمیں بھی وہی۔ تو بھی وہی۔ ساحل بھی وہی ‏ ‏ ‏ ‏ وہی لیلیٰ ہے۔ وہی نجد ہے۔ محمل بھی وہی
مطلعِ صبح وہی۔ تاروں کی محفل بھی وہی ‏ ‏ ‏ ‏ ہے گلستاں بھی وہی۔ آب وہی گِل بھی وہی

پھر سبب کیا۔ جو پریشان چلی جاتی ہے
یوں سراسیمہ و حیران چلی جاتی ہے

"کیا ہوئی۔ تجھ میں وہ پہلی سی ادا ہی نہ رہی ‏ ‏ ‏ ‏ وہ نضافت۔ وہ طراوت۔ وہ فضا ہی نہ رہی
کیا ہوا بدلی کہ اگلی سی ہوا ہی نہ رہی ‏ ‏ ‏ ‏ امن کو تیری جہاں میں کوئی جا ہی نہ رہی

ہائے کسطرح لٹا چرخ کے ہاتھوں یہ چمن
رہ گیا ایک فقط نام برائے شیون

"گو زمانہ نے جفائیں بھی بہت کیں تجھ پر ‏ ‏ ‏ ‏ اور ادبار کی پستی میں ہے تیرا اختر
لیکن اب فائدہ کیا۔ ہوتی ہے ناحق مضطر ‏ ‏ ‏ ‏ صبر کر صبر۔ یہی حق میں ہے تیرے بہتر

جانے دے۔ کر نہ یہ شوریدہ سری کاویری
تا بکے حسرتِ بے بال و پری کاویری"

میں جو خاموش ہوا۔ موجوں میں دیکھی حرکت ‏ ‏ ‏ ‏ غیر ہونے لگی کاویری کے دل کی حالت
آخرش چیخ اوٹھی۔ "پوچھ نہ قدر و قیمت ‏ ‏ ‏ ‏ میں ستمدیدہ زمانہ میں ہوں نقشِ حسرت

ہچکیاں بندھتی ہیں۔ افسانۂ غم ہائے نہ چھیڑ
خون ہوتا ہے جگر۔ ذکرِ الم ہائے نہ چھیڑ

دِل پہ جو گذری ہے کسطرح دکھائے کوئی ‏ ‏ ‏ ‏ لے کے اِس باغ کو کیا آگ لگائے کوئی
یہ وہ قصہ ہی نہیں جس کو سنائے کوئی ‏ ‏ ‏ ‏ خواب ہے وہ۔ کہ نہ تعبیر بتائے کوئی

رحم کر۔ پوچھ نہ کچھ مجھ سے۔ تجھے کیا ہے خبر
کِن مصائب میں گرفتار ہوں میں تفتہ جگر

"رنگ محفل کا یہ بگڑا۔ نہ رہا کوئی سماں
کہیں ساقی کا پتہ۔ اور نہ ساغر کا نشاں
دورِ ساغر کے عوض گردشِ دوراں ہے یہاں
حسرت و بیکسی و یاس ہے ہر شے سے عیاں

اب نہ وہ ناز۔ نہ انداز۔ نہ رعنائی ہے
نہ وہ محفل۔ نہ وہ شانہ۔ نہ خود آرائی ہے

"وہ جزیرہ۔ جوانِ آنکھوں کا کبھی تھا تارا
اوسمیں آتا ہے نظر ایک پرانا قلعہ
مراد ہے سرنگاپٹم
ہائے برشکوں جو اِس آغوشِ محبت میں پلا
ایسا ٹوٹا۔ کہ مرا تارِ سکوں سے ٹوٹا

جو نہ دیکھا تھا۔ اِن آنکھوں نے دکھایا۔ ہے ہے
نہ سُنا تھا۔ سو وہ کانوں نے سنایا۔ ہے ہے

"حیدر و ٹیپو کہ تھے صاحبِ جاہ و حشمت
جنسے قائم تھی کچھ اِسلام کی شان و شوکت
میں توانِ باغوں کی گلچیں تھی مگر یا قسمت
انکی کونہ نظری سے لٹی ساری دولت

جھلملانے سے کچھ اسلام کے تارے نہ رہے
غم ہے اسباب کا آثم وہ سدھارے نہ رہے

خاکسار ایوب احمدؔ آثم

کاش

کالج کی ہر سوسائٹی اور ہر ایک فنکشن کی رپورٹ اسکے ذمہ دار آفس کے جانب سے آیا کرے تو نہایت خوشی چھاپی جایا کرے ہمیں امید ہے کہ آیندہ مضامین سے بھی ہمارا ہاتھ بٹایا جاوے گا۔ کیونکہ ایک باضابطہ کمیٹی استعانت کے لئے اس ماہ مین بنگئی ہے (ایڈیٹر)

reading. Classical allusions, as they were met with were also briefly but vividly explained.

The President next directed the Secretary to send for 13 copies of 'Shakespear's Tragedies of the 'Everymans' Library Series' in order to make up 20 volumes in all, including the 7 volumes already in possession of the Society. Henceforth every member will have a copy for his use so that a better reading of the 'plays' will be facilitated.

The meeting then terminated with a resolution that the Second Act of the same play be read on Monday next and that the time for beginning the meeting be fixed at 9 P.M.

It has been proposed to hold a penny-reading of the Society by the close of this session. Our Principal who is keenly interested in the welfare of the Society has kindly acquiesced in the proposal and has voluntarily suggested to us the performance of Sheridan's 'The Rivals'. Further proceedings relating to the contemplated penny-reading will be made known later.

SYED MUNAWAR,

Dated 24th May 1914.

Honorary Secretary.

PUBLICATIONS RECEIVED.

Our Contemporaries.—We beg to acknowledge with thanks the receipt of the following periopicals for May :—*The Aligarh Institute Gazette, The Central Hindu College Magazine, The Collegian, The Comrade, The Observer.*

We also have to acknowledge, with thanks, the receipt of the following from the Department of Land Records ann Agriculture, United Provinces of Agra and Oudh :—

Bulletin No. 30.—*Agricultural Series.*—Names of the Field and Market Garden Crops and of the principal Fruit and Timber Trees of the United Provinces of Agra and Oudh.

Macbeth was read, the following being the *cast of the Play* :—

Messrs.—

1.	Syed Munawar	... Macbeth.
2.	Zahir-ud-din	... Lady Macbeth.
3.	Syed Hasnain	... MacDuff and an old man.
4.	Sajjad Ali Ansari	... Lady MacDuff.
5.	Ghulam Haidar	... Duncan.
6.	Faz-lur-Rahman Khan	... Angus and 1st witch.
7.	Shafaat Husain	... Malcolm.
8.	Athar Husain	... Caithness and Young Siward.
9.	Yaqub Ali Rizvi	... Lennox and a gentlewoman of L. Macbeth.
10.	Azmat-ullah Khan	... Banquo and an attendant.
11.	Md. Usman (IV Yr. A.)	... Fleance and an apparition.
12.	Ghulam Muhammad	... Siward and an apparition.
13.	Abdus Samad Khan	... Ross and Hecate.
14.	Ghulam Mohi-ud-din	... Donalbain.
15.	S. Jafar Hasan Zaidi	... Eng. Doctor and III witch.
16.	S. Md. Siraj-ul-Haque	... Boy, son to MacDuff and a Portor.
17.	Arif-ud-din	... Scotch Doctor and a messenger.
18.	Irshad Ali	... Mentith and an attendant.
19.	Md. Yasin Siddiqui	... Seyton and an apparition.
20.	Sharif-ullah Khan	... Sergeant and II witch.

The meeting was remarkably successful, as 14 out of 19 members attended it, and each read his respective part with marked facility and with emphasis and stress wherever necessary. At the end of every speech, the President cleared all the difficulties and enlightened the meanings of the phrases and idioms which occurred in the course of the

mentioning. The Diwan Khas reminds the students of Indian history of the glorious Moghal pageantry displayed in the Moghal Courts where Foreign Ambassadors' *taslims* and profound *sijdas* emphasised the Moghal grandeur. The Pearl Mosque has its own charms. But the famous Jurroca where the Emperors used to appear every day to show themselves to the people played a more important part in the court life. While leaving the fort our eyes fell upon a number of broken pieces of monuments with Persian and Hindi inscriptions.

It would do well, gentlemen, if some of us choose to go on an historical excursion in the neighbourhood of Delhi. We can rely for reference on some of the famous and authentic books which give us graphic description of the various Moghal buildings. But I do not think that everything connected with important historic incidents has been discovered and described.

I close this paper with sincerely grateful feelings for Lord Curzon who was the first to think fact for the restoration of the Moghal buildings.

The visitors cannot turn back from the fort without being extremely inspired with a sense of profound gratefulness for the great Pro-Consul.

SHAFAAT HUSAIN.

THE SHAKESPEARE SOCIETY.

A meeting of the above Society took place on Tuesday the 19th of May 1914, at 8 30 p.m., on the Graduates' Lawn. Prof. S. O. Purves, M A., the President of the Society, occupied the chair. As usual, the minutes of the previous meeting having been read and confirmed, the First Act of

the Great Moghals—unconciously reminds us of the long chequered Moghal history and its most awful close which seems to have been anticipated by Byron when he wrote:—

First conquest, and then glory; when that fails,
Wealth, vice, corruption, barbarism at last,
And history with all her volume vast
Is but one page.

Having thus grieved over the Moghal fate we turned towards a very important section of the Museum.

We saw numerous manuscripts, *Firmans* and valuable copies of such Persian books as Maulana Roomi's Masnawi, Hafiz's Diwan, Saadi's Bostan and Gulistan, and beautiful copies of the holy Quran which the Moghal Emperors used to recite and which fell into the hands of the British Government after the capture of the Delhi fort in 1857. Having visited the Museum our attention has naturally been arrested by the lofty buildings adjacent to the Musuem.

Of all the buildings in the fort the Ghusal-khana appeared to us most fascinating. It represents the merry side of the Moghal life. The Ghusal-khana, as its very name denotes the primary purpose for which it was meant, was used as Privy Council Chamber. As soon as we stepped into it we were naturally reminded of the funny experiences which Sir Thomas Roe underwent within those walls where the merry-hearted Emperor Jahangir kept up the flagon and the wine cup going in incessant rounds among his Courtiers and Councillors till late in the night. The roofed narrow lanes that lead to the inner part of the Ghusal-khana are really dark and the statement of Hawkins and Sir Thomas Roe that at nights they often knocked their head against the walls seems to be exactly true. Two other Royal buildings are worth

be verified to a large extent by making a brief visit to Delhi Museum.

Now I wish to refer to Bernier's remarks as regards the Moghal armour and Moghal ornaments. We find in the Museum numerous samples of both arms and ornaments. There are muskets and swords of various and different patterns. I confess that I felt proud when I touched some of these famous weapons bearing the names and titles of the Great Moghals.

The small dagger of Shah Tahmasp of Persia, who sheltered Humayun when he fled discomfitted by the Pathan hosts, tells its own tale. The long dazzling sword of Aurangzeb still inspires awe and reverence in the heart of every visitor.

The Museum also preserves a number of bows and arrows that speak of the Moghal archery and remind one of the good old days when human ingenuity had no conception of the deadlier and more destructive weapons of the modern age.

Another aspect of the Moghal life represented in the Museum is the Moghal Costume of which we do not find many samples. The few Royal robes disappoint our curiosity for studying the different patterns of Moghal dress. We wish we could be able to compare the Moghal Costumes at the different days of the Moghal rule in India. The few garments preserved are those worn by the last of Baber's house. The dress is extremely gaudy and the Royal robe still looks like a piece of cloth of gold. It is the striking feature of the dress that one can hardly distinguish the male garment from the female one. This gorgeous dress here speaks the effeminacy and luxury which characterised the latter-day Moghals. The fantastic trousers of the Captive-King—that wretched travesty of

become a hobby with the Moghals held a long sway over almost all of them. Jahangir might not have a similar conception as Akbar had, and Aurangzeb with all his puritanic ideas might have held it in disdain, but on the authority of the numerous contemporary historians and believing what our own eyes have seen in the Delhi Fort Museum we can unhesitatingly say that the Moghals were the great patrons of fine arts.

Even in the old unprogressive days they employed a legion of artists to work out some of the best specimens of fine arts that are still preserved.

The great philosopher-physician Bernier, who travelled in various parts of India and who lived long at the Moghal Court during the glorious reign of Shah Jahan, has praised the works of Indian artisans in no ordinary terms. His eloquent testimony to the design and execution of these works is unequivocal. He says that 'numerous are the instances of handsome pieces of workmanship made by persons destitute of tools and who can scarcely be said to have received instruction from a master. Sometimes they imitate so perfectly articles of European manufacture that the difference between the original and copy can hardly be discerned. Among other things the Indians make excellent muskets, fowling pieces and such beautiful gold ornaments that it may be doubted if the exquisite workmanship of those articles can be exceeded by any European goldsmith.' Bernier has also expressed his sense of admiration and wonder at the beauty and delicacy of Moghal paintings and miniatures. At this stage of my essay, gentlemen, I crave your pardon for the above lengthy quotation from Bernier. But I could not help doing so, because I thought I must tell you how Bernier's testimony recorded as far back as the past three centuries can still

him most. He also mentions how often he was pressed to part with some of his precious and fine pictures.

In his characteristic candid way Roe tells us that once while he was visiting the Great Moghals he showed him two pictures. The Emperor selected one of them, that one bring the image of a lady whom Roe loved above all things. She being dead, her picture became extremely lovable and indispensable to the British Ambassador. When the Emperor pressed him for the surrender of that beautiful picture, Roe found himself on the two horns of a painful dilemma. He could not help telling the Emperor the whole secret which so much endeared the miniature to the heart of the Ambassador. The Emperor, sympathising with Roe at the earthly separation that death imposed on him and his lady-love, promised to return the picture soon after a copy had been prepared by the native painter.

Seeing the picture the Emperor is said to have exclaimed, " A perfection, a miracle ! "

Roe has also mentioned that he found the portraits of King James and Queen Elizabeth hanging in the throne-chamber of Jehangir.

It was not only Jehangir's characteristic, but Akbar also had a peculiar eye for painting. He appreciated the art so much that while sarcastically criticising the stern attitude of the Mullas towards it he has been described in the Ain-Akbari to have remarked, " There are many that hate painting, but such men I dislike. It appears to me as if a painter had quite peculiar means of recognising God ; for a painter in sketching anything that has life, and in devising its limbs one after the other, must come to feel that he cannot bestow individuality upon his work and thus be forced to think of God, the Giver of life."

This lofty conception of the art of painting which soon

painter. Beautifully executed portaits of almost all the Moghal Emperors decorate the Museum walls.

Beside these Royal Portraits and those of the ministers and generals, there are other numerous paintings that depict the life of the Moghal Court, Seraglio, and the sports. There are pictures illustrating the Moghal hunting expeditions in which the Imperial princes are seen carrying hawks on their wrists.

Aurangzeb's marvellous feat which he performed while he was still young also forms a good model for painting. The slender but courageous youth appears to be intent on wounding the exasperated elephant. His long spear carried aloft in his hand seems to be his only comrade in his fierce struggle with the monstrous brute. The picture on the whole impresses the visitor as a charming romance. A student of Indian history finds in that part of the Museum moments of great gratification while he enjoys, for some time, the proud privilege of meeting such historical personages as the Great Moghal Emperors together with such eminent ministers and generals as Todarmal, Birbal, Mansingh, Jaysingh and Dalair Khan. The sight of this part of the Museum leaves an indelible impression on the mind of the curious visitor that almost all the Moghal monarchs from the first of their dynasty to the last possessed a critical and artistic taste for painting.

Even the latter-day Moghals, during whose days the Empire was fast falling to pieces, kept up their hereditary fondness for this art. Speaking of Jehangir Sir Thomas Roe has, as described in Purchas Pilgrimages, given a marked expression to the Great Moghal's fondness for pictures and paintings.

He frequently tells us that of all the presents that Jehangir receives the presentation of a picture or portrait pleases

life becomes empty-minded in the course of a few hours. Patience and perseverance are the only things that can revive his fortunes. Honesty must be the motto and leading principle of a trader.

With all its defects and unforeseen miseries, a free business must be preferred to the restraints of service.

MUHAMMAD IRSHAD ALI.

SOME ASPECTS OF MOGHAL LIFE.

(A paper read at a meeting of the Historical Society.)

MR. PRESIDENT AND GENTLEMEN,

Before entering upon any serious discussion of the subject I will request you to excuse me for a short apology without which, I am afraid, I may be misunderstood. A few days ago I happened to pay a short visit to Delhi. On the occasion of my previous visits I visited some of the important Moghal buildings, but this time I learnt that a Museum of the Moghal relics and antiquities has recently been opened in the Delhi fort for the benefit of the travellers and visitors.

I made up my mind to visit it, and when I had actually done so, this visit left in my mind certain strong impressions—such impressions of the Moghal life in India as I propose to discuss in this paper.

I will confine myself to the expression of those impressions.

The Museum is still in the making and efforts are being made to make it both interesting and useful.

While visiting the various sections of the Museum the objects that most attract our attention are the numerous paintings and portraits of the Moghal days. I daresay that most of them are still in an excellent condition and can fairly compete with any well-finished work of a modern

ed by hardwork and that due to easy work. If a student, who is yet a novice, thinks to take to study simply as a means of livelihood he, after completing his study, finds it too difficult to secure sufficient income to meet the demands of his own life. He then repents his short-sightedness and wishes his day back again to begin afresh in a way likely to be more useful to him. But the past cannot be revoked and he has to make the best of the present. This sort of work does not even prove so helpful to himself as to better even a little his pecuniary condition.

It remains to be seen which of the two is better—service or a free profession. Service is useful only so far as the regularity of a fixed income is concerned but thus usefulness is nothing in proportion to the number of disadvantages one is forced to experience. A servant is practically a slave. He has no opinion or will of his own. His master's opinion and will must necessarily be his. A little deviation from duty turns him out of employment aud a horrible punishment besides that falls on his head. He works day and night and in addition to that he is reduced to the necessity of humouring or flattering his officer or master.

A free business is quite safe from all these evils. A business-man is lord of his house, a king in his own small sphere. He has to attend to his own business and has no other care. To work or not to work depends on his convenience and pleasure; there is none to compel him. Along with that he improves his monetary condition with startling rapidity. A petty shop-keeper becomes a millionaire in a few years, and this is impossible for a servant.

But free business does not always bring prizes in the lottery of life. There are some blanks as well. It is very often seen that one enjoying an enviable wealthy

Such is the force of tradition. Hence, in one word, "caste" is synonymous with "social position:" as the caste varies, so does the social rank.

In India we find that if a man takes up a particular profession, his whole family, including himself, is labelled with the name of that profession ; as if it were a disease of which neither the family in the present, nor their successors in future will be rid.

Thus Indians cannot take to another profession, but the one followed by their ancestors ; for otherwise they will be exposed to the insults and cruelties of their brethren.

There is another influence owing to which men fail in the choice of their profession.

It is human nature which is generally inclined to give itself the least possible amount of trouble and in most cases it is content to use that labour as a bread-earning instrument which is found comparatively easy and free from inconvenience. It is very seldom that a man himself enters a business requiring much mental and physical exertion, courage and patience. Every man aspires to subdue the idol of wealth to serve his own end, but the giants attending on the idol offer no small amount of resistance and require no slight degree of industry on the part of the aspirant.

When a boy begins study in a school and the discretion of selecting some of the subjects for his study is left in him, he naturally chooses those subjects among the optional ones which call forth the least possible force of mind, and they take no notice of the benefits of a more difficult one. The result of his short-sightedness is that in his worldly life, he do not prove sufficiently helpful either to his fellow-creatures or to himself.

Men do not foresee the difference between a prize obtain-

five score, who used to cough intensely on a neighbouring farm. He then gave me an account of how we made tufts of wild blossoms and presented them to our mother who invariably rewarded us with a fervent kiss as our prize. In short we kept discoursing in this strain till my mind assumed a normal condition and I fell even happy. A rain-beaten bird fluttered its wings in the branches of a tree near by. I cast a glance in that direction. When I looked again, the sweet urchin had vanished from my side. I searched for him in vain, I retraced my steps to my room where the fire was still burning, but now it was cheerful, it was glee-infusing. I was seated cosily with pleasurable feelings when abruptly the voice of my servant fell upon my ear—" Master! Will you have tea?" I opened my eyes. There was no fire, no rain, no boy. I was sitting in a chair of course; but the scene was different. A dull insipid book lay open before me on the table; and my servant stood before me with a tray in his hands.

The pleasing memories of our past life can always uplift us from melancholy and despair.

THE CHOICE OF A PROFESSION.

Freedom of choice is in some countries, like India, very narrow and limited for reasons that are difficult to analyse.

In India, professions are selected not by the inclination or aptitude of the men, but determined by the " castes " to which men belong. So that their need of following one particular profession with or without predilection, is a compulsion, like that imposed by the decree of Fate, from which there can be no escape. Here, in India, men's social status is more or less dignified according to the noble character or otherwise of the profession held by them.

which stale, old gouty gentlemen of the enchange indulge when their clients pay them a visit on business.

"My name is Lucio. Don't you know," replied he.

It was my name that he had uttered, and he seemed very dear to me by this additional relation.

"But what is your full name, dear tiny soul!"

"My name is Lucio. Mother calls me so. My father is a Tupman. They call me Lucio Tupman at school." I was surprised. I was a Tupman, too, and my name too was Lucio Tupman. Our family, gentlemen, was the only family bearing that name in the country.

"You are surprised," he observed "You do not seem to recognise me, although I am as nature sent me, hale and hearty, light and cheerful. But I have recognised you in spite of the artificial visage that time has given you. We lived together when we were seven—nay, we were the same; you were me."

A light broke forth upon my memory. It was my own young self that was standing before me. What a vivid contrast did I perceive? There was the jolly little person who was not yet taught what care was. And there was I a dull, moroses repulsive sort of person, a plague for society and a gloom for the company in which I ever sat. It appeared to me by contrast as if molten lead had been poured down my veins which had deadened my spirit and never allowed my energies to work as nature desired.

We then walked together in the fields. He related to me the stories of the blessed departed time when we used to play somersaults in the rivulet near our home and hunt up eels and the eggs of jackdaws; the time when we laughed and made merry at the slightest provocation. He told me that we had once passed a whole day in laughing because we had seen the twisted face of a man of

also mostly dispersed and moonbeams were piercing the haze and illuminating the sandy plain below. The coolness of the breeze calmed my spirits a little and a passing desire for life once more crossed my mind. I paced to and fro across the plain in a sort of intoxication when suddenly I felt the soft pressure of a hand upon my back. I turned round and saw a fairylike lad of seven. Gentlemen, I was never superstitious. I well remember that my mother was once relating to me some stories about Jins and Fairies when I was in my fifth year. On conclusion I told her tdat I coulh never make up my mind to believe in a 'Jin' at which she scolded me rather severely and expressed her final opinion that I should grow up to be a disbelieving lad. In spite of this episode, however, I never feared any supernatural power and it was as a result of this lifelong conviction that I did not experience any terror on being suddenly awakened from my reverie and put face to face with a small boy at that awkward time of the night. The urchin looked fair and sweet in that dim moonlight. Mirth beamed from his eyes and his every movement was a symbol of light-heartedness. He was a lovely boy. I felt a strong desire to be like him. For some time we stood face to face without a word; he, gazing at me with an astonished, pitiful look and I, looking at him with admiration, envy.

"I have come to see you and to relieve you. What a fine time have I chosen? A fine time, is'nt it?" He said at last.

"What is your name, my boy," said I.

He stared into my face and laughed a hearty bone-shaking laugh which lent a fresh light to his countenance. Ah! it was a genuine laugh, not a hideous chuckle in

wet ground and produced a ghostly, murmuring noise striking a chill of melancholy into the very depth of one's heart. The window panes of my room were sprinkled with drops of rain and glistened mournfully, perhaps because my mind was mournful. Lightning came frequently and cast an unearthly glamour on the objects outside. A fire was blazing in the grate which many a blessed son of Fortune would call cheerful ; but to me even that was cheerless. I sat in a chair gazing pensively into the fire, with a nice cigar in my mouth—a remnant of by-gone days. The smoke rose from the tip of the Havannah in beautiful curls, performing fairylike evolutions in the air. I sometimes gazed at the roaring flames of the fire, sometimes up at the rings of smoke. Wrinkles were on my forehead and intense agitation had unnaturally heated my brain. Do you know why? Yes, I will tell you. My addresses had been repulsed with a final 'No.' The bank in which I had invested a large sum, had failed, and to crown all, my guardian had disinherited me. The crash had come but too suddenly. My fate was odd. All my 'friends' had deserted me because I was penniless. My own mind could not give me any pleasure, for the only being on whom it had staked its happiness, had spurned me for ever. So there I was, seated in my lonely chamber, looking into the bright fire, with my mind a scene of varied, unenviable emotions. I kept sitting in the tame attitude till each and every fibre of my being began to vibrate and I felt an irresistible force urging me on to fall into the fire and put an end to myself.

But consciousness had not yet utterly forsaken me. With one supernatural effort I stood up, and pushing aside the curtains of the door stood in the open field. The rain had ceased and a cool wind was blowing. The clouds had

my children. My wife, constantly patching up the clothes, has at last felt herself compelled tc give it up. Cloth is the thing I want." The *Silver-smith* said, "If you are in need of cloth, go to *Shaikh Ni-mazi.*" "I have been to him, but he has shoes and wants no other," replied the *Cobbler*. The *Silver-smith* said, "Lets go and see; *Shaikh Ni-mazi* may want some ornaments to be made. I heard he would be celebrating his daughter's marriage. I will make him ornaments; you will give me the shoes; and I will take the piece of cloth from him to give it to you." So, once again, the *Silver-smith* and the *Cobbler* visited the *Weaver*. The *Silver-smith* said, "Well, *Shaikhji*, when do you perform the marriage ceremony of your daughter?" The *Weaver* replied, "O *Chowdhry*, that proposal has come to naught" The *Silver-smith* asked, "And why?" The *Weaver* replied, "The youth turned out to be a very bad fellow; a thief; a gambler, and abandoned to the hemp-drinking habit." The *Silver-smith* asked, "Do you want some ornaments to be made"? The *Weaver* replied, "Nothing at present. When fresh proposals are made, I will think of it."

Thus the shoes of the poor *Cobbler* remained undisposed of even after this. So that, as every one experienced such difficulties, men put their heads together to decide that it was inadvisable to make exchange of commodities; but that they should fix upon some such thing as every one might accept as consideration for any article. In return for it, the *Cobbler* might part with his shoes, the *Silver-smith* with his ornamennts, the *Weaver* with his cloth. And so the coin was introduced.

A MIDNIGHT TALE.

It was a dull, chilly night. Rain was drizzling on the

pose, for instance, that the *cobbler* had need of cloth: and he took to the *weaver* an excellent pair of shoes of his own making: granulated neck-skin, compressed toes, erect standing heels, foliage of silken thread, high sides, thoroughly polished soles, strongly sewn. "*Shaikhji*," says he, "Will you please see what lovely shoes have I made for you! Wade through the mire, or run on along the *pakka* road, the sole shall not wear, nor the appearance deteriorate. Absolutely free from soiled stuffing. You shall strike me on the head with'em if they last for less than a year! But I want one piece of coarse cloth. If you cannot give me 800 threads, I would just as soon have only 600 in the breadth of three-fourths of a yard." "Oh, *Chowdhry*, says the *Weaver*, "Your pair of shoes is a fine one, and I have ready with me a piece of coarse cloth, one just as you want. Round threads, liberal breadth: woven with unsparing strokes, with no trace of starch either. But the shoes you gave me last are still with me fit for use." Says the *Cobbler*, "Strange, O *Shaikhji*, that shoes made three years ago are still in use!" "Why," replies the *Weaver*, "I am all day sitting at my loom, and I go out occasionally, at intervals of light days, to the bazar; so that there's but very little of wear and tear for the shoes. Besides, my brother, I am a very poor man, and I walk slow and soft." So the *Cobbler* came away disappointed, and approached the *Silver-smith*. To whom he said, "Well, *Lala*, would you require a pair of shoes?" The *Silver-smith* said, "Welcome, brother, ay, yes: I walk bare-footed these ten days now. And in consideration for the shoes, I will make you ornaments such as will not be found in the possession of all your fraternity" The *Cobbler* replied, "O, *Sahji*, what have I to do dreaming of ornaments? My clothes are hanging in tatters, there's not even a cap in the house for

ignorant of agriculture; and did not know anything of what they do at present, growing all sorts of corn, and all varieties of vegetables, fruits and flowers from the soil with the employment of labour. They caught fish from the rivers, and slaughtered wild beasts and filled their bellies with the flesh of them. Or they fed, like brutes, on the wild herbs of spontaneous growth. No one then heard the name of those glittering and fashionable clothes that, in these days, are so cheap that even the poor may afford to buy them. They covered their body with the skins of wild beasts, or leaves of *Dhak*-tree and such things. Whilst nothing like great buildings was dreamt of, they took shelter from rains, heat and cold under shady trees or in mountain-caves. As the life of the earth advanced, men started various professions, and contrived, for their utility, to bring into existence things never made before.

Of course it was not possible that one single individual should do every kind of work, or that he should make all sorts of things for himself. For this reason, then, some men took to certain kinds of work, whilst other men adopted certain other kinds of labour. There were some that went in for agriculture, some others became iron-smiths, joiners, jewellers, weavers, or cobblers. The arrangement was so designed as to make the farmer grow corn for the food of all; the iron-smith to fashion knives and scissors and such articles of steel, the carpenter to furnish ploughs, beds, wooden seats and chairs; the silver-smith to mould ornaments; the weaver to supply all kinds of clothes;—so that they all might exchange the things amongst themselves according to their needs. So for some time, the business of the world was carried on without money or coin. But, in the end, difficulties began to be experienced. The author has thus graphically written about them. Sup-

well that render service ; but who ever gives a thing without consideration, or yields service without receiving wages? No service, nor anything either, but we give momey for it. For the charm of money, men, of their own will, run with their commodities ; and they come to offer their services unbidden. You can get things from all parts of the world, whilst you are sitting in your home, if there is money. And as for servants, you may change them every morning and evening. What to me seems clear is that wealth is a great power; and he who has it is no one's dependant, and all the world is subservient to him." *Mahmooda* rejoined, " Alas, *Begam Sahib*, you are making a serious error. What would you do if men were to attach no value to your riches, and if your money ceased to attract them ?" On hearing this, *Husn-Ara* lapsed into silence, and she reflected within herself, and thereafter spoke : " If that were to be the state of things, there were no remedy but to die ! We are incapable of doing any work. And even if I grant that we were to compel ourselves and get up to drink water, and to make our own bed, still it remains for ever impossible that we should cook the food. Once more, as a mere supposition, if we were to kill ourselves to cook some one simple sort of food ; (for I have heard our mamma knows how to boil rice and vermicelli) ; still there shall remain a thousand other things of necessity we can never manage. I fail to see who will weave us clothes, or make us ornaments. But is it conceivable that there will be no respect for wealth and no desire of money ? " *Mahmooda* said, " Surely, this might happen. A good many days ago, our Tutoress made me read a certain book with her. Therein it was written that, in the beginning, for long ages, there were no gold coins, nor silver and copper ones in use. In those days men were

OBITUARY.

It is with deep regret that we have to record the death on the 3rd of June of Badr-ud-din, of the 5th class, M. A.-O. College School. He had not enjoyed good health for some time previously. The funeral took place at the College cemetery on the morning of the 4th June, in the presence of a large gathering of the staff and students of the College and School.

SCENES FROM BANAT-UN-NASH.

CHAPTER IX.

First half.

"The Greater Wealth, the Greater Want":—The Text whereupon Mahmooda reads a Lecture to Husn-Ara.

Mahmooda said :—" Do you imply that those in want have horns growing on their heads ? What greater poverty can there be than that you cannot tide over a single day without the help of your servants ? Pray let me ask, who will cook your food if there is no cooking-maid ; and who, in the absence of waiting-girls, give you a cup of water, or assist you to wash your face, or wave your fan, or lift your things ? Who will spread the beds, or prepare the bedding ? Who will sweep the house ? And these are only the daily round of work. Food and clothing, utensils and ornaments, and every other thing of necessity, great or small, down to the very drinking cup of clay, comb, needles, and collyrium-pencils : did you make them yourself, or have others made them for you ? And still you think you can say, 'God forbid that I should stand in want of another's help'! " *Husn-Ara* replied, " Certainly, other people make all things of need, and it is others as

"Mr. Abdul Ghafoor Khan, a graduate of the Aligarh College and second son of the well-known K. B. Habib-ur-Rahman Khan, M.R.E., etc., discoverer of water wireless telegraphy, has been awarded by the Government of India a State Technical Scholarship for the study of Electrical Engineering in England. Mr. A. G. Khan is the first native of Baluchistan, since its foundation by the British Government, to take a mathematical degree and is also the first recipient of a State Scholarship in his province."—*The Observer.*

Our heartiest congratulations to "Ghafoor" and to Baluchistan!

* * * *

"Under the title of *Epigraphia Indo-Moslemica*, and the able editorship of Dr. J. Horovitz, Professor of Arabic at Aligarh, the Government of India has inaugurated a valuable periodical devoted to the publication of Muhammadan inscriptions in India. In the first issue of this work Dr. Horovitz writes on the inscriptions which illustrate the history of the Sultans of Delhi."—*The Observer.*

* * * *

The results of the University Examinations have just been made public. In the M.A. Final 12 candidates have passed, in the Previous 15, in the B.A. Final 67, in the B.Sc. 2, in the Intermediate 74, and in the Matriculation 24. We have done better than this in the B.A. and B.Sc., but the M.A. results are distinctly satisfactory. We hope to give further details in our next issue. In the meantime we offer our very hearty congratulations to the successful, and our equally sincere condolences to the victims.

On May 25th, being Empire Day, a meeting was held in the Strachey Hall at 8-15 A.M. Dr. *Zia*-ud-din Ahmad, Officiating Principal, was in the chair. Major Syed Hasan Bilgrami spoke on behalf of the Trustees, Mr. Reynell on behalf of the staff, and Syed Ashfaq Husain, Acting Vice-President of the Siddon's Union Club, on behalf of the students. The first speaker paid an eloquent tribute to Queen Victoria, in whose memory "Empire Day" was instituted, the second spoke of the modern idea of Empire, and the last emphasised the identity of interests between the Empire, the College and the Muhammadan community.

* * * * *

Munshi Jamil-ud-din, B.A., (Aligarh), Naib Tahsildar, Etawah, is transferred to Manjhanpur, district Allahabad, as Tahsildar of the latter place.

* * * * *

The following gentlemen have kindly consented to act as Honorary Special Correspondents of the "Allgarh Monthly." We offer them our sincere thanks and shall be very glad if others will assist us in the same way :—

The Hon'ble Syed Abdul Raoof, Bar.-at-Law, Allahabad.

* * * * *

Maqsud Ali Khan, Esq., B.A., (Aligarh), Dy. Collector, Rae Bareli.

Maulvi Rafi-ul-Qadar Sahib, B.A., (Aligarh), Dy. Collector, Ghazipur.

Qazi Aziz-ud-din Ahmad, Esq., Bilgrami, B.A., (Aligarh), Dy. Collector, Etawah.

Ibni-Ahmed, Esq., Bar.-at-law, Allahabad.

Hidayat Husain, Esq., B.A., (Aligarh), Bar.-at-law, Cawnpore.

NOTES AND NEWS.

The Junior Debating Society made a very successful excursion to Narora on the 17th May, in which several members of the staff took part. It seems to have been full of adventure, and concluded with a walk down to Rajghat through a heavy dust storm, which incapacitated quite a number of the excursionists for the next morning's lectures.

*   *   *   *   *

On the 24th Dr. Wali Muhammad and Dr. Nisar Ahmad performed some interesting new experiments before several trustees and departmental officers, for the following account of which we are indebted to Dr. Wali Muhammad.

*   *   *   *   *

" On behalf of the Physics Department an invitation was issued to some of the local trustees and members of the college staff to see some interesting experiments in the Physics and Biological Laboratories on the 24th May. Accordingly some 30 guests turned up in the Physical Laboratory on the morning of the 24th May. The idea was to explain in a popular and non-technical language some of the important physical phenomena. For instance, an electric Arc Lamp giving about 2,000 candle power was shown and an iron nail was melted and ' burnt ' by means of electricity. X-rays and the allied phenomena of Vacuum tubes were shown with a 10″ Induction coil and a high-frequency Tesla converter. The vibration of membranes and plates was demonstrated by means of the famous Chladni's Sand-Figures. Lastly the Workshop-lathe run by electrical power was shown in actual work. In the Biological Laboratory, several physiological models were explained, besides showing the actual circulation of blood in a frog as well as the human spermatozoa under microscopes magnifying 300 diameters."

college outside the lecture-room. This will necessarily lead to the publication of a good deal of "stale news," but to the reader of the future who wishes to dip into the past life of his college, nothing will be "stale" and perhaps even the reader of the present who has distinguished himself in any particular direction, whether intellectual or athletic, will not complain that his prowess has been recorded a few weeks after the event.

At the instance of some of the Old Boys a number of gentlemen, themselves Old Boys of the College, have consented to act as special correspondents of the magazine and to send us news, from time to time, of the doings of Old Boys and others connected with the college. We shall be very glad if others will follow this example and so help to supply an element which is less likely to be stale, even to present readers.

We have just received what we fondly hoped was a contribution for the present number; but on our opening it, it proves to be an elaborate criticism of previous numbers. "Example is better than precept", and we hope that our correspondent will expend the same amount of energy next month in producing a really valuable contribution to the magazine, which may serve as a model for future writers. Among the many suggestions which we have received is that prizes should be offered with a view to the stimulation of authorship. We regard this as a last resource. Surely, in an institution of some eight hundred members, all anxious to improve their College Magazine, there should be sufficient competition to make the publication of their article a prize in itself of much greater value than the few rupees which it would be possible to offer.

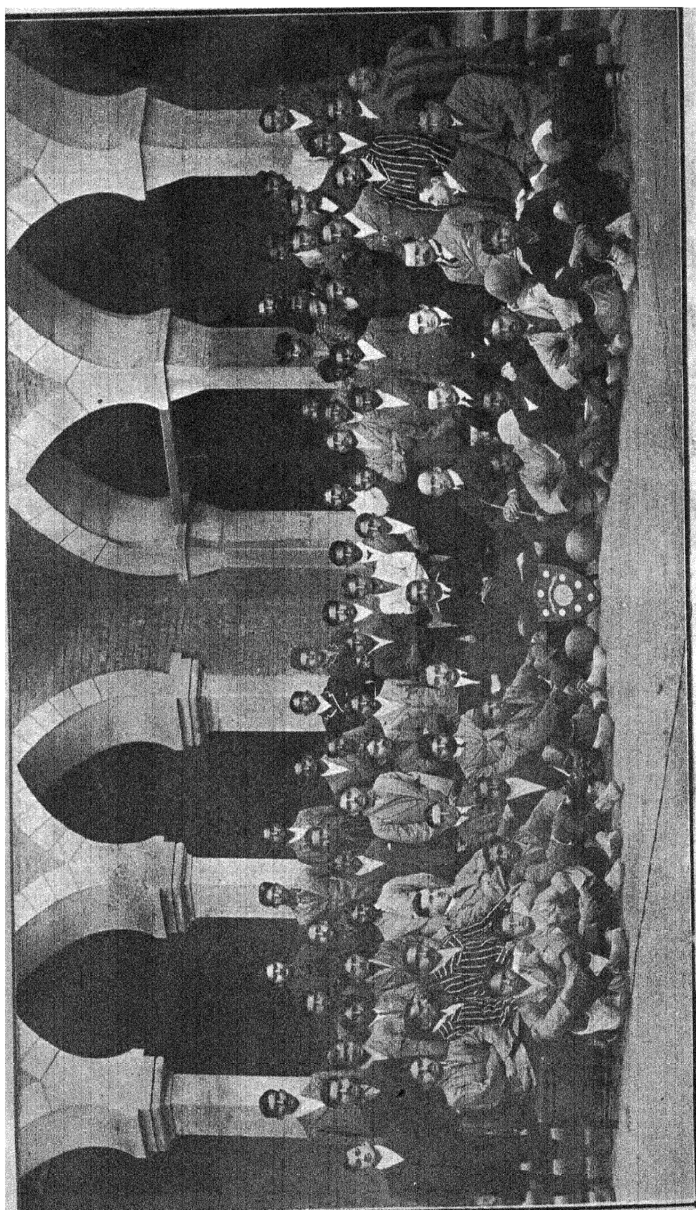
The Aligarh Monthly.

Vol. XII. | June 1914. | No. 6.

OUR CRITICS.

It is a tendency of modern life to develop the critical at the expense of the creative faculties. And we have been favoured of late with a good deal of criticism, both written and verbal, of the "Aligarh Monthly." We do not propose to apologise for our alleged shortcomings, but only to point out to what extent our crities are themselves responsible for them. It is not desirable that any magazine should by written entirely by its editor, still less is it so that the articles contained in a college magazine should be mere continuations of professorial lectures. In respect of its reading matter the "Aligarh Monthly" is to use a somewhat hackneyed phrase, "supported entirely by voluntary contributions," and it is just these contributions which are lacking. We should like to be able to rely upon the students who form the greater part of our public for a continuous supply of matter which should be interesting and original without being violent or indiscreet. Such work as is offered to us comes from a very few sources, and much of it is unsuitable, either because it consists simply of essays on the stereotyped subjects set in class, or because its author lacks the restraint which is necessary to all really good work.

One of the functions of a College Magazine, we consider, is to form a record of the current history of the college, and for this purpose we need the co-operation of the officers of the various societies which organise the life of the



[REGISTERED NO. A.-234.]

THE ALIGARH MONTHLY.

VOL. XII. No. 6. | June 1914. | Annual Subscription Rs. 4, Post Free. Single Copy, As. 6

No. CONTENTS OF ENGLISH SECTION. PAGE.

[For contents of Urdu section, see back cover.]

Allahabad:

Printed by Bishambher Nath Bhargava, at the Standard Press.

Publisher:—D. Reynell, Professor, M. A.-O. College, Aligarh.

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۳۴

علیگڑھ منتھلی

نمبر ۵ | بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۴ء | قیمت سالانہ للعہ معہ محصولڈاک
جلد ۱۲ | | قیمت فی رسالہ ۶/

مقام اشاعت مدرستہ العلوم علیگڈھ

فہرست مضامین حصّہ اُردو

پبلشر۔ مسٹر ڈی ۔ رینل ۔ پروفیسر مدرستہ العلوم علیگڈھ
اسسٹنٹ اڈیٹر۔ قاضی جلال الدین صاحب لیکچرر مدرستہ العلوم علیگڈھ
باہتمام بابو شمبھر ناتھ صاحب بھارگو
در اسٹینڈرڈ پریس الہ آباد طبع شد

شرح چھپائی اشتہارات حصہ اُردو

ایک صفحہ	واسطے ایک سال کے	۲۴ روپیہ
"	واسطے نصف سال کے	۱۲ روپیہ
"	واسطے تین ماہ کے	۷ روپیہ
"	واسطے ایک ماہ کے	۲ روپیہ ۸ آنہ

نصف صفحہ کے لیئے مذکورہ بالا شرح کا نصف لیا جاوے گا

اور نصف صفحہ سے کم ہونے کی صورت مین بھی نصف صفحہ کی اُجرت

لیجاویگی۔ اُجرت ہمیشہ پیشگی وصول ہوگی۔

ڈی۔ ریمنل۔ پروفیسر و منیجر

علیگڈھ منتعلی مدرستہ العلوم علیگڈھ

علی گڑھ منتھلی

نمبر ۵ جلد ۱۲	بابت ماہ مئی ۱۹۱۴ع	قیمت سالانہ للعہ محصولڈاک قیمت فی رسالہ مرادی ۶/

معلومات عامہ

آبسکون یا آبِسکون (بالفتح یا بالکسر با) بحر کاسپین کے جنوب و مشرقی ساحل کا شہر مضافات جرجان سے دریاے جرجان رود کے دہانہ پر استرآباد سے بجانب شمال و مغرب ایک روز کی مسافت پر واقع ہے۔ قرون وسطی مین نامی بندرگاہون مین سے تھا اسی کے باعث بحر کاسپین کا نام بحر آبسکون بھی ہے (ا-ا)، دوسرا نام بحر طبرستان (م ہ ب) تیسرا نام بحر قزوین بلحاظ شہر قزوین جو انگریزی مین بگڑکر کاسپین رہگیا۔ چوتھا نام بحر الخضر بلحاظ سبز رنگ کے جو تھلے ہونے کے باعث ہے)۔

اباقا خان ہلاکو خان مغول کا بیٹا۔ ولادت بمقام منگولیا مارچ سنہ ۱۲۳۴ء۔ ایران پر سنہ ۱۲۶۵ء

سے ۱۲۸۲ء تک حکومت کی۔ مصر کے مملوکون پر فتح نہ پا سکا جس چھیڑ کی بنیاد ہلاکو خان نے ڈالی تھی۔ اباقا خان نے ۱۲۶۶ء مین شمالی حملون کے روکنے کے لیئے ایک طویل دیوار قرہ کے حدود تک بنائی۔ اسکے وزیر شمس الدین نے ۱۲۷۵ء مین قبائل کوہ قفقاز کو زیر کیا۔ خان نے کوشش کی کہ یورپ کے عیسائیون سے اتحاد کر کے مملوکین مصر کو دبائے کیونکہ عیسائی بھی انکے دشمن تھے۔ بدین غرض اسکے سفیر بمقام لیانس واقع فرانس ۱۲۷۴ء مین اور بمقام رومتہ الکبریٰ ۱۲۷۷ء مین بھیجے گئے جس سے یورپ مین بے حد شادمانی پھیل گئی۔ شاہ ایڈورڈ اول انگلستان نے ۱۲۷۴ء مین اور پاپایان کلیمنٹ چہارم۔ گریگوری دہم۔ اور نکولس سوم نے خطوط بھیجے۔ بہرحال اس اتحادی طاقت کو مملوکین پر غلبہ حاصل کرسکنے کی کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ اور وہ دونون دشمنون یعنی مغلون اور عیسائی صلیبی جنگ آورون پر ہمیشہ غالب رہے یہانتک کہ ارمینیا خورد اور ایشیاے کوچک کے کچھ حصص بطور عارضی فتح کر لئے۔ اور البستان مین مغلون کو شکست دی۔ ۱۲۸۰ء مین مغلون نے شام پر تاخت کی اور حلب کو تباہ کر دیا۔ منگو تیمور برادر اباقا کو اگلے سال مملوکون کے ہاتھ حمص کے قریب شکست فاش ہوئی۔ لیکن مشرق مین اسکو کامیابی رہی اور ۱۲۷۳ء مین بخارا پر قابض ہوگیا۔ اندرون ملک مین اسکی حکومت نہایت پرامن رہی اسنے مغلوکین پر سے محصولات سرکاری کا بار اٹھا دیا۔ معمولی فیشن کے بموجب دخت رز پر دلدادہ تھا۔ ۱۲۸۲ء مین اس جہان سے گذر گیا۔ اسکا بھائی تکودر یا بقول بعضے نکودر اسکا جانشین ہوا جسکا اسلامی نام احمد رکھا گیا۔ (ا۔ ا)

آبان | فارسی مہینون مین سے آٹھوان مہینہ اور ہر مہینے کا دسوان روز۔ رفع شک کے کے لیئے مہینہ کو آبان ماہ اور دن کو آبان روز کہتے ہین۔ (ا۔ ا)

ابان بن عبدالحمید اللاحقی بن عفیر | عرب شاعر۔ رحلت ۲۰۰ھ مطابق ۸۱۵ء۔ برامکہ کا خیر طلب اور رفیق تھا۔ انھین کے لئے کلیلہ و دمنہ کتاب کو عربی نظم مین ترجمہ کیا۔ ایرانی اور ہندی مواد اسکی تصانیف مین زیادہ ہے۔ مثلاً سیرت اردشیر سیرت انوشیروان

کتاب سندباد۔ کتاب مزدک وغیرہ علاوہ برین ہندؤنکے متعلق اسنے ایک نظم مسمّی بہ ذات الحلال لکھی جو ناپید ہے۔ مدح۔ مرثیہ اور ہجو مین خاص ملکہ رکھتا تھا۔ عباسیون کی مدح لکھی جسمین علویون کے دعاوے متعلق وراثت خلافت کے خلاف دلائل شامل کیئے۔ اور خلیفہ ہارون الرشید سے بیس ہزار درہم انعام پائے۔ برمکیون کا نوحہ ابتک موجود ہے ابوعبیدہ نحوی اور بمعصر شعرا کی مذمت اور ہجو لکھی اکثر عزیز واقارب خصوصاً اسکا بیٹا حمدان مشہور شاعر گذرے ہین۔

آبان بن عثمانؓ بن عفان رحلت ۱۰۵ھ ہجری مطابق ۷۲۳ء بعارضہ صرع بمقام مدینہ منورہ۔ خلیفہ سویم کے بیٹے۔ انکی والدہ کا نام اُمّ عمرو بنت جندب بن عمرالدوسیہ۔ جنگ جمل مین حضرت عائیشہؓ کے شریک تھے لیکن فراری مین سب سے اول کہے جاتے ہین عبدالملک بن مروان نے مدینہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ ۷ برس کے بعد برطرف ہوے اور ہشام بن اسمٰعیل نے انکی جگہ لی۔ محدثین عظام مین انکا بڑا درجہ ہے۔ اور انکی کتاب مغازی الرسول اسلامی لٹریچر کی سب سے پرانی کتابو ںمین شمار ہوتی ہے۔ یزید بن عبدالملک کے عہد مین وفات پائی۔ (ا-ا-۱)

ابرقباد حوالی دجلہ مین بابل کے قریب ایک ضلع کا نام ہے۔ جو اہواز یعنی خجستان کی مغربی حد سے مس کرتا ہوا شمال مین واسط اور جنوب مین بصرہ کے ضلع سے محدود ہے۔ وجہ تسمیہ شاہ قباد ساسانی کے نام کے ساتھ معنون ہونا سمجھا گیا ہے آبر یعنی بادل ایران کے مختلف شہرون کے نام کے ساتھ مستعمل ہے۔ (ا-ا-۱)

ایمزاریشن آف کمپنی تجارتی دنیا کی اصطلاح مین ایک لمیٹڈ کمپنی کا دوسری کمپنی کے ساتھ منضم ہوجانا۔ اس سے صرف یہہ غرض ہوتی ہے کہ عملہ کی تنخواہ بچ رہے اور بجاے ایک کمپنی کے دو کمپنیون کا خرچ ایک ہی عملہ کے حصہ مین آجاوے۔

جلال

سفر

حاکم قضاو قدر نے اِس عالم اسباب مین ہر چیز کا ایک نہ ایک سبب بنایا ہے اور ساتھہ ہی اوسکے دو متضاد چیزین ہرایک کی رکھی ہین اِسکے علاوہ ہر چیز کے دو پہلو ہو گئے ہین ایک اچھا اور دوسرا برا۔ اب کسی چیز کو اچھا یا برا کہنے سے قبل اوسکے فوائد اور اِسکے نقصانات کو دیکھنا چاہیئے۔ اگر کثرت فوائد ہے تو لامحالہ اِس چیز کو اچھا ہی کہا جائیگا اور اگر نقصانات کی زیادتی ہوئی تو بدیہی ہے کہ اوسکو برا کہینگے۔ اسلیئے قبل اسکے کہ ہم سُنی سنائی بات "سفر نمونہ سقر است" کو صحیح مان لین اور آنکھہ بند کرکے اندھی تقلید کہنے والون کی کرنے لگین۔ ہمکو سب سے پہلے یہہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا سفر مین خوبیان زیادہ ہین یا برائیان کسی اصول کو ہمارے پاس جانچنے کے لیئے صرف ایک کسوٹی مشاہدہ اور دوسری تاریخ یا پرانے واقعات کی ہے جسپر کس کر ہم دریافت کرسکتے ہین کہ آیا اِس اصول مین کسدرجہ سونا ہے اور کس درجہ کھوٹ۔ چنانچہ جب ہم اسکو اپنی اوس کسوٹی پر کستے ہین تو نتیجہ یہہ نکلتا ہے کہ مشاہدہ جسکے خلاف ایک لفظ بھی نہین کہا جاسکتا ہے بین طور پر دکھلا رہا ہے کہ عزت و دولت۔ تجارت وحکمت تمدن و معاشرت تمام وہ چیزین جنسے ایک آدمی انسانیت کا دعویٰ اور اشرف المخلوقات ہونیکا دم بھر سکتا ہے اسی قوم مین تھین جسنے گھر سے باہر نکلکر سفر کی تکالیف جنکو سقر کہا جاتا ہے برداشت کین اور سقر کو اپنے سر لے کر اِس دنیاے دنی کو رشک بہشت برین بنا دیا کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ شروع زمانہ کی وحشی قومین اگر اپنے گھرون سے باہر نہ نکلتین تو کوئی ترقی ہوسکتی۔ وہ یقینی اُسی حال مین مست ہوتے بجاے جو بمنزلہ مکانونکے غار دنکے مکانات اُنکے مسکن ہوتے اور بالعوض تنجن اور مٹن چاپ (Mutton chop) کے کٹے ہوے دھان اور کچا گوشت اُنکی غذا ہوتی۔ یہہ صرف سفر ہی تھا جسکی بدولت آج ہم اُس حالت سے نکلکر اس درجہ کو پہنچ گئے ہین۔ کیا ہندوستان کی کول (Kols) قومین اگر ایرین (Aryans) ہندوستان

مین نہ آتی تو آج اِس حال مین دکھائی دیتین حاشا کبھی نہین۔ ایرین (Aryans) نے اگر سفر کی صعوبتین اُٹھائین اور وہ اُسکے لئے اگر نمونہ سفر بنا تو نتیجہ یہہ ہوا کہ ہندوستان جیسے جنت نشان ملک کے مالک اور دعویدار بن بیٹھے اور ہندوستان مین ترقی کی بنیاد پڑگئی اسیطرح ہر ملک کی حالت اور کیفیت رہی ہے۔ کوئی ملک اور کوئی قوم شروع مین ایسی تو تھی ہی نہین جیسی کہ اب ہے "طبع انسانی کا فطرتی طور پر رجحان علم کی طرف ہے انسان کسی نہ کسی طور سے عالم اور واقف ہونا چاہتا ہے اور یہہ مدعا اسیوقت پورا ہو سکتا ہے جبکہ وہ محقق ہو توسیع علم کے لیے تحقیق ضروری اور لابدی ہے مگر تحقیق بغیر مشاہدہ نا مکمل چنانچہ تحقیق بالمشاہدہ یا عین الیقین ہی حق الیقین ہے اور یہہ مشاہدہ مصنوعات الٰہی اور مناظر قدرت کی چشم دید سیر سے ممکن ہو سکتا ہے" اسلئے سفر کی بہترین خوبی یہہ ہے کہ وہ علم و آگاہی بخشتا ہے گو بقول مخالفین کے یہہ کام کتاب سے بھی حاصل ہو سکتا ہے مگر اسکے لئے شنیدہ کے بود مانند دیدہ کی مثل صادق آتی ہے چنانچہ جب ہم اپنے ایک ہمجنس کے پاس کوئی نئی چیز دیکھتے ہین جو ہمارے پاس نہین تو لامحالہ اِسکے حاصل کرنیکا شوق پیدا ہوجاتا ہے اور اگر وہ چیز ضروریات مین سے ہو اور اُنکے پاس ہم کچھ زمانہ کے لئے ٹھہر بھی جائین تو بقول کسی انگریز کے "ضرورت ایجاد کی مان ہے"۔ صادق آتا ہے ادھر اس کی ضرورت لاحق ہوئی اور اُدھر ایجاد کا دروازہ کھلا اِسکے علاوہ اُنکے تمدن اور معاشرت سے جو عجیب عجیب چیزین ہاتھ آتی ہین اُنکا تو شمار ہی حد وسعت سے باہر ہے نیز انکا علم انکی زبان رسم و رواج غرضیکہ انکی ہر ایک چیز سے ہم حسب ضرورت بہرہ مند ہوتے ہین۔ اِس تقابل کے لئے کسی خاص چیز کی ضرورت نہین کیونکہ یہہ خود بخود پیدا ہوتا ہے نیز یہہ کہ اجنبی ممالک مین بود و باش کیوجہ سے جن دقتون اور مشکلون کا سامنا ہوتا ہے وہ محتاج بیان نہین مگر انھین مشکلات کیوجہ سے تجربہ اور واقفیت کا ایک نہ مٹنے والا خزانہ ہاتھ لگ جاتا ہے۔ احتیاط بھی اسکی زندگی کا ایک جز بنجاتی ہے چونکہ حساب کتاب رکھنا پڑتا ہے اسلئے فضولخرچی

کی تباہ کن عادت سے وہ محفوظ ہوجاتا ہے اور روپیہ بیدردی سے خرچ نہین کرتا ان سب پرطرہ یہ کہ ہزارون ذمہ داریان اسکے سر پڑجاتی ہین جو اسکو ایک مکمل انسان بناکر چھوڑتی ہین تو اب ماننا پڑے گا کہ نتیجہ سیر و سیاحت تجربہ ہے اور یہہ بھی مسلم ہے کہ نظام عالم مبنی ہے سیر و سیاحت پر مثال کے طور پر عربون کو لیجیئے عرب جیسی جاہل قوم نے جسکو نہ تمدن سے واسطہ تھا نہ معاشرت سے غرض اسکے پاس رہنے والے ہمکو ذلیل ترین سمجھتے تھے ایران تو انکی کچھ حقیقت نہ سمجھتا تھا مگر جسوقت انھون نے گھر سے قدم باہر نکالا تمام دنیا انکی تھی اور ایران انکی ٹھوکرین کھاتا تھا دنیا انکے قدمونکے نیچے تھی وہ ہی چند غریب الوطن حاکم شرق و غرب تھے اور مالک شمال و جنوب یہہ کیون ہوا یہہ صرف اسی سفر کی بدولت جو نمونہ سقر کہا جاتا ہے ظہور پذیر ہوا اب اِس طویل بحث کے لئے تو ایک زمانہ درکار ہے۔ دوسری چیز تجارت ہے جو بغیر سفر کے ہو ہی نہین سکتی دنیا اِسوقت متفق الراے ہے کہ بغیر تجارت ترقی ناممکن ہے اور تجارت کے لئے سفر لابدی اور فی الحقیقت اسکا ایک جزو لاینفک ہے اسلئے لامحالہ ماننا پڑے گا کہ ترقی بغیر سفر ناممکن چنانچہ انگریزون کی ترقی کا باعث تجارت ہی ہے اور تجارت کی زیادتی سفر سے ہوئی نہ سر والٹر (Sir Walter) گھر سے باہر نکلتا نہ آج امریکہ جیسا ملک انگریزونکا گھر بنتا نہ سفر کی صعوبتین برداشت کرتے نہ ہندوستان جیسے ملک کے حکمران اور تاجدار کہلاتے غرضیکہ نہ سفر کرتے اور نہ تمام دنیا مین اپنا ڈنکا بجاتے۔ ہندوستان نے ترقی کیون نہ کی؟ حالانکہ مال و دولت مین کسی سے کم نہ تھا صنعت و حرفت مین کسی کا محتاج نہ تھا وجہہ یہہ تھی کہ صرف سفر کی تکلیف اہل ہند نے برداشت نہین کی مثل مشہور ہے کہ محنت کے بعد راحت ہوتی ہے اور یہہ مثل سفر کے لیے جیسی موزون ہے وہ محتاج بیان نہین۔ اسکو چھوڑکر اب اگر ذرا مذہبی پہلو سے دیکھا جاے تو سفر کی اہمیت اور بھی زیادہ واضح طور پر نظر آتی ہے چنانچہ ارشاد جناب باری ہے قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ یہہ حکم کیون دیا گیا اسلئے کہ عجائب و غرائب دلپذیر کرتے ہین اور پھر اسکے بنانے والے کیطرف

کشش زیادہ ہوتی ہے"۔ یہہ امر متیقن ہے کہ انسان کو کمال انسانیت تک پہونچانے والا مذہب اور صرف مذہب ہی ہے۔ چنانچہ مذہب اجازت ہی نہین بلکہ حکم دیتا ہے کہ سفر کرو اور اب بھی اگر کہنے والے نمونہ سقر کہین تو انکے لئے سوائے اسکے کہ سفر وسیلۃ الظفر جواب کے طور پر کہدیا جائے خاموشی بہتر ہے۔

افسوس کہ حب الوطن از ملک سلیمان خوشتر کہنے والے ابھی پورے طور پر اسکے معنی نہین سمجھے کیا وطن کی محبت کے معنی یہہ ہین کہ انسان وطن مین بیٹھا رہے! اگر ایسا ہے تو جانور ہمسے کہین زیادہ ہین کیونکہ اگر ایک ملک کا جانور دوسرے ملک مین لاکر چھوڑ دیا جاے تو اسکے جینے کے لالے پڑ جاتے ہین برخلاف انسان کے خواہ ایشیا کا پورب جائے یا افریقہ کا امریکہ کوئی خطرہ جان کا نہین۔ جانور تو پھر بھی ایک بڑی مخلوق ہے نباتات تک کا مقابلہ انسان نہین کر سکتا۔ اصلی محبت وطن کی یہہ ہی ہے کہ انسان اسکی فلاح اور بہبودی کو مدنظر رکھے ورنہ کون ذی شعور اسباب کو پسند کرے گا کہ وہ اس چیز کو جس سے وہ محبت کرتا ہے جسکو وہ عزیز رکھتا ہے دوسرونکے مقابلہ مین ذلیل وخوار دیکھے یہہ مقدمہ ثابت ہوچکا کہ ترقی خواہ وہ کسی شعبہ زندگی کی کیون نہو بغیر سفر کے ناممکن ہے اسلئے اگر کوئی قوم اپنے ملک کی فلاح اور بہبودی کے لئے سفر اختیار نہین کرتی تو وہ ایک محض فضول چیز ہے اور اس سے نباتات اور حیوانات ہی بہتر ہین۔ اب ان تمام فوائد کو دیکھ کر سفر مین جو ذراسی تکلیف ہے اسکو سقر سے تشبیہہ دینا غلطی ہی نہین بلکہ سراسر عقل کے خلاف ہے۔

لہذا اے انسان ذرا آنکھ کھول کر دیکھ اور شاعر کے زرین اصول پر قدم زن ہو۔

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہان
زندگی گر کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہان

تضمین بر غزل حضرت اقبال

کہان تابِ سخن انسان کو تیرے نظارے مین — جسے دیکھو وہ حیران ہے کہے کیا تیرے بارے مین
بتا توہی کہ ہون کیونکر نہ چرچے تیرے سارے مین — جھلک تیری عیان بجلی مین آتش مین شرارے مین
چمک تیری ہویدا چاند مین سورج مین تارہ مین

بہت شکلو مین دیکھی چشم بینا نے تری ہستی — گہے در صورتِ سالک گہے در حالتِ مستی
ہزار انداز سے معمور ہے جانان تری بستی — بلندی آسمانون مین زمینون مین تری پستی
روانی بحر مین اُفتادگی تیری کنارون مین

انا الحق کہہ اوٹھا کوئی کسی نے دی صدا قم کی — بھلا روکے سے رکتی ہین کہین موجین تلاطم کی
ہمین پروا ہی کیا ہے محتسب تیرے توہم کی — شریعت کیون گریبان گیر ہو ذوقِ تکلّم کی
چھپا جاتا ہون اپنے دل کا مطلب استعارہ مین

کیا سامان جلانے کا وہ پیدا میری قسمت نے — لیا ہے آپ سے یہہ کار آتش سوز الفت نے
بنایا شعلہ ہر آنسو مرا دل کی حرارت نے — مجھے پھونکا ہے سوز قطرۂ اشکِ محبت نے
غضب کی آگ تھی پانی کے چھوٹے سے شرارہ مین

دعائین حشر تک دونگا مین تیری چشم کافر کو — بھلایا جسنے میرے دل سے لطف دورِ ساغر کو
خیالِ کاکل پُر پیچ وخم مین تیرے آخر کو — اوتارا مین نے زنجیر رسوم اہل ظاہر کو
ملا وہ لطف آزادی مجھے تیرے سہارے مین

بندھا اتنا تصور یار تیرے روئے نیکو کا — مٹا نقشہ دوئی کا سب ہوا پیدا نشان ہو کا
میرا سینہ ہے یا نقشہ تری خو کا تری بو کا — مرے پہلو مین دل ہے یا کوئی آئینہ جادو کا
تری صورت نظر آئی مجھے اپنے نظارہ مین

نہ بڑھ حدِ ادب سے بیدر دیوانہ ہوا ہے کیون — کہان تو بندۂ خاطی کہان وہ ہستی بیچون

سُنا دے صاف لفظوں میں یہ اہل عشق کو مضمون　　صدائے لن ترانی سُن کے اے اقبال میں خوش ہوں

تقاضوں کی کہاں طاقت ہے مجھ فرقت کے مارے میں

احقر
بدر جلالی

احتیاج

انچہ شیران را کند روبہ مزاج
احتیاج است احتیاج است احتیاج

احتیاج ضد فراغ مال است وعبارت است از عدم دسترس بر مال۔ زر و سیم واسطہ خرید وفروخت است ازین جہت حاجت روائی انسان میکند۔ شعر

اے زر تو خدا نئی ولیکن بخدا　　ستار عیوب وقاضی الحاجاتی

وقتیکہ میگوئم کہ فلان شخص مفلس شدہ است مفہوم ما این باشد کہ بر ذرائع حاجت روائی زندگانی دسترس ندارد۔ چندانکہ ضرورت شدید باشد ہمان قدر افسوس بر عدم دسترس شدید تر باشد۔

ناداری از عظائم بلیات آسمانی شمردہ شدہ است۔ چہ علما، وچہ فضلاء چہ حکما روچہ عقلاء ہمہ برآنند۔ سخنوران باکمال وشعرائے بیمثال درین بحث دفترہا سیاہ کردہ اند۔ شعرہائے آبدار گفتہ وچہ در سفتہ اند۔ پیغمبران الٰہی ہم افلاس را عذاب خداوندی فرمودہ اند۔ سیّما درین زمانہ عروج تمدن وترقی مادی افلاس از شدید ترین عذابہا محسوس کردہ می آید۔ اگر بر نتائج افلاس غور کردہ شود ہر آئینہ معلوم گردد کہ ان از مہد تا لحد در حالت انسان تغیرے عظیم پیدا میکند۔ بلکہ حالت قبل از ولادت را ہم تغیر میدہد۔ انشاء اللہ یکے بعد دیگرے عرض می شود۔

اثر افلاس بر حالت قبل از ولادت | نزد حکما مسلم است که جنین در شیمه از اثرات خارجیه متاثر می شود۔ تحقیق جدید ہم تائید این کرده است این است که حکما، قرار داده اند که مناظر خوشگوار پیش زنان باردار داشته باشند۔ غم والم با و نرسد۔ اہتمام غذاے مناسب شود وغیر آن دیگر ہدایات ضروریہ ہستند که انتظام آن لازمی باشد۔ مفلس بیچاره اہتمام این ہمہ سامان چگونہ کردن میتواند۔ نتیجہ ظاہر است۔

اثر افلاس بر حالت ایام رضاعت | مشاہده شاہد است که اگر شیر خوار را غذاے معقول میسر نشود۔ داشت مناسب نہ کرده شود۔ نشو و نما خوب نخواہد شد۔ بر عمر طبعی رسیده قوت تامہ حاصل نمی آید۔ افلاس مانع بر داشت مناسب است۔ چون مادر مفلس را غذا میسر نیست چگونہ شکم سیری شیر خوار ممکن است۔ دیگر اینکہ آغاز تربیت از آغوش مادر شود پس ظاہر است که مادر مفلس که اکثر جاہل مطلق باشد چگونہ تربیت خواہد کرد۔

اثر افلاس بر حالت ایام طفولیت | از اثرات صحبت انکار نمیتوان کرد۔ بچہ مفلس از فوائد صحبت خوب محروم نمی ماند بلکه در صحبت بد افتاده بسا باشد که زندگانی خود خراب کند شعر

صحبتِ صالح ترا صالح کند   صحبتِ طالح ترا طالح کند

اثر افلاس بر تعلیم و تربیت | وادی این مضمون وسیع تر است درین عجالہ تفصیل دشوار است۔ مختصر اینکه چیزے که انسان را بزمره انسان بشمار آورد تعلیم و تربیت است افلاس سنگے ست بزرگ در راه تعلیم افتاده۔ بالخصوص در زمانہ موجوده که تعلیم گران شده است مفلس محض از فوائد تعلیم محروم نمی ماند بلکه عمر خود ضائع میکند۔

اثر افلاس بر حالت شباب | زمانہ طفولیت گذشتہ چون بہ سنِ شباب میرسد۔ چشم انسان وا میشود۔ مفلس ہمین که بر حالت خود غور میکند دست حسرت بدندان میگزد۔ چون بر نعمات خداوندی و لذائذ زندگانی دسترس نباشد شباب تلخ نماید بسیارے تاب برداشت سختی روزگار نیاورده جان عزیز سپرده اند۔

اثر افلاس بر صحت | غذاے ناقص۔ لباس ناکافی۔ عدم موجودی جاے امن و آسایش اکثر صحت بدنی را برباد دادہ است۔ افلاس رخصت علاج نمیدہد۔

اثر افلاس بر آزادی | افلاس محض آزادی و حریت انسانی را سلب نمیکند بلکہ مذلت غلامی نصیب گرداند۔

اثر افلاس در اداے فرایض الٰہی | شیخ سعدی شیرازی این مطلب در یک شعر بیان کردہ است وچہ خوب گفتہ است شعر

شب چو عقد نماز بر بندم — چہ خورد بامداد فرزندم

دیگر میگوید۔ پراگندہ روزی پراگندہ دل۔ علاوہ برین مفلس بیچارہ از دولت علم بے بہرہ باشد۔ و بے علم نتوان خدا را شناخت۔

بے فلس اگر مسجد آدینہ بسازد — یا طاق فرو ریزد یا قبلہ کج آرد

اثر افلاس در اداے حقوق العباد | افلاس محض منع آوری حقوق العباد نمی کند بلکہ انسان از روزی تنگ آمدہ دست خالی بدامن سرقہ و دیگر جرایم رسد۔ بجاے اداے حق تلفی ہا میکند۔

اثر افلاس بہ حفظ ننگ و ناموس | براے حفاظت ننگ و ناموس انسان قربانی ہر قسم گوارا میکند۔ بلکہ از جان عزیز ہم دریغ ندارد۔ الا افلاس چنین ظالمے است کہ حس ننگ و ناموس را ہم مردہ میکند و انسان در مذلت ہر قسم تن در دہد

اثر افلاس بر اخلاق و عادات | شایستگی اخلاق و درستی عادات منحصر بہ تعلیم و تربیت و صحبت خوب باشد۔ چون این میسر نمیشود اخلاق و عادات چگونہ درست نشود

اثر افلاس بر حالت پیری | بوقت پیری قوت بدنی جواب دہد۔ کسب معیشت دشوار گردد۔ در ہنگام پیری افلاس از بس می آزارد باوجود این تمامی عیوب افلاس از ذمائم کثیت دولت مثلاً تکبر و تعیش و غیران پاک است۔ از تفکرات و ذمہ داری ہا بری۔ از حسد و بغض وغیرہ

آزاد۔ قناعت بہترین اساس افلاس است ۔ بر جد وجہد بدرجہ غایت میگراید واز کوشش ہمہ تو نتا انخلامی بابند۔ این است کہ تقریباً ہمہ سرداران ۔ ناموران ۔ موجدان مفلس بودہ اند محض بباعث کوشش بدرجہ اعلے رسیدہ

این تفریق مدارج کہ در عالم موجود است فعل حکیم است کہ احکم الحاکمین است وفعل حکیم خالی از حکمت نباشد اگر فلسفہ این تفاوت درجات در فہم ما این نمی آید ۔ تصور دانش ماست اگر ہمہ شب شب قدر بودے شب قدر بیقدر بودے ۔ اگر ہر یکے بے نیاز شدے وابستگی علایق دنیوی ممکن نہ بودے ۔ انتظام عالم برہم شدے

بنگر کہ مثال شادی وغم　　　افلاس و تونگری ست توام

چنانکہ شادی بعد از غم لذت افزاید ۔ ہمان طور دولت بعد از افلاس لطفے دارد پیش خداوند تعالے شانہ مفلس و تونگر ہمہ یکسان ہستند ۔

ہیچمدان
احقر فدا

قطعہ

در مدح حضور عالیہ نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ والیہ ریاست بھوپال

معجزہ کیون نہ کہون موسم گل کو جس مین
محو اسباب طرب ہم سے ہون آلام پسند

آجکل کیون نہ ہون سب خورد کلان وقف نشاط
خود خزان کھاتی ہو جب دور چمن کی سوگند

جوشش ذوق لغم یاس نصیبون کو ملی
گردش جام طرب کے ہوے جب وہ پابند

اضطرار طرب آمیز کہے دیتا ہے
نقش یاس دل ناکام ہوا ہے خرسند

پئے اظہار ہین الفاظ بہت ناکافی
بہر ایزاد ۔ دگر اسم طرب می سازند

مٹ گیا قلب سے ناکامی بیجد کا وجود
انجم عیش و مسرت یہ فلک می تابند

جوشش نغمہ پرستی سے درونِ منقل
کھلتے ہین بہر ترنم لب زارِ اسپند

ڈھونڈنے کے لیئے اسباب طرب بہرِ عوام
بحر تحقیق کے غواص بنے دانشمند

آخر کار سبب اونکو یہہ معلوم ہوا
آمد ملکہ بھوپال ہے سب ہین خرسند

یعنی سلطان جہان بیگم والا گوہر
جنکے احکام کا ہر فردِ بشر ہے پابند

آپ مین اسقدر ارفع ہین صفات بیحد
ٹھوکرین کھائے اگر جائے تو وہم کا سمند

آپ کا جود و سخا ہند مین ہے ضرب مثل
کھاتے ہین آپ کی سب مہر و عطا کی سوگند

مہر الطاف ہے سب لوگون پہ یکسان تابان
فیض شاہانہ سے ہر خورد کلان بہرہ مند

ہے شغف آپ کو مخلوق کی آزادی سے
اپنے کو رکھتی ہین پر حکم خدا کا پابند

جبکہ ہے مدنظر آپ کے تعلیم اناث
پھر بھلا اوسکو ترقی نہ ہو کیونکر دہ چند

جامعِ کل صفاتٍ نہ ہو کیون ذات رفیع
جبکہ خالق نے کیا آپ کا رتبہ ہو بلند

رد کب وارفتگی جوشش طبیعت الطف
تجھ سے کیا وصف ہو یہہ کوشش بیجا تا چند

خاک۔ اکسیر بنا دیتے ہین اربابِ کمال
کیا تعجب جو تری مدح بھی آجائے پسند

ختم مضمون ہے اوٹھا جانبِ رب دستِ طلب
کر دعا دل سے کہ اے مالک ہر پست و بلند

رفعت نا انتہائی تک اِنھین پہنچا دے
وہم غش کھائے جہان اور ہو بیکار کمند

حشر تک سایہ فگن ہم پہ ہون یہہ ظل الٰہ
کامران اِنکے درِ فیض سے ہر حاجتمند

حقیر بندہ
لطیف احمد الطف انصاری
متعلم درجہ نہم کالجیٹ اسکول علیگڈھ

ایک شاعر کی ۲/۳ پر طبع آزمائی

شش جہت نہ فلک آئینگے نظر ۲/۳	۶/۹ کے برابر ہے اگر ۲/۳
دو کھلونے جو کبھی ہم نے تپائی پہ دھرے	آ گئے صاف مہندس کو نظر ۲/۳
بیسوین رات مہینے کی جب آجاتی ہے	غم مین رہجاتا ہے گھل گھل کے قمر ۲/۳
ظالمو خوف کرو آہ کو سمجھو نہ حقیر	لفظ اللہ مین ہے اِس کا اثر ۲/۳
طالبِ خیر نہونگے کبھی انسان سے ہم	نام ہے اسکا بشر اسمین ہے شر ۲/۳
منحصر قوت بازو پہ ہے دولت مندی	دیکھ لو زور مین موجود ہے زر ۲/۳
ملک الموت سے دنیا مین ہراسان نہین کون	جسکو کہتے ہین نڈر اُسمین ہے ڈر ۲/۳
تیسرا حصہ مرے بال رہے جب کالے	مین یہہ سمجھا کہ گئی عمر گذر ۲/۳
کھوٹی منزل کیئے دیتی ہے تو اے شامِ شباب	راہرو کا ابھی باقی ہے سفر ۲/۳

۲/۳ کی رکھی ہے جو اے **جوش** ردیف
شعر بھی نکلے ہین مقبول نظر ۲/۳

نوٹ۔ ہم جوش صاحب کو اِنکی جدت پر مبارکباد دیتے ہین اور نہایت مسرت کے ساتھ اس نظم کو چھاپتے ہین ہمارے علم مین ریاضی ردیف کے اُردو نظم مین یہہ پہلا نمونہ ہے جس کی ایجاد کا فخر جوش صاحب سلمہٗ کو حاصل رہیگا اور ہم منتظر ہین کہ اسکا تتبع آیندہ کس کس طرح ہوگا کیونکہ کسور عامہ کے بہت سے اعداد ردیف مین سما سکتے ہین اور مضامین پیدا کرنے کی بھی گنجایش ہے۔ استادون نے نہ فلک۔ اور شش جہت وغیرہ کے مضامین لکھے ہین لیکن ردیف مین یہہ پہلا استعمال ہے۔ (جلال)

President a happy voyage home, the other bidding good-bye to Mr. Muhammad Ayub. Futher it was decided that some modern philosophical work should be taken up for study in the summer season.

ABID HUSAIN KHAN,

Honorary Secretary.

PUBLICATIONS RECEIVED.

Our Contemporaries.—We beg to acknowledge with thanks the receipt of the following periodicals for April :—*The Aligarh Institute Gazette, The Bareilly College Magazine, The Central Hindu College Magazine, The Collegian, The Comrade, The Madras Christian College Magazine, The Meerut College Magazine, The Observer, The Ravi.*

to religion : and Islamic morality will die, if it is not fed with the water of *Faith!* Strive after knowledge and cultivate Science: with all the vigour you possess: but do not drop from your remembrance the precepts which were delivered in the Desert University of Arabia by the Illiterate Professor who spoke to all the world with trumpet-voice from the heights of *Faran.*

And so overcome, I lapsed into silence forgetful of myself and of the world, when I arose, the day had come.

SYED IFTIKHAR HYDER ZAIDI.

THE PHILOSOPHICAL SOCIETY.

REPORT FOR MARCH AND APRIL.

An ordinary meeting of the Society was held on the 13th March 1914, in the drawing room of Siddon's Union Club, at 4 P.M. Mr. D. Auchterlonie, M.A., presided. The President gave his lecture on "Reform in Logic in the 19th century." He spoke for about an hour, explaining at length the various new methods introduced into the Aristotelian Logic by Hamilton, Boole, and others. Mr. Muhammad Ayub Siddiqi briefly discussed the President's address. The meeting was then adjourned.

A business meeting of the Society was held on the 22nd April 1914, in B. A. K. Lecture-room, at 8-40 A.M. Mr. Muhammad Ayub, B.A., the Vice-President, was in the chair. In view of the impending departure of Mr. D. Auchterlonie on Home leave, Mr. G. W. Ferguson was elected an additional President of the Society. Two resolutions were unanimously adopted, the one wishing the

Honorary Secretary to the College students who had gone to Turkey with the Mission under Dr. Ansari.

Such were the proceedings of the Dinner night and it will remain one of the brightest in the annals of the College History.

As I returned to my room, I laid my self down on my lonely bed; and I thought of the many phases of the scene from which I had just emerged. I fell into a reverie, a sort of day dream,—and the Past of the College came to unite with the Present, and the Present mingled with the future yet unborn, and all united in a glorious vision almost too bright for description in human language!

At the period of the Indian Muhammadan decline and deterioration, the Merciful God who could not permit greater misfortune to overtake His people raised amongst us a man with the fire of enthusiasm, with the spark of sincerity, and with a capacity for almost Herculean endurance and labour; and he used all the means he could get together to form a lever wherewith to raise his fallen co-religionists.

My eyes were heavy and drooping as I thought in this strain, but they again opened and I steadily gazed into the darkness of my lonesome chamber, as if I saw before me the figures to whom I cried, with involuntary force: Ye men of Aligarh! Past and Present students, take the gift of God with gratitude; seize the opportunity before it is lost! Press you onwards, ye children of Islam, and do not despair! Ye shall not perish whilst knowledge is yours. But take sacred care that you forget not your *religion!* No knowledge and no morality is sound until it is linked

said he thought Mr. Ross Masud to be an example of love for knowledge, whose spirit of devotion was well worthy of imitation by all students. He next passed on to give some of his views on the question of female education and the emancipation of women.

Thereafter Mr. D. Reynell proposed the toast of the health of the Old Boys which was seconded by Mr. Amir Ahmad Khan, the present Vice-President of Siddon's Union Club. The former praised in warm terms the qualities of character and virtues of the Aligarh Old Boys. He was followed by Mr. Ahsan-ul-Haque, a Barrister at Jullunder, who assured the audience of every help that lay within the power of the Old Boys for the advancement of the national institution.

The President then proposed the toast of the staff; in reply to which the Principal said that the staff holds itself responsible for the education of the whole nation, Mr. Tassaduq Ahmad Khan, a Barrister at Aligarh, thanked the guests for their presence and alluded to the exemplary self-sacrifice and devotion to the name and honour of Islam displayed by Dr. Ansari, the well-known Director of the Turkish Medical Mission from India. He also said how justly proud all the Musalmans were of the honour of having Mr. Hasan Imam as their Imam. Dr. Ansari thanked the Old Boys on behalf of the guests and said that the Old Boys furnished the pivot on which the success his mission achieved had really depended. The poems of the great Oriental poet-philosopher Dr. Muhammad Iqbal, M.A., Ph. D., and Kazi Muhammad Jalal-ud-din Sahib elicited the praises of the audience and affected them greatly. The Dinner then came to a close with the granting of the medals by the

as a paradise, an asylum for the amelioration and betterment of the ignorant and illiterate masses. He said he was ambitious to strengthen the bonds of union and brotherhood among the Old Boys themselves, and further added with great emphasis that it was the bounden duty of all the Old Boys to extirpate evil and substitute good for it and to set up a high ideal for their community and country, so as to help them in the right conduct of their lives and to develop in themselves the great attributes of courage, truthfulness, self-sacrifice and straight forwardness. He then turned to the present students and impressed upon them the great need of the selection of fit avocations, and worthy pursuits for their future activities.

Next spoke the revered Honorary Secretary, Nawab Haji Muhammad Ishaq Khan Sahib, congratulating the Old Boys on the completion of their Lodge. He referred to the financial difficulties of his institution at some length and looks the opportunity of asking the Old Boys to give their help to it so far as possible.

Then came the turn of Mr. Justice Hasan Imam, who rose amidst loud and lusty cheers. He characterised the congregation and the commingling of the past and present students of Aligarh at one and the same spot as an event of heavenly feature, and the fraternity and the camaraderie of the Old Boys as an ideal not only for the Musalmans, but for all the people of India as well. He eloquently urged the students to study books in a spirit of loving diligence since it was not the aim or ideal of the illustrious founder of the College, that it should serve as a seminary for mere service-hunting men ; but that it ought to provide means for creating a true interest and love for literature and science in the minds of the Indian Musalmans. He

their experience, whilst they have not yet plunged into the immense ocean of worldly anxieties and when their student-days are not yet over. It is on this occasion that they learn a good many useful and healthy things from those who are maturer in age, better in knowledge, fore-sight, toleration, courage, self-sacrifice, and other moral virtues. So, as usual, the dinner of the Old Boys took place this year on the eleventh day of April at nine in the evening on the College Cricket Ground, where the scene was tastefully decked with bunting and flags. The spot was steeped in the brilliancy of incandescent lamps. There were tables there, on which the meal was to be served, and they were arranged very skilfully and laboriously, covering almost the entire area of the cricket pitch. In the centre, there was a Dais for the many speakers of this memorable night. Besides the students, both old and young, past and present, there came numerous guests; of whom one may mention some distinguished persons such as Mr. Justice Hasan Imam of the Calcutta High Court and Dr. Mukhtar Ahmad Ansari of Turkish Mission fame. Members of the College and School staff also assisted at the occasion.

Mr. Syed Zain-ud-din (an Aligarh M. A., and Deputy Collector) occupied the chair. He rose from his seat amidst vociferous cheers and proposed the toast of His Majesty, the King-Emperor George the Fifth and the Royal Family: and it was drunk with heartfelt joy and eager enthusiasm by one and all present. Thereafter Mr. Syed Ross Masood...,son of the late Justice Mahmood and grandson to our renowned leader, Sir Syed Ahmad,—came to the Dais to propose the toast of the Alma Mater and its Trustees, and he went on to characterise the old College

II.

Once Sultan Mahmud led an invasion against Kanouj, the picturesque and splendid capital of Raja Konwar Ray. When the imperial troops approached the town, the Raja, overawed at the strength and grandeur of the Turkish army, gave up all hopes of resistance. Seeing that he was no match for the Sultan he hastened to present himself before Mahmud and paid him homage. This attitude of impressive humility softened the Sultan's heart. Mahmud treated him with every sign of regal honour and respect. The Sultan stayed at the capital for three days as the guest of the Raja and at the time of his departure pledged that in the event of an attack on the Kanouj territory he would personally come to his aid.

Soon after the Sultan's departure all other Hindu Rajas entered into a league, bitterly reprimanded him for his alliance with the Sultan and uniting with the Raja of Kalanjar made a combined attack upon Kanouj.

When this sad news was brought to the Sultan, true to his promise, he hastened to help his friend. But before he could reach the capital, the poor Raja had already fallen a victim to the enmity of his foes.

(HISTORICUS).

THE OLD BOYS' DINNER AT ALIGARH.

This grand and imposing function is celebrated once a year in honour of the Old Boys of the M. A.-O. College on a certain spot within the College premises. It is on this important and ever-memorable occasion, when the present students of the College come into touch with those of the past to receive brotherly advice and to benefit from

SOME HISTORICAL ANECDOTES.

[*Translated.*]

I.

The historians have narrated about Mahmud an interesting anecdote which testifies to his magnanimity and love of justice.

It is said that whenever he was offered a piece of good advice, howsoever much it might have been against his will, he assented to it without delay or demur. An instance of this will be found in the following story:...

It is related that a gang of Beluchi robbers, who built a strong fortress on the road from Ghazni to Persia, was wont to waylay every caravan that happened to pass that way.

Once in their attempt to pillage a caravan they killed a Khorasani youth whose old mother, crying and wailing, presented herself in the court of Mahmud and demanded immediate justice.

The Sultan replied that the place lay so far from his capital that it was extremely difficult for him to see how matters stood at such a distance. Hearing this reply she retorted: Why should he pretend to claim the possession of the vast country whose peace he failed to secure?

This bold retort of the old woman made so great an impression upon the Sultan that he at once resolved to extirpate the robbers. And he issued an order to the effect that all caravans which passed that way should be ccompanied by a military escort.

and re-appeared from the other. *Husn-Ara* said, " Let me see if the needle has not pierced your finger." *Mahmooda* said, " Of course not ;" and she showed her hand. *Husn-Ara* asked, " Why is this your middlefinger so roughened ?" *Mahmooda* laughed and replied, " Of course these are not traces of pricking. But I connot deny that this comes from sewing. I am not used to wear a thimble ; and some clothes happen to be thick and starchy ; so that the needle does not easily pass. In such cases, the needle has to be drawn at one end with the digits, and the head of the needle has to be pushed with the middle finger ; and that's how these marks have been produced." *Husn-Ara* said, " Then it is not limited to the beginners alone. Every one gets a bleeding finger by taking to sewing work." *Mahmooda* said, " I am mightily surprised that you take such an imperceptible trifle for a great calamity. One knows not how many such petty troubles one experiences as morning wears to evening. One gets hurt even in playing, and there are pimples and eruptions every now and then appearing ; sometimes the eyes begin to pain, and one contracts cold on account of the distemperature of hot and cold, and so is fever brought on." *Husn-Ara* said, " Nay, but that's true. But it is one thing to have compulsory suffering, over which we have no control ; and it is another thing to court trouble deliberately. Pray tell me what necessity there is that I should wantonly wound my fingers, or strain my eyes, or give pain to my neck ? Any one will do the sewing for me, on whose nose I shall place the weight of a coin ! " *Mahmooda* said, " Is it not a pain to live in want of another's assistance ?" *Husn-Ara* said, " How in want ? God forbid that I should ever be in want of another's favour."

"Look where I have threaded the needle! So I have learnt sewing." *Mahmooda* said, "No, you haven't learnt sewing yet, though but only a little effort must lead to that."

VIII. MAHMOODA TEACHES HUSN-ARA SEWING.

In short *Mahmooda* made a plain stitching, and made *Husn-Ara* sew to the extent of about half a span. In doing so, the needle pricked her finger three or four times; for which reason her zeal was somewhat damped; and, in contrast to her jumping and leaping for joy on having threaded the needle, she had now sewn the plain stitching over only a little when she hastily handed it over to *Mahmooda* and said, "Sister, this is an awfully difficult 'task!" *Mahmooda*, answered "I told you before that sewing involves a great deal of pain and straining of the eyes. But, in the world, it is the lot of most women to submit to severe pains. Just reflect what a severe exertion it is to grind the mill. But after all, hundreds and thousands of women like ourselves do the work. In comparison with this, sewing counts for nothing. Besides it stands to reason that every work, never so easy, appears difficult to the beginner or uninitiated learner. It is simply due to your want of practice that you pricked your fingers so often. Just imagine how much dexterity the practice in sewing has given me: so that, if you please, I might steadily fix my gaze into yours, and talk on, and the stitching shall go perfectly straight on; there shall be no deviation in the straight line: and so far as the pricking is concerned it is simply idle to fear it." Having said this, *Mahmooda* took the partially-done parts up, and adjusted the one with the other: no sooner had she touched the needle than, in a moment, it disappeared at the one end

have learnt fairly well in two months in plenty of time." *Husn-Ara* said, " I do not indeed know up to this time how to thread the needle. You would be amused to hear something no older than yesterday evening. My *nurse* had long been striving to put the thread in the needle. She is always wearing her glorious spectacles; still she is no better than purblind. As I met her in the course of my play, she whiningly made her request to one so ignorant as me. 'Sweet daughter, will you not do a little bit of work for your nurse? Will you just put the thread in the needle? My fingers do not obey my will on account of nervousness. *Hurmat* moves about with her trunk naked. I have somehow managed to botch up her shirt; but the front still remains.' I strove ever so much; and though the thread would come upon the eye of the needle, it refused to enter. Thereupon I was consumed with the rage of disappointment: and I flung the needle away at a distance." *Mahmooda* said, " No work ever so easy but requires more or less labour: and sewing is an exceptionally galling business. Threading the needle is not at all difficult. Only on account of the untwisting of the thread, the tiny fibres make a cluster at its end. You should twist them with the pressure of your digits, and then the thread will enter probably without further ado." *Husn-Ara* said, "Yes, that must have necessarily been the obstacle, and my *nurse* had not told me of this artifice. Pray give me a needle and a little thread, and let's see if I can thread the needle now or not. *Mahmooda* accordingly gave her a very minute-eyed needle and some very fine thread. No sooner had *Husn-Ara* pressed the end of the thread with her digits and brought it against the needle's eye, than it immediately passed through. Thereat *Husn-Ara* jumped up with great joyousness, and she exclaimed,

bed-pillows? You certainly could not have set the lace on this greenish robe? That shirt of the infant-doll must have been cut by our tutoress? But, when all is done, whence did you obtain those curtains of rain-bow colours? Who gave you that scarf of gold and silver asterisks? How awfully lovely are the hair-ribbons, and how dreadfully beautiful the waist-bands! Lo and behold! those mica-chandeliers, those paper-fans! Durries made of marbled-paper! Look at the twigs done to form the chicks, and the reeds set up for pillars!" In short the sight of *Mahmooda's* dolls made *Husn-Ara* completely taken with admiration, and she showed the things, in estatic curiosity, to *Mahmooda* herself who made them! *Mahmooda* gave but one answer to all the wondering inquisitiveness of *Husn-Ara*; that each and everything had been done, made and sewn by her alone. And *Mahmooda* added, "There is nothing at all very remarkable about all this! If you are resolved to apply yourself in sewing for two months, you will be able to make far superior things. I am not at all fond of doll-play. Whenever our tutoress makes me begin any new work, I make my first attempts by experimenting with the dolls. So that, whatever you saw was no other than the result of my earliest practice." *Husn-Ara* asked, "Shall I be able to work better than this in two months! scarcely credible!" *Mahmooda* replied, "Past question; and even in a shorter period than this." *Husn-Ara* asked, "Does the whole work consist of sewing merely?" *Mahmooda* replied, "And what else, indeed? And the sewing is scarcely worth being so called, it is only the plainest stitching." *Husn-Ara* asked, "Pray tell me how shall I learn so much of sewing in two months?" *Mahmooda* replied, "If you apply yourself diligently, I will stand guarantee. You will

for a man who wishes to spend his leisure time to the best advantage of his bodily health and spirits.

ZAFAR HUSAIN.

SCENES FROM BANAT-UN-NASH.

(TRANSLATION FORWARDED THROUGH PROFESSOR ANAM-UL-LAH KHAN.)

VII.—Husn-Ara Wonders to see Mahmooda's Doll-House.

Although there was at the house of *Husn-Ara*, a large collection of doll-gear; yet she was mightily struck to see the dolls of *Mahmooda*. Those of *Husn-Ara* were bazar-made dolls with a clumsy appearance. They had on ill-made dresses with false lace; and the whole work gave the impression of imperfect handicraft. Neither the stitching, nor the sewing was properly done. But *Mahmooda's* dolls were made and designed from head to foot with her own hands: and there was no comparison between the work done at home and diligently and that which had been mercenary and executed half-heartedly. *Husn-Ara* had purchased for her dolls a ready-made two-storied wooden house; and she was supremely proud of her possession. *Mahmooda* had a house made by herself, extremely beautiful and well-designed, of tin-foil and thin bamboo-ribs. Having seen the dolls of *Mahmooda*, *Husn-Ara* was, for the first time in her life, made to think that wealth and riches counted for nothing before art and skill. For with the dexterity of our hands we can do that which money alone cannot render possible. Again and again she would turn to *Mahmooda* to ask her, in an attitude of amazement; " Oh, could you yourself make this tiny little embroidered money-bag ? Dear, but tell me truly, did you make these

which he looks forward to the prospect of calm weather is worth experiencing. The troubles are over at last, sooner or later, and he reaches his place of shelter all wet, his whole body being at almost freezing point. He loses no time in referring all his troubles to the genial warmth of the fireplace which, in a moment, makes him laugh triumphantly at his past miseries, and decidedly more happy than those who have been comfortable the whole day.

Keeping these aside, there is a peculiar charm in the open atmosphere and the green fields which is known only to those who, however busily taken up they are with their worldly affairs, make it point to escape sometimes from the detestable din and the suffocating smoke of cities in order to sweeten their breath by inhaling the almost unearthly air that is seldom found in thickly populated places. To borrow from an old *shikari* " I like to see the sun three hundred days out of three hundred and sixty-five. I am fond of green trees, green fields, and even green men. I like to have room to move my elbows without digging them into somebody else's ribs, and I like to be able to open my mouth and shout and have no hearers instead of having an army jump down one's throat if one merely opens one's mouth." There are, no doubt, moments when one is tired of the crowded life of towns and turns a misanthropist, so to say, to cure which he must pass some lovely days in places where nature exhibits itself in the most alluring forms.

These are but a few of the many aspects of shooting which in order to be dealt with in detail require immense time and ability. They do not, however, fall short of showing clearly that shooting is decidedly the best diversion

imagination with their charming music of 'quack, quack' which rings singularly in my ears.

He alone who has enjoyed the thing a good many times can appreciate the excitement of a *shikari* proceeding silently towards a herd of deer with the greatest care lest they detect his unwelcome presence and bolt away to his utter disappointment under the leadership of some experienced 'Royal Head.'

Men differ in their choice of the different kinds of shooting. There are some who are votaries of 'big game' while there are others who advocate the cause of petty shooting. This, however, has little to do with the pleasure that all of them seem to afford. A beginner, indeed, will not hesitate to consult his feet at the sight of a dreadful animal even though it be at a distance which it would take some time for it to cover. Such is, however, not the case with an old veteran. He relies on his aim and the accurate shooting of his 'High velocity.' He loves more to challenge the hard-headed brute than to evade it. He cures its self-delusion by his well-placed shell. If the shot does not prove fatal and the creature groans on account of the wound, he puts it out of its agonies by a 'coup de grace.'

Even the troubles with which a sportsman is not seldom beset in shooting, and which sometimes really make him momentarily weary of his life seem to afford greater pleasure than any other sport will. It sometimes happens that he is overtaken by a heavy shower of rain when nothing but a solitary tree seems to offer him but nominal shelter. In many cases, even this much is refused to him. He is in a pretty bad condition, but the eagerness with

objects of his desire, a thing that in many cases makes his patience desert him, if he is not a tried man. This, however, does not happen always, and in the majority of cases his patience is crowned with success, for the ducks, at last, begin to come, generally in small parties. The splash caused by their settling on the silent water whispers hope into his ears. This is a time when his self-control has to undergo the most severe test, for at every new splash his fingers seem to do all but actually pull the trigger. To make sure of a good bag it is incumbent upon him to wait till a large number of them is in. Even this is not all. He has also to see that they have come within range of his gun. Now, then he has to, take his first shot at them as they are all taking together unaware of his hidden presence and the death dealing arm, and let the contents of his second barrel sweep right through the thickest of them as they take to their wings. If he finds that a good kill has been made and a number of the ducks is down, be becomes, as it were, transported for the time being to the domain of unmixed joy. He then, naturally enough, turns his attention to tea —the indispensable companion of the cold weather—for he knows that there is no prospect whatever of their again coming within range. Besides, he feels the effects of the winter chills which have blown wildly against his face. I daresay nothing more pleasant can be conceived than three or four *shikaris* talking over their hot-brimming cups of Lipton's, with their winged victims lying cold by their sides.

I remember having dreamt whole days away in shooting and sincerely confess that I could not have passed them more pleasantly in any other way. Even now, when I lie down in my bed, free from the bustle of the day, these winged fairies—ducks, geese, etc.,—entertain me, in my

would leave so soon. On the 4th May a Staff Dinner was held in his honour, at which Dr. Zia-ud-din Ahmad and Professors Allah Bakhsh and Wilayat Ahmad paid eloquent tributes to the work which Mr. Dunnicliff has done since he came to Aligarh, and much regret was expressed at his leaving. The Science Staff gave a garden party on the following day.

We congratulate the Hockey Team very heartily on their success in winning the Beighton Cup at Calcutta.

A PLEA FOR SHOOTING.

Every one has his own hobby, but it is much to be doubted whether one can look upon the hobby of another from the latter's point of view.

I think it extremely cruel on the part of any one to decry the pursuit of another so long as it is not immoral—and will not consequently associate myself with such prejudice. All that I have in view is to say something about shooting,—the undisputed king of sports.

I wonder how anybody on earth can possibly find a better diversion to enliven his dull hours of leisure. The difficulty, however, is that he who unfortunately has never in his life had the good fortune to experience the excitement of a keen and enthusiastic sportsman sitting on the bank of a lake or river, on a chilly morning, earnestly expecting every moment the arrival of his old migratory friends—teal, mallards and others—can hardly be expected to lend his sympathetic ears to the outbursts of a sportsman's passion for shooting, and cannot form any conception of the pleasures that shooting affords.

The sportsman has to wait, sometimes, for hours and hours together before he even hears a simple cry of the

The Aligarh Monthly.

Vol. XII. | May 1914. | No. 5.

NOTES AND NEWS.

The principal feature of the month of April was the Old Boys' celebrations, which were, as usual, combined with Sir Syed's Day. On the 10th the Staff Club gave a garden party on the Graduates' Lawn at which the Old Boys were the principal guests. On the 11th (Sir Syed's Day) a meeting was held in the morning in the Strachey Hall, at which speeches were made by the Honorary Secretary of the College, by the Principal, and by Mr. Ahsan-ul-Haq. In the afternoon a garden party was given by the members of the M. A.-O College Club in honour of the Old Boys, and in the evening took place perhaps the most important function of all, the dinner given by the Old Boys themselves, at which many trustees and members of the staff and a large number of past and present students were to be seen. Some notable speeches were made. A full account of the proceedings will be found upon another page.

Mr. Towle, unfortunately, has found that his health is not yet equal to the ordeal of an Aligarh hot weather, and he has, therefore, amid general regret, gone home on leave for the summer. We all hope that he will come back with renewed health and strength in November. Mr. Auchterlonie has also gone home on six months' leave, and our good wishes go with him. Our staff is, for the time being, further depleted by the departure of Mr. Dunnicliff early in May, to take up a post at Amritsar. Although his appointment was generally known, it was not expected, until a few days before, that he

[REGISTERED NO. A.-234.]

THE ALIGARH MONTHLY.

VOL. XII. No. 5. | May 1914. | Annual Subscription Rs. 4, Post Free. Single Copy, As. 6

No.	CONTENTS OF ENGLISH SECTION.	PAGE.
1.	NOTES AND NEWS: Old Boys' Day...Departures... The Beighton Cup	87
2.	A PLEA FOR SHOOTING: by Syed Zafar Husain ...	88
3.	SCENES FROM "BANAT-UN-NASH": VII and VIII. Translation forwarded through Professor Anamullah Khan, No. 9	92
4.	SOME HISTORICAL ANECDOTES: (Translated) by "Historicus"	97
5.	THE OLD BOYS' DINNER: by Syed Iftikhar Hyder ...	98
6.	THE PHILOSOPHICAL SOCIETY: Report	103
7.	PUBLICATIONS RECEIVED: Our contemporaries ...	104

[For contents of Urdu section, see back cover.]

Allahabad:

Printed by Bishambher Nath Bhargava, at the Standard Press.

Publisher:—D. Reynell, Professor, M. A.-O. College, Aligarh.

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۳۴

علیگڈھ منتھلی

قیمت سالانہ للعہ معہ محصول ڈاک قیمت فی رسالہ مرادی ۶	بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۴ء	نمبر ۴ جلد ۱۲

مقام اشاعت مدرستہ العلوم علیگڈھ

فہرست مضامین حصہ اردو

پبلشر۔ مسٹر ڈی۔ رینل۔ پروفیسر مدرستہ العلوم علیگڈھ
اسسٹنٹ اڈیٹر قاضی جلال الدین صاحب ماسٹر مدرستہ العلوم علیگڈھ
باہتمام بابو بشمبھر ناتھ صاحب بھارگو
در اسٹینڈرڈ پریس الہ آباد طبع شد

شرح چھپائی اشتہارات حصّہ اُردو

ایک صفحہ	واسطے ایک سال کے	۲۴ روپیہ
"	واسطے نصف سال کے	۱۲ روپیہ
"	واسطے تین ماہ کے	۷ روپیہ
"	واسطے ایک ماہ کے	۲ روپیہ ۸ آنہ

نصف صفحہ کے لئے مذکورۂ بالا شرح کا نصف لیا جاویگا اور نصف صفحہ سے کم ہونے کی صورت میں بھی نصف صفحہ کی اُجرت لیجائیگی

اُجرت ہمیشہ پیشگی وصول ہوگی۔

دی آکٹر لونی۔ ایم۔ اے منیجر

علیگڈھ منتھلی مدرستہ العلوم علیگڈھ

علیگڈھ منتھلی

نمبر ۴ | بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۴ع | قیمت سالانہ للعہ معہ محصولڈاک
جلد ۱۲ | | قیمت فی رسالہ مرادی ۴ر

مشہور آبشارہاے عالم

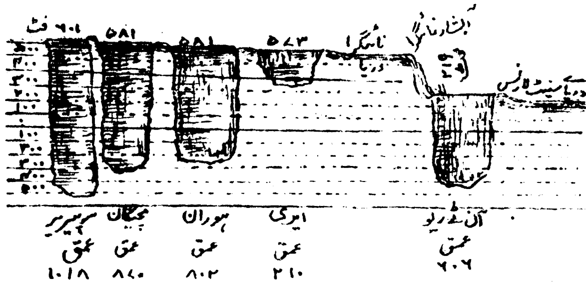
ترد و — انسائیکلوپیڈیا

آبشار (جغرافی اصطلاح) بلندی سے کسی چشمہ یا ندی یا دریا اور نہر کا گرنا۔ انگریزی مین بلحاظ بلندی اور تیزی رفتار کے آبشار کیلئے کئی الفاظ ہین۔ اگر دریا کسی سنگلاخ مگر بے حد ڈھالو زمین پر سے تیزی کے ساتھ گذرتا ہو تو اسکو ریپڈز (Rapids) کہتے ہین۔ اگر زیادہ بلندی سے یکایک گرتا ہو تو واٹرفال (Waterfall) اور کم بلندی سے چادر کی طرح نیچے آتا ہو تو کیٹےرکیٹ (Cataract) اور اگر کئی منزل سے گر کر دو یا تین یا چار آبشار بناتا ہوا نیچے آتا ہو تو اِس مقام کو کیسے کیڈ (Cosacade) کہتے ہین۔ یہہ عظیم الشان اور دلفریب مناظر قدرت کوہستان ممالک مین موجود ہین۔ جہان دریا اور چشمے بلند او محدب

مقامات سے نکلکر درجہ بدرجہ بلندیون اور ڈھالو مقامات کو طے کرتے ہوے سمندر کے نشیب تک پہونچتے ہین - فوائد - پانی کا دائمی طور پر اوپر سے نیچے کو گرنا پنچکیون کے چلانے کا آسان ترین ذریعہ ہے - بڑی بڑی مشینین خصوصاً برقی قوت پیدا کرنے کے انجن بلا کوئلہ یا تیل کے مصرف کے آجکل آبشارون سے چل رہے ہین عظمت وشان اور کارآمدگی کے لحاظ سے چند آبشارون کا ذیل مین ذکر کیا جاتا ہے -

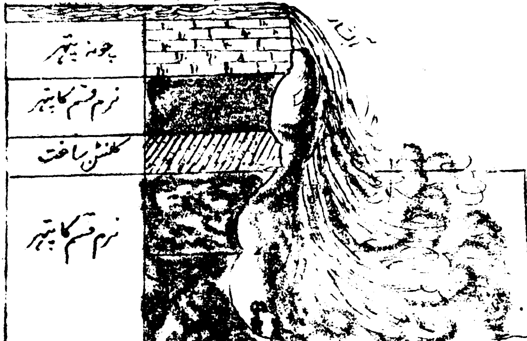
آبشار نیاگرا (Niagra Falls) دنیامین سب سے زیادہ باعظمت ہے - نیاگرا دریا کا نام ہے جو شمالی امریکہ مین جھیل ایری (Erie) سے گذر کر جھیل آن ٹے ریٹو (Ontario) مین گرتا ہے اور آگے چلکر اسکا نام دریاے سینٹ لارنس ہوجاتا ہے - آبشار سے ایک میل اوپر دو ٹاپون کے باعث کئی شاخون مین منقسم ہوجاتا ہے اور ۵۰ فٹ کی ڈھال پر بہکر امریکہ کے رخ ۱۶۲ فٹ اور کناڈا کے رخ ۱۵۸ فٹ کی بلندی سے دو آبشارون کے شکل مین نیچے گرتا ہے - امریکہ سے یہان مطلب ممالک متحدہ امریکہ ہے - آبشار سے اوپر دریا کے سنگین کنارے سو فٹ تک بلند ہین - کناڈا کے رخ پر یعنی بجانب غرب آبشار کی شکل نیم دائرہ کی ہوگئی ہے اسلئے اسکو ہارس شو فال امریکی آبشار کی چوڑائی ایکہزار فٹ ہے لیکن کناڈا والا اس سے زیادہ عریض اور باعظمت ہے یہہ عظیم الشان پانی کی چادرین اپنے زور مین چٹان کی دیوار سے پچاس فٹ کے فاصلہ پر گرتی ہین اور موسم سرما مین جبکہ تمام دریا اور جھیلین یہان کی یخ بستہ ہوجاتی ہین تو گرتی ہوئی چادر بھی جم کر عجیب دلفریب منظر پیدا کرتی ہے آدمی گرد و ورگرد ہ پانی یا برف کی چادر کے نیچے ٹہلا کرتے ہین - پانی کی تندی سے چٹان پیچھے کے طرف کاٹتی ہوئی جارہی ہے اور جلد وہ دن آنے والا ہے کہ ہٹتے ہٹتے آبشار مٹ جاوے اور فقط ڈھال پر پانی رڑکتا ہوا باقی رہے -

---



اعداد بالائی سے مراد سطح سمندر سے بلندی اور اعداد درمیانی سے جھیل کا کل عمق اور اعداد زیرین سے جھیل کا عمق سطح سمندر سے نیچے بتلایا گیا ہے۔





آبشار منجمد۔ بعض ممالک مین موسم سرما شروع ہوتی ہی ہوا کی برودت نقطۂ انجماد تک پہونچ جاتی ہے اور پانی جو بشکل آبشارون کے بلندی سے گر رہا تھا وہ ٹھوس چادر کی طرح چوٹی سے لے کر دامنِ کوہ تک برف کی کھڑی دیوار بنکر رہجاتا ہے۔ ایسا ایک آبشار اوس راستہ کے کنارے پر پڑتا ہے جہان سے ہوکر راستہ تبت کو جاتا ہے۔

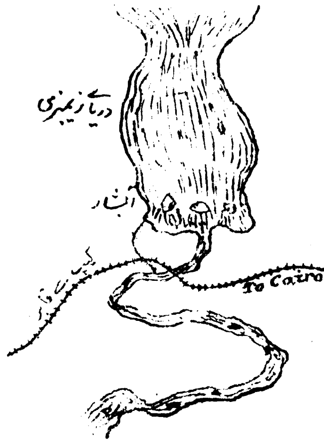
آبشار وکٹوریہ



آبشار وکٹوریہ اِس نام کا آبشار دریاے زمبیزی واقع افریقہ جنوبی مین واقع ہے جو یک لخت دریا کے تین سو فیٹ گرجانے سے پیدا ہوگیا ہے۔ زمبیزی کے کنارے اِس جگہ تقریباً چار سو فیٹ بلند ہین۔ کبھی یہہ آبشار برقی قوت پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ بنالیا جاوے گا۔

آبشار وکٹوریہ کا عرض تہائی میل ہے اور جس تنگ درہ یا ڈھاب مین بہکر وہ بہتا ہے اِسکا طول چالیس میل ہے۔ درّہ کے قریب چند ٹاپو واقع ہوجانے سے ہم عظیم الشان آبشار پیدا ہوگئے ہین۔ مثلاً آبشار قوس قزح۔ لیپنگ واٹر یا آب جھندہ وغیرہ درّہ کے اوپر دریا چار سو فٹ گہرا ہے اور آبشار سے کچھ ہی فاصلہ پر کیپ ٹو کیرو ریلوے پر

پل باندھ دیا گیا ہے۔



آبشار مار ٹمورنیس (Murtmorency Falls) یہہ دریا کیوبک واقع کینیڈا (امریکہ) سے کچھ دور نیچے کے طرف ایک عظیم الشان آبشار بناتا ہے جسکا گراؤ ۲۵۰ فٹ ہے۔

آبشار مسوری (Missouri Falls) دنیا کے اس سب سے لانبے دریا واقع امریکہ کے ۱۶ میل بہاؤ مین ۳۵۷ فٹ کا ڈھال ہے اور اسلئے چار خوش منظر آبشار ۸۷ و ۱۹ و ۴۷ و ۲۶ فٹ کے گہرے پیدا ہو گئے ہین۔

آبشار ہائے یوسیمائٹ واقع کیلیفورنیا (امریکہ شمالی) جسکے کل شاندار آبشارون اور جھرنون کا گراؤ دو ہزار چھ سو فٹ ہے جنمین پہلا پندرہ سو فٹ اور آخری چار سو فٹ نیچا ہے

آبشار ہملٹن لیبریڈار واقع امریکہ شمالی کے دریائے ہملٹن کی دھار مین اسکے دہانہ سے ٹھیک دو سو میل کے فاصلہ پر چند خوش منظر آبشار واقع ہین جنکا نام گرانڈ فالس (Grand Falls) ہے اور جن مین سے سب سے بڑا تین سو فٹ کی بلندی سے گرتا ہے۔

آبشار طقیندما | دریاے بوگوٹا واقع کولمبیا جنوبی امریکہ مین ۳۶ فٹ (Tequendama) چوڑا اور چھ سو فٹ بلند ہے۔

آبشار قیطور | جنرل امریکہ کے ملک برٹش گیانا مین دریاے پوٹارو (Potaro) پر قیطور (Kaieteur) نامی عظیم الشان آبشار ۳۷۰ فٹ چوڑا اور ۷۴۰ فٹ بلند ہے۔

آبشار ہاے دریاے نیل | مصر کے مشہور دریاے نیل پر آٹھ آبشار ہین جن مین سے ریپن اور مرچیسن نامی جھیل وکٹوریہ نیانزا کے قریب اونچے اور باقی چھ مصر کے قریب در اصل نیچے نیچے جھرنے ہین۔



آبشار اسٹینلی | (Stanley Falls) دریاے کانگو واقع وسطی افریقہ مین پڑتے ہین جو تعداد مین گیارہ ہین۔

آبشار ٹوگیلا | (Tugela Falls) نیٹال واقع جنوبی افریقہ مین بلحاظ اپنی خوشنمائی کے مشہور ہین۔

آبشار کاویری | ہندوستان کے مشہور دریاے کاویری کا شاندار آبشار حدود میسور کے اندر سواس مدرم کے قریب واقع ہے اس دریائی ٹاپو کے قریب آبشار دو حصون مین منقسم ہوگیا ہے اور چار سو پچاس میل کے چکردار دھارے سے سمندر مین گرجاتا ہے اسکے گرنے سے برقی کلین اور انجن چلاے جاتے ہین خصوصاً معدنون مین بذریعہ تار کے طاقت پہونچانا اور معدنون سے دوری پر آبشار کا واقع ہونا نہایت قیمتی اور مفید عام کام ہے۔ چنانچہ میسور کے کولار

گولڈ فیلڈ یعنی سونے کی کانین اِسی ذریعہ سے چلائی جارہی ہین۔

یوروپ کے آبشارون کے نام معہ بلندی

نام آبشار	ملک کا پتہ	بلندی فٹون مین	کیفیت
ریوکین فاس Riukanfoss	ناروے	۸۰۵	دریا مآن پر ہے دھوان دھار مشہور ہے
گوتھا Gotha	سویڈن	زائد از ۱۰۰	جھیل و نر سے نکلنے کے بعد کئی آبشار ہین
آبشار گیوارنی Gavarnie	کوہ پیرے نیز (اسپین)	۱۳۰۰	یورپ مین سب سے بلند لیکن نہایت ہلکا ہے
اسکولے جو Seculajo	پیرے نیز	۸۲۰	اسپین مین بھاری آبشار ہے
آبشار رہائن	شافہاسن	۱۰۰	۳۰۰ فٹ عریض ہے
ٹرنی Terni	اٹلی	۵۵۰	دریاے ولینو ترین مصنوعی آبشار مین
فائرز Foyers (اسکاٹلینڈ مین)	لاخ نس جھیل کے پورب	بالائی ۴۰ زیرین ۱۶۵	خوشنما ترین ہے۔
آبشار ہاے کلائڈ	اسکاٹلینڈ	۳۰-۴۰-۸۰-۱۰۰	پُرشوکت ہین
اسکیل فورس بیرو Barow لوڈور Lodore	لیک ڈسٹرکٹ انگلینڈ	۱۹۰ ۱۲۴ ۱۰۰	Scale force قابل دید ہین

آباضیہ۔ (Abadites) شعبہ ہے خارجی مذہب کا جنکا اعتقاد یہہ ہے کہ جملہ فرائض الہی داخل ایمان ہین۔ اور گناہ کبیرہ کفر نعمت ہے (کفر) شرک نہین ہے (کتاب الغنیہ جیلانی رح) یہہ نام شمالی افریقہ کے اِن خوارج کو دیاجاتا ہے جو علی رض سے اسوقت علیحدہ ہوگئے تھے جبکہ وہ معاویہ رض سے صلح پر راضی ہوگئے تھے۔ سنہ ہجری اول و دوم مین ممالک مغربیہ اور بربریہ مین خارجی فرقہ بصورت آباضیہ اور صفریہ داخل ہوا۔ انکے امام ابوالخطاب۔ اور ابوالحاتم نے سرکشی کی اور خلافت افریقہ جاتی رہی۔ ایک آباضیہ خاندان بنام رستمیہ طاہرت مقام پر ڈیڑھ سوبرس حکمران رہاتاآنکہ فاطمیہ نے مغرب مین خلافت قائم کی ابوعبداللہ الشیعی نے ۲۹۶ھ (۹۰۸-۹۰۹ع) مین طاہرت کوتباہ کیا اور آباضیہ لوگون کو الجزائر جربہ اور ٹیونس کے صحراؤن مین منتشر ہوکر رہنا پڑا۔ یہہ لوگ آجکل ورگلہ مزاب۔ جبل نفوسہ اور جزیرہ جربہ مین آباد ہین اور ایک اعلےٰ مذہبی اور تاریخی علوم کے مالک ہین۔ جوش قومی اور عمان اور زنجبار کے آباضیہ لوگون سے تعلقات قریبہ قائم رکھتے ہین۔ وہ ملحد کہلائے جانے سے سخت نفرت کرتے ہین اور انکا دعوی ہے کہ اصل اصولہاے اسلام کو ۷۳ فرقون مین سے صرف وہی مانتے ہین اور نجات کے صرف وہی مستحق ہین۔ خلافت کے بارہ مین ابوبکر رض اور عمر رض کو صحیح اور جانشین برحق رسول کا جانتے ہین۔ قرآن پاک کو وہ خدا کا کلام اور اسکا خلق کیا مانتے ہین اور انکا یہہ عقیدہ ہے کہ خدا بہشت مین نظر نہین آوے گا۔ اور یہہ کہ بہشت اور دوزخ دونون ابدی ہین جزا و سزا دونون دوامی ہین اور یہہ کہ خدا صغیرہ گناہون کو معاف کردیتا ہے اور کبیرہ نہین معاف کئے جاتے جب تک کہ توبہ کے پانی سے نہ دھو دئے جاوین۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ نیکی کی اشاعت اور بدی کی مذمت کرے۔ جو مسلمان مذہبی قوانین کے احکام کے برخلاف چلین اونکو اور مسلمانون کی دوستی سے فائدہ اوٹھانے کا حق نہین رہتا انکو دشمن کی طرح برتنا چاہیئے حتی کہ وہ توبہ کرلین۔ انہین برادری سے خارج کرنے کا بھی دستور ہے جس سے اہم نتائج مذہبی اور مالی پیدا ہوتے ہین۔ وہ سنی مسلمانون سے اسیوقت ربط و ضبط

کرتے ہین جب اغراض تجارت انھین بے حد مجبور کرین نہ وہ انہین شادی بیاہ کرتے ہین اور اگر کر لیتے ہین تو برادری نہایت معترضانہ نگاہ سے انکو دیکھتی ہے اِس نفرت کے اصول سے صرف یہہ فائدہ ہوا ہے کہ (مثل اہل ہنود کے) وہ آپس مین نہایت میل جول اور جتھا بند رکھتے ہین۔ (ملخص از انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

جلال

نظم جلالی

جو ۱۱ اپریل ۱۹۱۱ء کو بموقعہ اولڈ بوائز ڈنر پڑھی گئی

گل ہوا اک دشت وحشت خیز مین میرا گذر — شکل عبرت وان نظر آیا ہر اک دیوار و در
حسرت و یاس و الم ہر ذرہ ذرہ سے عیان — آیا افسوس اور غم ہر ریزہ ریزہ مین نظر
قصر و ایوان جا بجا لیکن ہر اک سر بر زمین — یادگارین کو بکو لیکن ہر ایک ڈھیر اور کھنڈر
کنگرے ٹوٹے ہوے۔ قبے کلس چھوٹے ہوے — برج و گنبد سرنگون جو کھنڈیان زیر و زبر
باغ و بستان سب بے شجر بے برگ و بار — گل گریبان چاک اور مرغ چمن بے بال و پر
الغرض ہر شاخ و بن سے سوگواری آشکار — ہر طرف بدرونقی ہر جا اوداسی سر بسر
سٹ پٹا کر حیرت و سہم و ہراس و خوف سے — ہو گے اس عالم مین ہم جنسون کو تکتی تھی نظر
کچھ مکان دیکھے گراؤ در کھلے اور تھم پھٹے — اسمین کچھ انسان سوتے پائے بے خوف و خطر
اسقدر خواب گران بیکار باد تند دھر — نیند کا یہہ اور طوفان حوادث بے اثر
بے خود و بیہوش و بے حس بد حواس و خستہ حال — بادۂ غفلت بلب نے پیش بین نے پس نگر
جاگتی تصویر دیکھی اک فقط پھرتی ہوئی — مضطر و حیران سراسیمہ مشوش منتشر
مضمحل متفکر و مغموم و محزون و ملول — دل شکستہ دلزدہ داغے بدل خون در جگر

دور اندیش و عقیل و دردمند و بردبار
خوش خیال و خوش کلام و خوش بیان و خوش سیر

تجربہ کار و معمر رازدان ملک و قوم
پالسیون سے وہ واقف حکمتون سے باخبر

شورش دل سے ہوا مجبور وہ مرد خدا
قوم کے بیدار کرنے کے لیے باندھی کمر

دم دلاسے سے کبھی خوابیدگانِ ناز کو
ڈانٹ کر گاہے اُٹھایا گہہ جھٹک کر کھینچ کر

کچھ اُٹھے انگڑائی لے کر چند چل پھرنے لگے
بڑبڑائے کچھ نہ سمجھے اپنا جو نفع و ضرر

ساتھیون کو لے بڑھا ٹوٹے مکانونکی طرف
خشت و گل چونہ مصالحہ اینٹ پتھر جمع کر

عمر ساری صرف کردی اپنے تن من دھن کیساتھ
تب بنا پایا کہین اک قصر ملت مختصر

چند دن کی بات تھی بننے نہ پایا تھا مکان
جسکا شہرہ ہو گیا از قیروان تا باختر

لکہ ہاے ابر اُٹھے مشرق و مغرب سے دو
ابر رحمت بنکے چھائے اسکے سر پر جون چھتر

ہاتفِ غیبی پکارا ہو مبارک مومنو
اِس مکان کا ہو گیا مقبول اب اک اک حجر

اب یہی ہونے کو ہے اسلام کا حصن حصین
ملت بیضا کا مرکز مومنون کا مستقر

مسلمین ہند کی حق نے بنایا اسکو مان
جسکے بچے اولڈ ہوکر بھی رہینگے بار ور

اسکا بچہ بچہ ہوگا بے مثیل و بے نظیر
اسکا خادم ایک ایک عالی ہمم عالی نظر

ملک کے سچے رفیق اور قوم کے پشت و پناہ
سلطنت کے دوست تخت و تاج کے کامل سپر

انمین نکلین گے کچھ ایسے جنکے جان و مال سے
شوکتِ دینِ متین اک بار ہو گی جلوہ گر

انمین وہ دیکھو گے جنکے خوشدلی کے فیض کا
ہند پر احسان رہے گا از جلندھر تا بدر

انمین وہ پاؤ گے جنکے نفس کے ایثار کا
ملک مین شاہد رہیگا ہر شجر اور ہر حجر

ایک ایک ذرہ یہان چمکے گا ہمچون آفتاب
ایک ایک قطرہ یہان برسے گا ہمچون ابر تر

ننھے ننھے بچے اسکے سربلند و سرفراز
صغر سن اس جا کے گھر مین بھیڑ باہر شیر نر

ہاتفِ غیبی یہہ کہ کر یک بیک رخصت ہوا
جا بجا بکھرے ہوے کچھ نوجوان آئے نظر

عاقل و فرزانہ و چالاک و چست و مستعد
وضع دار و حوصلہ مند و شریف و مقتدر

دشت وحشت خیز مین سرگرم آبادی تمام
چاک داماںِ قبائے قوم کے سب بخیہ گر
خشت وگل سے کوئی ایوان کے بنانے مین شریک
آہک واحجار سے کوئی نشیمن گے ہے سر
کوئی برجون اور قبون پر ملا مصروف کار
کوئی دیوارون کے اونچ اور نیچ پر رکھتا نظر
ایک جا مرغول ہندی ایک جا محراب مور
ایک مکان ہندی ہنش اور ایک بر وضع تتر
کاش مِل جل کر اگر اک وضع پر آباد ہو
رشک فردوس برین ہو یہہ جو تھا ایکدن کھنڈر
خوش رہے یارب جلالی بوڑھے بچونکا جتھا
ہے یہی سچ مانئے نخل تمنا کا ثمر

فطرت انسانی کی کرتوت

نمبر ۴

از بدر الحسن صاحب جلالی

کارپردازان قضاو قدر جو مدت سے اسی سوچ بچار مین تھے کہ وہ کس کام کے لئے پیدا کئے گئے ہین یکایک قدرت کی طرف سے اپنے اپنے فرائض کے انجام دہی کی ہدایت پاکر کمربستہ ہوگئے کارخانہ عالم مین چار چاند لگنے شروع ہوگئے۔ اِس عالم کی عمر بھی کم سنی کے میدانون کو طے کر کے لڑکپن کی منزلون کے کنارہ آلگی وہ کاکل پیچان جنکا عدم وجود تا ہنوز ایک ہی ساتھ تھا کتم نیستی سے بازار ہستی مین آگئے لب لعل نما کی قیمت افزائی ہونے لگی۔ حسن کے درختون مین کونپلین نکل آئین شاخین لچک لچک کر اپنی بہار دکھانے لگین پھولون کی صورتین پیدا ہونے لگین۔ ایسے وقت مین جبکہ آفتاب مشرقی دن بھر کی محنت سے تھک کر افتان وخیزان بستر مغرب کی تلاش مین بے اختیار مریض ناتوان کی طرح گر رہا ہے۔ اپنے مٹ جانے کے خوف سے بدن مین رعشہ ہاتھ پاؤن کانپتے ہوئے چہرہ کی رنگت فق ہوتی جاتی ہے یکایک دیکھتے دیکھتے مریض خاوری کا منکا ڈھل گیا اور لحد مغرب مین مدفون ہوگیا۔ شفق شام بے اختیار اوسکے حال زار پر خون کے آنسوؤن سے رونے لگی۔ تاریکی

اپنے منھ سے ستارون کی چنگاریان چھوڑتی ہوئی سپر عفریت کی طرح پشت آسمان سے تمام
عالم پر چھا گئی ہمارے تمام طفلان سادہ لوح بھاگے ہوے اپنے اپنے جھونپڑون کی طرف آرہے
ہین تمام کھیل کود کے سامان کو میدان مین بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے۔ تمام بچہ خوشی خوشی آکر اپنے
اپنے بیت الاطفال مین داخل ہو گئے۔ جسطرح کوئی واپس شدہ فوج کے سپاہی بغرض آرام
اپنے بارکون مین گھس جاتے ہین۔ سردی بڑھنے لگی۔ ہاتھ پاؤن کپ کپانے لگے۔ شمالی خنک
ہوائین جو دن بھر تمازت آفتاب کے انصاف سے درجۂ اعتدال پر قائم تھی اب آزاد اور بیخوف
ہوکر اپنی پوری طاقت کا اظہار کرنے لگی ادھر رات کی تاریکی نے اور بھی پیٹھ ٹھونک ٹھونک ابھارا
گویا اوسنے اِس دشمنِ آرام کو اطمینان دلایا کہ چلو اور خوب چلو کیونکہ تاریکی اسکے تمام عیوب کو
ڈھانک لیگی اسکی حرکات و سکنات پر پردہ ڈال دے گی۔ پھر کیا تھا سائین سائین کی آواز
سے تمام عالم بھیانک اور ڈراؤنا معلوم ہو رہا تھا پیڑ چھوٹے بڑے پودے اسکے قدمون پر گرتے اسکی
خوشامد کرتے مگر یہہ طوفان سخت دل ایک بھی نہ سنتا اور اوسی زور شور کے ساتھ اپنی رفتار
کو قائم رکھتا اور بعض سن رسیدہ ضعیف درختون کو ہمیشہ کے لیے اپنا پا بوس بنا لیتا۔ آہ پانی بھی
سرد مہر ہو گیا نہ وہ لطافت باقی رہی اور نہ وہ آہستہ خرامی گردش روزگار نے اِسی بھی نیا چلن
سکھا دیا اب اسکی وہ گل پروری کہان۔ وہ آرام دہی کجا۔ ابتو اسنے بڑی بڑی جھاڑے دار
جھاڑیون کو بھی جو ہمیشہ اسکے سر پر سایہ فگن رہتی تھین اوکھاڑ کر پھینکدیا اور زور زور سے چلایا
اور کوس لمن الملکی بجا بجا کر اکڑتا ہوا ترچھا بانکا بنا ہوا بیچاری خاک کی بنی ہوئی زمین کی ٹھوکرون
سے پرزہ اوڑاتا ہوا نکلجاتا ہے۔ پہاڑون نے اپنی سیاہ صورتون کو اِسی چرخ کج رفتار کی ادنیٰ
سی ٹٹکاری پر عارضی روغن برف و یخ مل مل کر گورا بنانا شروع کر دیا ایک تو ویسی ہی
سنگدل تھے اور دوسرے سرد مہر بھی ہو گئے آہ ہمارے بچون کی خیر نہین یہہ دیکھو ہر ایک انھین
سے سمندر کی موجون کو جوانِ خشکی کے رہنے والون کے جلد مٹ جانے والے مظالم کو دیکھ دیکھ کر
زیر لب مسکرا رہی تھین بغور دیکھ رہے ہین۔ بات کرنے کا یارہ نہین۔ ہاتھ پاؤن بھی سن۔ دماغ

بے کار۔ چھوٹی چھوٹی ٹانگین ایک حرکت کرنے والی مشین کا ہتہ تھین کہ کسی دم قرار نہ تھا یہہ دیکھ کر فطرت انسانی نے مسٹر فرزانہ سے بہت سی لکڑیان لانے کو کہا جسکی تعمیل کیگئی مسٹر فرزانہ نے سب کی جھونپڑیون سے خشک پھونس چھانٹ کر ایک جگہ اکٹھا کیا۔ فطرت انسانی مسکراتی ہوئی اوٹھی اور سب کو تسلّی دے کر فوراً دو بانسون کے ٹکڑون کو خشک پتّون اور پھونس پر رکھ کر زور سے رگڑ دیا ایک شعلہ نکلا اور تمام پھونس کو روشن کر دیا اہا اس روشنی کے ساتھ ایک قسم کی حرارت پیدا ہوئی جسنے ہمارے بچون کو زرد چہرون پر سُرخ سُرخ خون کی دھاریان پیدا کر دین۔ ایک تھوڑے سے استعجاب اور حیرت کے بعد ہماری سادگی بھی اپنے نئے دوست کے پاس خوش خوش آن بیٹھی اور بھولی بھولی باتین بنانے لگی۔ کیونکہ ہمارے نئے مہمان حضرت فطرت انھین کے گھر یا جھونپڑے مین قیام پذیر ہین۔ حیا بھی طوعاً و کرہاً اس جلتے پھونس کے پاس مگر سب سے الگ آن بیٹھی مسٹر بہادر اگرچہ سردی مین کانپ رہے تھے مگر پھر بھی سینہ نکالے ہوے اپنی جھونپڑی کے گوشون مین ٹہل رہے تھے کیونکہ اونہین اس فطرت کی "تین پانچ" سے ایک قسم کی نفرت پیدا ہوگئی تھی مگر پھر بھی ہمارے سب دوست اپنے دوست کی مینا کاریون پر حیران تھے مگر موسم کی سختی مین کمی ہو جانے کی بدولت سب خوش تھے اور کھیل کود مین پھر اوسی طرح مشغول ہو گئے۔

به یک لحظه به یک ساعت به یکدم
دگرگون می شود احوال عالم

ہمارے اس باب کی تمہید کے لئے ایک یہہ ہی شعر کافی ہے اب دوبارہ برسات کا زمانہ آرہاہے۔ موسمی ہوائین سمندر کے اوبال کے ساتھ برابر اوٹھتی چلی آتی ہین۔ تمام عالم مین رطوبت اور تری پھیل گئی ہے۔ بعض وقت عجب گلا گھونٹ گرمی پڑکر پسینہ کی دھارون کے

انسانی جسمون مین جیر مراہٹ پیدا کر دیتی ہے۔ بعض وقت ہلکے جھونکے تازگی اور فرحت کا پیغام لاکر حیوانات کے دلون کو ترو تازہ بنا دیتی ہے۔ مگر ہوا مین قدرتاً کچھ ایسی گرانی ہے کہ عارضی خوشی ہی کے سوا کوئی حقیقی فرحت نہین پیدا کرتی۔ مشرق و مغرب سے ہر ملک اور موقع کے مطابق ہر چہار طرف سے بادل کی کالی کالی فوجین بھوری بھوری وردیان پہنے ہوے لگاتار آسمان سفر طے کرتے ہوے کسی طرف یلغار کرتے ہوے برابر جارہے ہین۔ مگر جہان کہین سردی اور خنکی پاتے ہین اپنی شکست اور رکاوٹ پر بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتے ہین۔ آہ دنیا کا رنگ بھی عجب تغیر پسند ہے۔ اِن ہی بادلون کی گریہ زاری پر باغ جہان کے تمام گل و بوٹے مسکرانے لگتے ہین۔ آہ کیسے ظلم کی بات ہے بیچارے بادلون کی تو جان گئی اِنکا تو جسم گھل گھل کر پانی ہو گیا مگر کسان کے مردہ جسم مین جان آگئی یا تو مردہ کی طرح اپنی خشک کھیتی کو آنکھین پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا یا یکایک اوچھلنے لگا زرد چہرہ پر خوشی اور بشاشت کی ہلکی ہلکی سرخی دوڑ گئی طائران صحرائی اپنے اپنے آشیانون کے لئے محفوظ اور مضبوط جگہ ڈھونڈنے لگے بگلون کی قطارین کالے کالے آسمان پر اوڑتی ہوئی اِدھر سے اُدھر چلی جاتی ہین ہر شے پر تازگی ہر برگ و بار جوانی کے اوٹھتے ہوے جوبن سے مست۔ مست الست شراب کی بوتلین دبائے جھوم جھوم کر کاگ پر کاگ اوڑانے لگے۔ ہمارے بچون کی خوشی کی بھی انتہا نہ تھی ایک دوسرے سے گلے مِل مِل کر خوشیان مناتا تھا گلون کی تازگی دیکھ دیکھ کر پھولا نہ سماتا تھا۔ اونکے تمام جنگلی درخت ہرے ہو گئے تھے اونکے سبزہ زار لہلہانے لگے تھے۔ دو ہی دن مین سارے جنگل مین منگل نظر آتا تھا قمریون کے چہچہے۔ کبک کے قہقہے۔ بلبلون کے نغمے۔ پپیہے کی دلکشا پیا پیا کی آواز۔ ایک بے اختیار ہو جانے والے دل کے لئے تازیانہ تھی ہماری طبیعت بھی مچلی اور ہم سیدھے اپنے دوستون کی جھرمٹ مین جا داخل ہوے جہان سب بچے کسی دلخوش کن کھیل مین موجود تھے۔ پیپل اور برگد کے موٹے موٹے ریشون کے جھولے جابجا پڑے ہوے تھے جسپر ہمارے آزاد۔ بے فکر۔ بچے دو دو کرکے جھول رہے تھے اور ایکدوسرے سے مزہ مزہ کی

باتین کررہا تھا۔ مگر ہم فطرت اور سادگی بی کو یہان نہین پاتے ہین۔ ا ہا وہ دونون سامنے اپنے جھونپڑے مین نظر آرہے ہین اے لیجئے یہان وہ کسی بات پر مچل رہی ہین۔ اتنے مین فطرت نے ایک صندوق کی طرف اشارہ کیا کہ جو سادگی بی کے جھونپڑے مین رکھا ہوا تھا اور نہ معلوم کب سے رکھا ہوا تھا۔ بچے روز اوسکو دیکھتے اوسپر کھیلتے۔ مگر کوئی اوسکو کھولنے کا ارادہ نہین کرتا۔ نہ اوسکے راز کے افشا کی کوشش کرتا۔ مگر فطرت نے جب سے اس صندوق کو دیکھا تھا۔ سادگی سے روزمرہ کہتی۔

فطرت۔ اچھی میری سادگی بہن۔ مین روز پوچھتی ہون کہ اسمین کیا ہے مگر تم نہین بتاتین آخر اسمین کیا ہے

سادگی۔ دیکھو۔ مین تم سے کئی بار کہہ چکی ہون کہ تم اسکی بابت نہ پوچھو کیونکہ مین خود نہین جانتی اسمین کیا ہے۔

فطرت۔ اچھا یہہ بتلادو کہ یہہ کہان سے آیا۔

سادگی۔۔ یہہ ہمیشہ سے یون ہی میرے جھونپڑے مین رکھا ہے۔

فطرت۔ اچھا تو اوسکو کھولو۔

سادگی۔ (غصہ ہوکر) فطرت بہن چلو کھیلینگے۔ دیکھو سب بچے وہان چلے گئے۔ ہم یہان اکیلے ہین۔ تم اس صندوق کے خیال مین نہ پڑو۔ دیکھو اسمین کسقدر مضبوط قفل لگ رہا ہے اسکا ڈھکنا کسقدر مضبوط ہے۔ دیکھو اسمین موٹی موٹی کیلین لگی ہوئی ہین۔ پھر یہہ کیسے کھل سکتا ہے۔

یہہ کہکر سادگی بی نے فطرت کا ہاتھ پکڑا اور جہان سب بچے کھیل مین مشغول تھے جاکر کھیلنے لگے اِس واقعہ کو عرصہ گذر گیا مگر ہمارے فطرت کو اسبات کی تگ و دو لگی رہی کہ کسی نہ کسی طرح وہ اُس صندوق کے سربستہ راز کو دیکھے ایکدن اسی خیال مین سب بچون کے ساتھ سوگئی رات کی خاموشی مین ہلکی ہلکی ہوا کی آواز کے سوا اور کوئی آواز نہین سنائی دیتی تھی کہ

یکایک ہمارے فطرت کی آنکھ کھلی گویا فتنہ جاگا۔ ہوا کے نغمون کے ساتھ اوسنے ایک پتلی سریلی آواز کے ساتھ فطرت کی تعریف کا راگ سنا وہ بھونچکا ہوکر اوٹھ بیٹھی اِدھر اُدھر دیکھکر پھر اوسی راگ کے سننے مین مشغول ہوگئی۔

"فطرت او فطرت ۔ اے چھوٹے خوش بچہ اوٹھ ۔ اور رات کی خاموشی مین اپنے کارمنصبی کو انجام دے۔ اے چھوٹے خوش بچہ آ اور تارون کی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی مین میرا تماشہ دیکھ"

فطرت ان باتون کو سنکر حیران تھا وہ اوٹھا یکایک اوسکے تعجب اور حیرانی کو اور بھی چار چاند لگ گئے جبکہ اوسنے اس سریلی باریک آواز کو اوسی سربستہ صندوق سے نکلتا دیکھا۔ اوسکی ٹکٹکی اوس صندوق کی طرف بندھ گئی وہ بہت دیر تک سوچ مین کھڑا رہا اوسنے چاہا کہ اور بچون کو جگا دے اور یہہ راگ سنادے۔ مگر قدرتی شوخی نے اوسے روکا اور وہ خود اوس صندوق کی طرف بڑھا اوسنے اوسے چھوا۔ اوسنے اوسپر ہاتھ پھیرا وہ اوسپر بیٹھ گیا پھر لیٹ گیا مگر آواز برابر آرہی تھی اوسنے قفل کو دیکھا آزمایا جانچا۔ آخر کار ایک آواز نے جو "مجھ کو کھولو اور عمدہ تماشہ دیکھو" کے الفاظ مین صندوق سے نکلی اوسکو بے چین کر دیا وہ عرصہ تک اوسی تالے کے کھولنے مین مشغول رہا مگر قفل نہایت مضبوط تھا اوسنے چارون طرف دیکھا اوسے صندوق مین ایک کیل لٹک رہی تھی۔ اوسنے خوش ہوکر اوس کیل سے تالہ کھولنا شروع کیا۔ قفل کھل چکا تھا کہ صبح کا ستارہ وسط سما پر چمکا پھیکی پھیکی روشنی سب جگہ پھیل گئی پرندون کی نغمون کی آوازین آنے لگین تارے زرد پڑ پڑ کے غائب ہونے لگے ۔ ہماری سادگی بی کی آنکھ کھل گئی اوسنے فطرت کو دیکھا وہ ندارد تھی گھبرا کر اوٹھی آہ اوسکے منہ سے ایک چیخ نکلی جبکہ اوسنے فطرت کو صندوق کا پٹ اوٹھاتے ہوے دیکھا اِدھر سب بچہ جاگے اِدھر فطرت نے مسکرا کر صندوق کا پٹ کھولدیا جس سے بار بار مختلف باریک آوازین آرہی تھین الامان ایک زور شور کا دنا ٹا ہوا اور تمام جھونپڑون مین سیاہی پھیل گئی تمام بچہ گھبرا کر بھاگے باہر

آنکو بھی بھاگے مگر یہان بھی تاریکی پائی اب اِس تاریکی مین اونکے کسی شے نے کاٹا آہ اونھون نے دیکھا کہ ہزارون قسم کے زہریلے جانور چھوٹے بڑے کیڑے تمام اندر پھیل گئے تھے۔ جوان بچون کے نازک نازک جسمون کو اپنے زہریلے اور نوکیلے ڈنکون سے بے اختیار کاٹ رہے تھے۔ جسکے درد اور تکلیف نے اونکے لئے ایک ناقابل برداشت حالت پیدا کردی تھی۔ اونکے تمام حصص اجسام جانورون کے زہریلے مادہ کے اثر سے سوج گئے تھے۔ آہ وہی لب لعل رنگ جو کل تک شکوہ وشکایت کے مزۂ تلخ سے بالکل ناآشنا تھے آج بے اختیار گلہ وشکوؤن سے پُر تھے۔ وہ آنکھین جو زیادتی خوشی مین سوائے سرد اشکون کے کبھی نہ پرنم ہوئی تھین آج مثل ابر نوبہار گرم گرم آنسوؤن سے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھین۔ آہ وہ سب لہو لعب بھول گئے تھے اونکی بے فکری اور آزادی اسباب سیل فنا کی موجونکی نظر ہو چکا تھا۔ اونکی فرحت اور شادمانی یکدم یاران ناآشنا کی طرح جواب دے چکین تھین۔ سب بچہ فطرت سے ناخوش تھے اور اوسکی حرکت پر نفرین کر رہے تھے۔ خود فطرت کو بھی کسی بڑے زہریلے جانور نے کاٹا تھا جسکے درد اور تکلیف سے وہ بھی ہائے وائے مین مشغول تھی۔ یہہ مختصر تماشا بہت عرصہ تک قائم نہ رہ سکا اوسی طلسمی صندوق کا دوسرا پٹ خود بخود ایک ہوا کے سخت جھونکے سے کھل گیا۔ اور ایک خوفناک آواز کے ساتھ جسنے ہمارے بچونکے دُکھ اور درد مین اور بھی سہاگہ کا کام دیا تمام عالم مین ایک نور پھیل گیا جسکی ٹھنڈی ٹھنڈی اور سفید سفید روشنی مین ہمارے سب بچون نے ایک خوبصورت سنہرے بالون والی سہیلی کو دیکھا جو تمام بچون سے اپنے طرز مین نرالی تھی جو صندوق کے پٹ کے اوپر کھڑی ہوئی مسکرا رہی تھی اور سب بچون کو تسکین اور دلاسا دے رہی تھی۔ اوسکے بال بال سے ایک نور کی شعاع نکل نکل کر زمین اور آسمان پر پھیلتی جاتی تھی اور اون جانورون کے لئے برق بلا کا کام دے رہی تھی جسکے خرمن جان کو ایکدم مین جلا کر خاک کر چکی تھی اور اب کوئی زہریلا جانور صفحۂ زمین پر باقی نہین رہا تھا۔ مگر بچون کے درد اور تکلیف مین ابتک کوئی کمی نہ تھی۔ یہہ دیکھ کر وہ سنہرے بالون والی سہیلی صندوق پر سے اوتری اور سب بچون کے زخمون اور ورم شدہ مقامون کو اپنے ننھے ہاتھ سے

بالون کی لنبی لنبی لٹین لگائین جسکے سبب تمام بچون کا درد کافور ہوگیا تھا۔ دکھ جاتا رہا۔ فطرت بھی خوشی سے ملنے لگی اور اپنے نئے اختراع پر ناز کرتی ہوئی ایک ایک سے اس نئی سنہرے بالون والی سہیلی کی آمد کا ذکر کرتی۔ آخر کار سب بچون نے اوس سے پوچھا کہ وہ کون تھی اور سنے مسکرا کر سب بچون کو گلے سے لگایا۔ اور یون کہنے لگی۔

"میری پیاری بہنوا ور پیارے بھائیو۔ یہہ سب کیڑے کوڑے جو تم نے ابھی ابھی دیکھے تھے اس عالم کے مصائب ناگزیر ہین اور یہہ سب خوفناک صورتین غم والم کی تھین جو ہمیشہ انسان کی گوشت خوری کرتے ہین۔ مگر تم خوش ہو کہ مین اُمید ہون اور ان سب کے دفعیہ کے لئے پیدا کی گئی ہون" سب بچے اپنی نئی سہیلی کے آنے سے خوش تھے مگر پھر بھی فطرت کی کرتوت اونھین یاد آکر ایک دم کے لئے پریشان ضرور کر دیتے تھے۔

تقریر علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال

بجواب

ایڈریس ممبران کمیٹی نسوان علیگڈھ

ممبران کمیٹی! مین آپ کے اِن عنایت آمیز خیالات کا جو آپ نے میرے متعلق اپنے ایڈریس مین ظاہر کئے ہین تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہون۔

ترقی تعلیم اناث کا راستہ اتنا دشوار گذار ہے اور ہمارا ملک اتنا وسیع اور ہماری خاص ضروریات کا مسئلہ اتنا پیچیدہ ہے کہ فقط میری کوششین اسوقت تک نتیجہ خیز نہین ہوسکتین جبتک کہ تعلیم یافتہ طبقہ جو شاہ راہ ترقی مین سب سے آگے ہے اِس کار خیر کیجانب پوری سرگرمی کے ساتھ متوجہ نہ ہو۔ مین آپ کے اِس خیال کی ممنون ہون کہ اسوقت ہندوستان

مین چند در چند وجوہ سے تعلیم اناث کے بارہ مین آپ کی توقعات صرف میری ذات سے وابستہ ہین۔ مین آپ کو یقین دلاتی ہون کہ حتی الامکان مین نے اشاعت تعلیم اناث کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا۔ مگر میری کوششون کے بارآور ہونے کا انحصار بلکہ میری تمام توقعات کی وابستگی تعلیم یافتہ حضرات سے ہے۔ کیونکہ اگر وہ اِس معاملہ مین سست رفتاری سے کام لینگے تو مین کیا گورنمنٹ علیہ کی کوششون سے بھی عمدہ نتائج مترتب نہین ہوسکتے۔ تعلیم اناث کے راستہ مین سب سے بڑی مشکل یہی ہے کہ ابھی تک ہماری قوم کو اس اہم ضرورت کا پورا احساس نہین ہوا۔ گذشتہ چند سالون مین کسی قدر ہم نے ترقی ضرور کی ہے اور تعلیم اناث کا چرچا ملک مین ہوچلا ہے مگر پھر بھی تعلیم یافتہ طبقہ مین زیادہ تر یہی دیکھتی ہون کہ والدین لڑکون کے مقابلہ مین لڑکیون کی تعلیم کو چندان ضروری تصور نہین کرتے۔ اگر کچھ توجہ بھی کی تو صرف بلا معنی قرآن مجید اور معمولی نوشت وخواند سکھا کر اپنے نزدیک دینی اور دنیوی تعلیم سے فراغت حاصل کی۔

ابھی تک اس امر کا احساس ہم لوگون مین نہین ہوا ہے کہ گھر کی چار دیواری کے اندر بھی ہماری خواتین کی ضروریات ایسی اہم ہین جیسے کہ لڑکون کے لئے کسب معاش کی تعلیمی ضروریات؛ اور اِن ضروریات کو عمدہ طرح سے انجام دینے کے لئے لڑکیون کو تعلیم وتربیت کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی کہ لڑکون کے لئے۔

حضرات! ہماری تکالیف ومشکلات مین صرف اُسیوقت تخفیف ہوگی اور ہمارے تعلیمی وسائل اُسیوقت مکمل ہونگے جبکہ تمام قوم مین بیداری کے آثار نمایان ہوجائین اُن آثار کے نمایان ہونے مین ہمارے تعلیم یافتہ حضرات ہی کو نمایان حصہ لینا ہوگا۔ آپنے اسی ایڈریس مین فرمایا ہے کہ ہماری قوم مین تعلیم کی اسقدر کمی ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ مردم شماری کے رپورٹون سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی صوبہ مین تو تعلیم یافتہ مستورات کا ایک فیصدی اور کسی مین نصف فیصدی کا تناسب ہے۔ اور اِس قلیل تعداد مین بھی بکثرت ایسی مستورات ہین جو صرف حروف شناس

ہین آپ کا یہہ فرمانا بالکل درست ہے کہ واقعی تعلیم یافتہ تو شاید دس ہزار مین ایک عورت بھی نہ نکلیگی۔ صاحبان! اسکی وجہہ یہی ہے کہ تعلیم اناث کا چرچا ہندوستان ہین لڑکون کی تعلیم کے بہت بعد شروع ہوا ہے۔ اور ابتک بالمقابلہ نہایت ہی کم ہے۔

دنیا کے تمام ممالک مین عورتون کی تعلیمی ترقی مردون کے بعد شروع ہوئی ہے۔ علم و فضل مین پہلا قدم مرد ہی ہمیشہ آگے بڑھاتے ہین۔ مگر تھوڑی دور چلنے کے بعد ہی محسوس ہونے لگتا ہے کہ مرد اور عورت ترقی کی ایک ہی گاڑی مین دو پہیے ہین۔ اگر دونون پہیون کی رفتار برابر نہ ہو تو ترقی کی رفتار قائم نہین رہ سکتی ہندوستان مین اشاعت تعلیم کے ابتدائی حالات اگر آپ ملاحظہ فرمائین گے تو آپ بھی دیکھینگے کہ فقط لڑکون ہی کی تعلیم کے مسئلہ سے بحث کیگئی ہے۔ ورق کے ورق اور کتابین دیکھہ جائیے مگر شاذ ہی کہین تعلیم اناث کا تذکرہ برائے نام ملے تو ملے۔ غرض یہانتک اسپر فراموشی کا پردہ ڈالا گیا ہے کہ جو ہماری قدیم تعلیم تھی اسکو جدید تعلیم کے اعتراضات نے برباد کردیا اور بجز اعتراضات دو صدیون سے ہم نے کچھ نہین سنا۔ لیکن این ہم غنیمت است۔ یہہ تو اب جب لڑکون کی تعلیم کی ہوا ذرا تیز چلنے لگی اور قوم کا ایک ہاتھہ بیکار ہونے کے باعث طرح طرح کی رکاوٹین اور تکلیفین خود کو محسوس ہونے لگین تو عورتون کی تعلیم کے جانب توجہہ شروع ہوئی۔

واقعی سب سے اہم اور ابتدائی ضرورت ہمارے لئے یہہ ہے کہ قوم مین تعلیم اناث کا احساس پیدا کیا جاے۔ یہہ احساس آپ تعلیم یافتہ حضرات ایجوکیشنل کانفرنس، اخبارات اور دیگر ذرائع سے ہی پیدا کرسکتے ہین۔ محمدن ایجوکیشنل کانفرنس نے مختلف صوبہ جات مین تعلیمی ضرورت کے مسئلہ پر شدومد سے جلسے کئے، تقریرین ہوئین اور دلچسپ عنوان کے فصیح و بلیغ مضامین پڑھے گئے مگر لڑکون کی تعلیم کے مقابلہ مین تعلیم اناث کے لئے کسقدر سرگرمی کم ظاہر کی گئی، او اسکی وجہہ وہی عدم احساس کی مشکل ہے جو اس خاص مسئلہ ہین ہماری قوم مین عام طور پر پائی جاتی ہے اور جسکے حل کرنے مین ہماری تعلیمی کانفرنس کو ابھی بہت صبر و استقلال سے

کام لینا ہوگا۔

مین اب نصاب تعلیم کے مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتی ہون ۔جب قوم مین تعلیم اناث کی ضرورت ہی عام طور پر نمایان نہ ہو تو نصاب تعلیم ابتدا ہی مین کیونکر مکمل ہوسکتا ہے ۔لیکن تاہم آپکو اِس جانب متوجہ رہنا چاہیئے اور نااُمید نہ ہونا چاہیئے۔ آپ اپنی یونیورسٹیون ہی کے نصاب کو دیکھیئے کہ کسطرح بتدریج ترقی ہوئی ہے اور ہو رہی ہے اور محمڈن یونیورسٹی کی ضرورت کے لئے سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ ہماری قوم کے لئے ایک علٰحدہ موزون و مکمل نصاب ہونا چاہیئے ۔میرے خیال مین سردست یہہ ضرور ہے کہ ابھی ہماری خواتین کے لئے ایک موزون و مکمل نصاب تیار نہین ہوسکتا۔ اگر ترقی کی رفتار قایم رہی تو انشاءاللہ رفتہ رفتہ ایک عمدہ نصاب بھی ہماری ضرورتون کے لائق تیار ہوجاے گا۔ مگر اِسکے یہہ معنی نہین ہین کہ ہم اپنی کوششون مین غفلت کرنے لگین اور نصاب کے طرف سے مایوس ہوکر بیٹھ جائین، نہ اسکے یہہ معنی ہین کہ سردست جو نصاب میسر ہے اور کتب درسی پہونچ سکتی ہین اور جنکے لئے ہم گورنمنٹ ہند کے محکمہ تعلیم کے مرہون منّت ہین ہم اُنکی جانب سے اس بنا پر بے توجہی کرین کہ ہمارے لئے وہ موزون نہین ۔جب بہتر سامان میسر نہین ہے تو جو کچھ اور جسقدر میسر ہے اُس ہی سے فائدہ اُٹھانا لازم ہے ۔ گورنمنٹ ہند کے زنانہ مدارس کے نصاب اور کتب درسی ہی کو لیجیئے، ان ہی مین تغیر تبدل یا اضافہ کیجیئے، آہستہ آہستہ استقلال کے ساتھ موزون کتابون کے ترجمے کرائیے۔ مگر خدارا خواب غفلت سے بیدار ہوجیئے ۔

تھوڑا عرصہ ہوا مجھ کو پنجاب کے اخبارات مین یہہ بحث دیکھ کر بہت تعجب ہوا تھا کہ ہم اپنے زنانہ مدارس مین یا خواتین کے نصاب مین انگریزی شامل کرین یا نہین۔ کیفیت تعلیم اناث کی یہہ ہے کہ دس ہزار خواتین مین ایک بھی شاذو نادر ہی تعلیم یافتہ ہوگی۔ اور علاوہ ازین ہماری خواتین کو فارسی اور عربی ہی مین کون سی مکمل استعداد میسر یا ممکن ہے جسمین انگریزی حارج ہو رہی ہے یا اُسکے حارج ہونے کا احتمال ہے۔ اور زبان انگریزی نے ایسا کون سا قصور کیا ہے

کہ لڑکون کے لئے تو یہہ کیمیاے اصلی اور بیچاری لڑکیون کے لئے سم قاتل تصور کیجاتی ہے ترقی کا پہلا ذریعہ ابھی کوسون دور ہے، مگر ہمارے بحث مباحثے بعض اوقات ایسے ہوتے ہین کہ گویا تعلیم اناث کا آفتاب نصف النہار پر پہونچ گیا ہے۔

صاحبان! مین اپنی راے یہی دونگی کہ جو کچھ میسر ہے اُس سے فائدہ اُٹھائیے اور جو نفع ملتا ہو اُسکو غنیمت سمجھئے مگر آگے قدم بڑھائیے۔ اگر بعض خواتین انگریزی زبان پڑھنا ضروری تصور کرتی ہین یا اُنکے والدین اور اعزہ اِنکے لئے لازم سمجھتے ہون، تو فرمائیے کہ کیا وجہ ہوسکتی ہے جو اُنکے لئے یہہ دروازہ بند کر دیا جاے۔ اور آپ کالجون اور یونیورسٹیون مین عمدہ عمدہ ڈگریون سے ملقب ہون۔

لڑکیون کے نصاب مین انگریزی ضرورت کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوے بسا اوقات یہہ فراموش کر دیا جاتا ہے کہ لڑکون کی تعلیم کے متعلق بھی یہہ بحث ایک دفعہ پیش آچکی ہے۔ گذشتہ صدی کی ابتدا مین ہندوستان کی تعلیمی و اخلاقی حالت نہایت ابتر تھی اور اشاعت تعلیم مین طرح طرح کی مشکلات پیش آئین۔ ہمارے حکمران مدبرون نے تعلیم کے مسئلہ پر مختلف نقطۂ خیال سے نظر ڈالی اور بہت سے اصولی و فروعی امور مین باہمی اختلافات ہوے مگر سب سے اہم مسئلہ یہی تھا کہ آیا نئی اعلےٰ تعلیم انگریزی زبان مین ہو یا ہندوستانی زبانون مین ۱۸۳۵ء مین لارڈ میکالے کی مشہور تحریر کی بنا پر گورنمنٹ ہند نے بھی فیصلہ کیا کہ ملک کی تمام اعلےٰ تعلیم انگریزی زبان مین ہو اور یہہ ہمارے ملک کی خوش قسمتی تھی کہ یہی امر اسطرح طے پایا۔ ہمارے ملک کی مختلف زبانون کے ذریعہ سے ہرگز وہ فوائد ظہور پذیر نہ ہوتے جو اعلےٰ تعلیم کے رائج کر دینے اور اصلی سرچشمہ تک تشنہ لبون کے پہنچ جانے سے ہوے۔ کتابون کے ترجمے فقط ابتدائی مراحل مین مدد دیا کرتے ہین اور تکمیل علم کے لئے اصل سرچشمہ تک پہونچنا بہت ضروری ہوتا ہے، خلفاے عباسیہ کے زمانہ مین یونانی زبان نہ جاننے کی وجہ سے اُن علوم و فنون مین جو مسلمانون نے یونانیون سے لئے اور جنکا ترجموں پر زیادہ انحصار تھا بہت سی خامیان رہ گئین۔

اگر لڑکون کے لئے انگریزی اعلے نصاب مین داخل نہ کیجاتی تو ہمارے ملک کے آفتاب علم پر بہت سا گرد و غبار چھایا رہتا

حضرات! مین دعوے سے کہتی ہون کہ جب ہندوستان مین تعلیم اناث کی زیادہ ترقی ہوگی اور ابتدائی مراحل طے ہوجائینگے تو لڑکیون کے اعلے نصاب مین انگریزی نہایت ضروری تصور کیجائے گی۔ اور انگریزی کو داخل نصاب کئے بغیر اعلے تعلیم کے مدارج مین ہرگز کام نہ چل سکے گا۔

بالفعل لڑکیون کے نصاب تعلیم کو بے جا طور پر محدود کرنے سے عمدہ فوائد ہرگز ظہور پذیر نہین ہوسکتے۔ ماؤن سے لڑکے لڑکیان دونون پیدا ہوتے ہین اور دونون کی تعلیم و تربیت کا ابتدائی مرحلہ مان کے زیر توجہ ہی طے ہوتا ہے۔ مگر ہندوستان مین (اور خصوصاً ہماری قوم مین) ہم ابھی تو صنف ضعیف کے تعلیمی مسئلہ مین ابتدائی تعلیم کا مرحلہ ہی طے کر رہے ہین اور اِس ہی مرحلہ کا انتظام زیر غور ہے۔ اعلے تعلیم ابھی کسیقدر دور ہے۔

حضرات! اب مین چند الفاظ طریقہ تعلیم اناث کی بابت کہونگی، کیونکہ یہہ مسئلہ بھی نہایت اہم اور قابل توجہ ہے۔ تعلیم اناث کے لحاظ سے ہم اپنی قوم کو تین حصّون مین تقسیم کرسکتے ہین اول حصّہ تو اُن امرا کا ہے جو گورنسز کے ذریعہ سے اپنی لڑکیون کی تعلیم کا انتظام کرسکتے ہین۔ اور کرتے ہین۔ دوسرا حصہ اُس طبقہ کا ہے جو اپنی لڑکیون کو زنانہ مدارس مین بھیجتے ہین یا بھیجنا چاہتے ہین۔ تیسرا حصہ اُن اصحاب کا ہے جنکو زنانہ مدارس کی تعلیم پر ابھی تک پورا اعتماد نہین اور جو اُستانیون کے ذریعہ سے ہی اپنی لڑکیون کو تعلیم دلانا روا رکھتے ہین۔ ہم کو قوم کے پہلے حصّے سے اِسوقت بحث نہین ہے بلکہ ہمکو حصہ دوم و سوم کی تعلیمی ضرورت کے وسائل پر غور کرنا ہے اور جسقدر آپ غور کرینگے اسی نتیجہ کو پہونچینگے کہ ہمارے ملک مین زنانہ مدارس و بورڈنگ ہاؤسز کی تعداد زیادہ ہونی چاہیئے، کیونکہ اُستانیون کا بھی بغیر عمدہ زنانہ مدرسون اور بورڈنگ کے انتظام کے تیار ہونا ناممکن ہے۔ اُستانیون کو فقط طریقہ تعلیم سیکھنے کے لئے

اتنے سال نہین چاہئین جتنے کہ اُن کو وہ معلومات حاصل کرنے مین صرف کرنے پڑینگے جن کی بنیاد پر طریقۂ تعلیم کی عمارت تیار ہو سکتی ہے۔ فقط طریقۂ تعلیم حاصل کرنے کے لئے استانیون کو سال دو سال کی تعلیم کافی ہے، مگر طریقۂ درس سیکھنے کی قابلیت پیدا کرنے کے لئے اُنکے واسطے عام علمی معلومات بے انتہا ضروری ہین جو کہ وہ عمدہ زنانہ مدارس مین کئی سالون کی تعلیم کے بعد ہی حاصل کر سکتی ہین۔ اسلئے خواہ طبقہ دوم ہو یا طبقہ سوم، میری راے مین تعلیمی ضروریات مدرسون ہی سے پوری ہو سکتی ہین۔

بہت سے زنانہ مدارس ہمارے مُلک مین موجود ہین اور ایک معقول تعداد مشنری اسکولون کی بھی ہے۔ مگر صاحبان! جب تک ان مدرسون مین خاص پردہ کی ضروریات کا پورا انتظام نہین ہو گا۔ اُسوقت تک ہماری قوم کے حضرات اُنکے طریقۂ تعلیم پر بالفعل پورا اعتماد نہین کر سکتے۔ اور مین اُنکے خیالات سے متفق ہون کہ ہمکو اپنے مذہبی پردہ کا ویسا ہی حامی ہونا چاہیئے اور جب تک کہ ہماری قوم مین مذہبی تربیت کی تکمیل نہ ہو اُسوقت تک جو پردہ کہ اسوقت رائج ہے اُسکا ہونا ضروری ہے۔ مین ان مدرسون پر کسی قسم کا اعتراض ہرگز نہین کرتی۔ یہہ مدارس ملک مین ہمارے کام مین معقول امداد دے رہے ہین اور ہمکو اُنکے مہتمون اور منتظمون کا ہر طرح ممنون ہونا چاہیئے۔

مین اِسوقت مسلمان لڑکیون کی ضروریات سے بحث کر رہی ہون اور اُنکے لئے پردے کے انتظام سے آراستہ مدرسون اور بورڈنگ ہاؤسیز کو نہایت ضروری خیال کرتی ہون جسقدر ہماری قوم کو اُنپر زیادہ اعتماد ہوتا جائے گا اور روشنی پھیلتی جائیگی اُسیقدر ہماری تلامذہ کی تعداد مین بھی اضافہ ہوتا جائے گا۔ فقط اُستانیون کی امید موہوم پر بیٹھ جانا اور کچھ نہ کرنا کسی طرح مناسب نہین۔ اول تو میری ذاتی راے مین اتنی اُستانیان ہی کیونکر پیدا ہو سکتی ہین جو تمام مقامات کی ضروریات کے لحاظ سے کافی ہون۔ علاوہ ازین ایک شہر مین سات آٹھ اُستانیان علیحدہ علیحدہ مکانات پر تعلیم دے کر وہ فائدہ نہین پہونچا سکتین جو اُسی شہر مین

سات آٹھ اُستانیون کا مدرسہ اور بورڈنگ پہنچا سکتا ہے۔ مین ہرگز نہین کہتی کہ آپ اُستانیون کی طرف سے غفلت کیجئے۔ ہرگز نہین؛ اکثر حضرات کے خاندانون کے لئے بھی اُستانیون کی ضرورت ہے اور رہے گی۔ مگر آپ اُستانیان بھی بغیر ایک معقول مدرسہ و بورڈنگ ہاؤس کے ہرگز مہیّا نہین کر سکتے۔ اسی امر کے متعلق ایک اور مسئلہ جسکی بابت مین اپنا خیال ظاہر کرنا چاہتی ہون، یہہ ہے کہ یورپین و نیٹو کرسچین لیڈیز کو زنانہ مدرسون مین ملازم رکھنا چاہئے یا نہین؟ مجھ کو جیسا کہ آپ نے اپنے ایڈریس مین فرمایا ہے بھوپال کے زنانہ مدرسون کے انتظام کا معقول تجربہ ہے اور مین اِس تجربہ کی بنا پر کہتی ہون کہ اشاعت تعلیم کے ابتدائی زمانہ مین یورپین اور نیٹو کرسچین لیڈیز کے بغیر اچھی طرح کام نہین چل سکتا۔ وہان اُنپر پوری نگرانی رکھنا یہہ کام آپ کا اور آپ کی خواتین کا فرض ہے۔

صاحبان! جبکہ لڑکون کے ہائی اسکولون اور کالجون مین یوروپین پروفیسرون اور ہیڈ ماسٹرون کے بغیر ترقی دشوار ہے (حالانکہ آپ کی قوم مین ایسے افراد پیدا ہوگئے ہین جو انگریزی ہی کی قابلیت مین انگریزون کے ہر طرح ہم پایہ ہین) تو آپ طبقۂ اناث مین کیونکر توقع کرسکتے ہین کہ بغیر یورپین یا کرسچین لیڈیز کے کام چلے اور کام بھی اچھا ہو۔ استانیون کا بھی آپ کے یہان قحط ہو اور پھر آپ یورپین و نیز کرسچین لیڈیز سے امداد نہ لین تو یہہ فرمائیے کہ آپ کی تلامذہ کو تعلیم کون دے گا۔

صاحبان ہماری قوم کو عملی ہونا چاہئے اور جبتک آپ کے یہان قابل خواتین پیدا ہون۔ آپکو دیگر اقوام سے اُنکی خدمات مستعار لینا لازم ہوگا۔ ورنہ آپ خود غور فرمائیے کہ کیونکر کام چل سکتا ہے۔ ہان انتخاب مین ہر طرح غور و احتیاط کیجئے۔ دیکھئے آپ کے کالج کے طلبا بھی بعض یورپین پروفیسرون کو کس الفت سے ابتک یاد کرتے ہین۔ اسلئے اساتذہ کی تلاش مین ہمدردی و اُلفت کا جویا رہنا بہت ضروری بلکہ بے انتہا ضروری ہے۔ تعلیم مین خواہ لڑکون کی ہو یا لڑکیون کی وہی اُستاد بہترین نتائج پر پہنچ سکتا ہے جو اُلفت کے سکہ کو کالج کی حدود مین جاری کرے

اور ہمدردی کی زنجیر سے اپنے شاگردون کو مقید رکھے۔ محبت کا سودا دست بدست ہوتا ہے! ۔
اُستاد شاگردون سے محبت کرے تو بھلا کوئی وجہہ ہے کہ شاگردون کو اُستاد سے الفت نہ ہو
غرض آپ انتخاب کرکے ہرطرح موزون اُستانیان رکھے مگر جبتک آپ کی قوم ایسی اُستانیان
پیدا نہ کرے تب تک بہ مجبوری دیگر اقوام سے اُنکی خدمات مستعار لینی پڑینگی۔

ممبران کمیٹی! ۱۹۱۲ع کی کانفرنس کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اِس زنانہ مدرسہ مین (۸۷) طالبات تعلیم پا رہی ہین۔ مجھ کو یہہ معلوم نہین کہ روزانہ حاضری کا اوسط کیا ہے مگر مین اُمید کرتی ہون کہ روزانہ تعداد ہرطرح قابل اطمینان ہوگی آپ کے عطیون کی سالانہ آمدنی ساڑھے چار ہزار کے قریب ہے مگر تمام مصارف کی میزان ڈھائی ہزار سے زیادہ نہین۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو تلامذہ کافی بہم نہین پہونچتین اور مدرسہ کو کامیاب کرنے کے لئے اِس امر کی سخت ضرورت ہے کہ تلامذہ کی تعداد مین اضافہ ہونے کی تدابیر پر غور کیا جاے مجھے اُمید ہے کہ اس بورڈنگ ہاؤس کی وجہہ سے جسکی رسم افتتاح آج مین ادا کرتی ہون اگر اگر اسکے ساتھ آپ نے قابل قدر نگرانی کے اسباب پیدا کرا دئے تو ضرور تلامذہ کی تعداد مین کافی اضافہ ہوگا اور اُستانیون کی رہائش کا اگر انتظام ہوگا تو اُنکے دستیاب ہونے مین سہولت ہوگی۔

ممبران کمیٹی! آپ کو سب سے بڑی مشکل یہہ پیش آئیگی کہ گیارہ بارہ برس کی عمر کے بعد ہماری قوم کی زیادہ تر تلامذہ مدرسہ کی تعلیم سے علحدہ ہوجائینگی اور اسی وجہہ سے میرا یہہ خیال ہے کہ تعلیم نسوان کے مسئلہ کا جہانتک ہماری قوم سے تعلق ہے ہمکو فی الحال زیادہ تر ابتدائی اور درمیانی تعلیم کا انتظام کرنا چاہیے،، اعلےٰ تعلیم ہماری خواتین مین سرعت سے ابھی نہین پھیلیگی۔ اسکے لئے وقت چاہیے۔ جسقدر آپ کے زنانہ درسگاہون کی تعلیم پر قوم کو زیادہ اعتماد ہوتا جائیگا اُسیقدر زیادہ تلامذہ زنانہ مدارس مین داخل ہونگی اور پھر خود بخود اعلیٰ تعلیم کا مسئلہ بھی پیدا ہوجاے گا۔ مین دیکھتی ہون کہ اس مدرسہ کی حکمران جماعت مین مردون کی

تعداد (۶۳) اور لیڈی ارکان کی تعداد (۹۰) ہے لیکن مین نہین جانتی کہ اِس حکمران جماعت مین سے کسقدر عملی طور پر مدرسہ کی حکمرانی کرتے ہین (۸۷) تلامذہ کے مدرسہ کے لئے حکمران ۱۵۳ تعداد کی جماعت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

مجھے کانفرنس کی رپورٹ سے یہہ معلوم ہوکر خوشی ہوئی کہ اِس مدرسہ کو علیگڈھ کالج کے ٹرسٹیون نے اپنی عام نگرانی مین لے لیاہے' مین یقین کرتی ہون کہ ٹرسٹی صاحبان اِس مدرسہ کی عام نگرانی کے بجاے خاص نگرانی کرینگے اور شیخ عبداللہ صاحب اور اُنکی اہلیہ کی قابل قدر کوششین عمدہ طرح سے بارآور ہونگی۔ اور ہماری تعلیم یافتہ خواتین جنکا قیام علیگڈھ مین ہے یاجو اسکو اپنا قومی ترقی گاہ سمجھتی ہین اسمین دلچسپی کا ثبوت دینگی۔

ہمکو اپنی فیاض گورنمنٹ کی شکرگذاری ہمیشہ دلی خلوص اور عقیدت کے ساتھ ادا کرنی چاہئے اور خصوصاً آج اسموقع پر جبکہ ہم دیکھ رہے ہین کہ اِس اسکول کی تعمیر مین گورنمنٹ ممالک متحدہ نے کیسی فیاضی کے ساتھ مدد دی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اِس مدرسہ مین لیڈی پورٹر کا نام ہمیشہ اُسی عزت کے ساتھ لیا جائیگا جسطرح محمدن کالج کا سنگ بنیاد رکھنے سے لارڈ لٹن کا نام لیا جاتاہے۔

اب آخر مین آپ کی عنایت واخلاق کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتی ہون اور دعا کرتی ہون کہ رب ذوالجلال اِس مدرسہ کو ہر طرح کامیاب کرے اور ہماری تمام اُمیدین جو اُس سے وابستہ ہین پوری ہون۔

ام المحسنین

ام المحسنین

ذیل مین ہم نہایت خوشی کے ساتھ وہ عربی ابیات درج کرتے ہین جو جناب مولانا عبدالحق حقی صاحب بغدادی اسسٹنٹ پروفیسر عربی نے سرکار عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال کی شان مین ممدوحہ کی تشریف آوری علیگڈھ کے ایک موقع پر پڑھی تھین۔

امیرۃ ھذا العصر مدحک لازب — لتسیر بہ فی العالمین الرکائب
فانک شمس والنساء کواکب — اذا ظہرت لم یبد منھن کوکب
وانک ام المحسنین حقیقۃ — وخیرۃ ھذا الجیل والحق واجب
وانک ذات طہر اللہ نفسہا — ففاظت بمحض الخیر والرای صائب
فدامت لک العلیاء صافہتہ الہنا — وحفک رضوان وسعد بصاحب
سینشر عبد الحق فضلک فی الوریٰ — بقول صدق تنب عنہ القواضب
وما غرضی من ذاک الا لنقتدی — باثارک الغراء بیض کواعب
فنسعین فی انقاذ امۃ احمد — من الجہل والجہل البلاء والمصائب
فان رجال الیوم اظہر بقومہم — الی الموت فی الاحیاء ملہی وملعب
فتعسا لمن قد نام عن نفع قومہ — ومرحی لمن یمشی ویسعی ویرکب

ترجمہ

اے امیرہ عصر! آپ کی مدح اسقدر ضروری ہے کہ لوگ اُسکو سوار ہو ہو کر دنیا مین پھیلاتے ہین (۲) آپ آفتاب اور دوسری عورتین ستارے ہین کہ جسوقت آفتاب نکلتا ہے تو ایک بھی ستارہ باقی نہین رہتا۔ (۳) آپ درحقیقت ام المحسنین، بلکہ سچ یہہ ہے کہ اِس زمانہ کی ایک بہترین فرد ہین۔ (۴) آپ کی ذات ایسی ہے جسکو خدا نے پاک بنایا ہے، آپ کو یہہ عروج صرف اُس فیاضی کی بدولت حاصل ہوا ہے جو ایک صائب رائے کے ساتھ کام مین آتی ہے۔ (۵) آپ کی بزرگی پوری شان کے ساتھ ہمیشہ قائم رہے اور خدائے تعالےٰ کی خوشنودی آپ کو حاصل اور سعادت آپ کی رفیق رہے (۶) عبدالحق آپ کی فضیلت دنیا مین منتشر کرے گا، لیکن شمشیر شکن راست بیانی کے ساتھ۔ (۷) اور اس سے میری سوائے اِسکے اور کوئی غرض نہین ہے کہ ہمکو آپ کے عمدہ اور روشن اخلاق کی پیروی کا موقع ملے (۸) اور ہم اُمت احمد (ص) کو جہل سے نکالین جو ایک سخت بلا اور مصیبت ہے (۹) آجکل

کے لوگون کی یہہ حالت ہے کہ فضولیات اُنکو موت کی طرف لیے جاتی ہے۔ (۱۰) پس افسوس ہے اُس شخص پر جو اپنی قوم کے نفع سے غافل رہے، اور مبارک ہے وہ شخص جو اس مقصد کے لیئے حتی الامکان دوڑ دھوپ کرے۔

خطاب بہ دل

انسانی زندگی تصورات اور تخیلات کی ایک جیتی جاگتی دنیا ہے جسمین قوائے ذہنی وہم و گمان کے صنمکدۂ پندار مین رکھے ہوے استدلالی سنگ مرمر ون کی خیالی دیویان کتنے گم گشتگانِ مسلک علم و عمل کو اپنی معجز نما شعبدون سے گمراہ کرکے اپنا پوجاری بنا لینے مین یدطولی رکھتی ہین۔ کہان ہین وہ بادۂ ہوش و خرد کے متوالے جو اپنے ذوق سلیم کی خوش مستیون کو ملزم بناکر اپنی ذات اس دائرہ ہوا و ہوس سے پاک وصاف بچا لیجانا چاہتے ہین؟ آئین اور اُن کمزور مگر پریشان طبیعتون کی زور آزمائی دیکھین جو اِس گرداب مین پڑی ہین۔ مگر رہائی کی اُمید نظر نہین آتی۔ سقراط کا قول ہے کہ "مبارک ہین وہ جنکے نیک ارادے ہین"، اور اسی سے اُستاد داغ کا یہہ مصرعہ سمجھ مین آجاتا ہے جو لوگ کچھ نہین کرتے کمال کرتے ہین ہان ہان یہان نہ نیک ارادے کام آتے ہین اور نہ کچھ نہ کرنا دلیل بے کمالی ہے یہان تو لا نفع ولا ضرر یا بالفاظ دیگر "مرا بخیر تو اُمید نیست بد مرسان" والا مضمون ہے۔ انسان جبتک انسان ہے یعنی اپنے ہوش و حواس مین ہے اُسوقت تک اُسے نیک و بد کی تمیز ہے وہ اپنی اور نہ صرف اپنی بلکہ قوم و ملک حتی کہ تمام دنیا کی ترقی بھلائی اور اصلاح و درستی کی کوشش مین سرگرم رہیگا مگر آہ! جبکہ واہمہ خلاقی پر آکر عقل کی چولی ڈھیلی کردیتا ہے جبکہ تخیّل کی بلند پروازیان انسانی ضمیر مطلئنہ یا کانشنس کو ایک وقت کے لئے مُردہ بناکر دائرہ نیستی یا طاق نسیان مین بٹھادیتی ہین اور نیک و بد۔ دوست دشمن اچھے بُرے کی تمیز باقی نہین چھوڑتین۔ یہہ وہ آفات ہین جنسے انسان کو پناہ مانگنی چاہیئے اور سکون و اطمینان

کے گھنٹوں مین اپنی پچھلی حالت اور کیفیت پر ایک غامض نظر ڈالکر اسکا اندازہ کرنا چاہئے کہ ہم کیا تھے اور کیا ہو گئے اور یہہ کہ ہم پھر اپنے مابہ الامتیاز درجہ پر پہونچ سکتے ہین یا نہین ؟
مستزاد منسلکہ بادی النظر مین گل و بلبل۔ ساقی و مل کا قدیم کھڑاگ ہے لیکن انھین مندرجۂ بالا کوائف طبع کے اوج و حضیض کا ایک نامکمل خاکہ یا چربا اُتارا گیا ہے جسے گو پستی الفاظ۔ سستی بندش اور کمزوری استعارات نے اپنے اصلی مفہوم سے بہت گرا دیا ہے تاہم یہہ بات نہایت واضح طریقہ سے نمایان ہو سکتی ہے کہ انسانی ناکامیان ایک حد تک خود اپنے کردار کا نتیجہ ہوتی ہین۔ اسمین شکوۂ بخت و گلۂ اغیار فضول ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

مستزاد

عرصۂ دہر مین اک کار نمایان نہ ہوا۔ عمر غفلت مین کٹی
حوصلہ کیا کہ کسی بات کا ارمان نہ ہوا۔ تف ہے ہمت پہ تری
نغمہ پرداز چمن مرغ خوش الحان نہ ہوا۔ سُن کے غنچہ کی ہنسی
آشیان بھی تو کبھی زیب گلستان نہ ہوا۔ دل کی دل ہی مین رہی
یار و احباب کو تھی تجھ سے توقع کیا کیا۔ سوچ تو آپ ذرا
اب بھی احساس اگر اے دلِ نالان نہ ہوا۔ شرم کی جا ہے یہی
تجھ کو سردار سمجھتے تھے سرافراز تھا تو۔ سب مین ممتاز تھا تو
کون تھا جسکو پیارا بدل و جان نہ ہوا اور تری چاہ نہ تھی

ق

گو وہی رند وہی جام وہی پیر مغان۔ پر ہے وہ بات کہان
خطِ پیمانہ عزیزِ دلِ انسان نہ ہوا مے جو نظرون سے گری
گلہ غیر عبث شکوۂ اعدا ہے فضول کیا بھلا اس سے حصول
دلِ زندہ جو مرے حال کا پرسان نہ ہوا پھر کسے فکر مری

فائدہ اپنون سے پہنچا ہے کسی کو بھی ولی - پھر توقع کیسی
منفعت بخش صدف گوہر غلطان نہ ہوا - اس سے واقف ہین سبھی

ایم۔ اے۔ او کالج پوئیٹکل سوسائٹی

انجمن مذکور کا افتتاحی جلسہ بتاریخ ۱۲ اپریل ۱۹۱۴ء رامپور ہال مین ۱ بجے دن کے منعقد ہوا۔ قاضی جلال الدین صاحب جلال صدر جلسہ تھے شکر ہے کہ باوجود انقلاب روزگار کے ہماری قوم کے نونہالون سے ابھی تک مذاق سخن مفقود نہین ہوا۔ چنانچہ انجمن مشاعرہ کا قائم ہونا تھا کہ کالج کے سخنور دن اور سخن سنجون کے جذبات شوق مین ایک حرکت پیدا ہوئی۔ اور اُمیدون سے کہین زیادہ کامیابی کی صورتین پیدا ہوگئین۔ افتتاحی جلسہ بوجوہات چند در چند مدت سے ملتوی ہو رہا تھا آخرکار اولڈ بائز کے اجتماع کا مبارک و مسعود موقع آیا۔ اور اولڈ بائز کے زمانہ قیام کے گوناگون مشاغل کے باوجود مشاعرہ کے لئے بھی وقت نکال لیا گیا۔ طلباے حال وسابق انجمن کے جلسہ مین یکسان خوشدلی اور گرمجوشی کے ساتھ شریک ہوے۔ سب سے پہلے ہمارے کالج کے ہر دلعزیز اولڈ بائے مسٹر محمود حسن صاحب نامی نے اپنے پر لطف کلام سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔ ازان بعد مندرجہ ذیل حضرات نے اپنا غیر طرحی کلام پڑھا۔ سجاد علی صاحب انصاری سجاد۔ غلام محی الدین صاحب اسیر نائب معتمد اعزازی انجمن ہذا محمد رضا صاحب۔ سید ممتاز احمد صاحب سہا محمد کاظم صاحب وخاکسار معتمد اعزازی۔ بعدازان معتمد اعزازی نے قواعد وضوابط انجمن بالاختصار پڑھ کر سنائے۔ اسکے بعد صدر انجمن صاحب نے انجمن کے اغراض و مقاصد اور اوسکے قیام کی ضرورت کے متعلق ایک مختصر تقریر فرما کر حاضرین کو مستفید فرمایا جسکا اختتام اُنھون نے اپنے اس شعر پر فرمایا ؎

نظم عالم تو مٹا قوم سے عنقا کی طرح — نظم اشعار تو قابو سے نہ جانے پائے

صاحب صدر کی تقریر کے بعد طرحی غزلیات کا سلسلہ شروع ہوا مندرجہ ذیل حضرات نے یکے بعد دیگرے اپنی غزلیات پڑھکر انجمن کو شکر گذاری کا موقع دیا قمر حسن صاحب غلام محی الدین صاحب اسیر۔ سید حسن صاحب برنی۔ سجاد علی صاحب سجاد۔ اسد محمد علی صاحب عبدالحمید صاحب حمید۔ سید ممتاز احمد صاحب شہا۔ وخاکسار معتمد۔ اولڈ بائز مین سے جناب مولوی عبدالغفار صاحب اختر بی۔ اے وجناب حاجی محمد عیسیٰ خانصاحب رئیس دتاولی نے اپنی اعلےٰ پایہ کی غزلیات سے انجمن کو مرہون منت فرمایا۔ تقریبًا ۲½ گھنٹہ کی دلچسپ صحبت کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔ افسوس ہے کہ ہمارے کالج کے مایۂ نازا ورقابل فخر اولڈ بائز مسٹر محمد علی صاحب آکسن اور مسٹر عبدالحمید صاحب خواجہ بیرسٹر جنھون نے مصرعہ طرح پر غزلیات فرمائی تھین ٹرسٹیز کے جلسہ کی وجہہ سے مشاعرہ مین شرکت نہ فرما سکے۔

حضرت استاذ مولانا سید شرف الدین صاحب یاس ٹونکی جو شرکت جلسہ کے لیئے مدعو تھے جلسہ کے وقت تبدیل ہوجانے کی وجہہ سے اپنے کلام بلاغت التیام سے جلسہ کی رونق کو دوبالا نہ فرما سکے۔ حضرت موصوف کی غزل اور دیگر طرحی غزلیات بوجہہ قلتِ گنجایش بالاختصار درج ذیل کیجاتی ہین۔

مصرعہ طرح "ہمنے بکھرے ہوے تسبیح کے دانے پائے"

عالیجناب مولانا سید شرف الدین صاحب یاس ٹونکی شاگرد رشید حضرت ظہیر دہلوی مرحوم

اب وہ آغوش تصور سے نہ جانے پائے بیخودی مجھ کو کبھی ہوش نہ آنے پائے
ہوش اوس بزم کا پردہ نہ اوٹھانے پائے آنے والا کوئی آپے مین نہ آنے پائے
تیری عزت کی قسم۔ تیرے ستم بھی ہین عزیز تو ستا۔ غیر مرادِل نہ دکھانے پائے
مجھ پہ تاکید نہو رازِ محبت افشا خود ہے خواہش کہ یہہ ہرگز نہ چھپانے پائے

جو تری چاشنی درد سے ہو شیرین کام | عیش دنیا کو کبھی مُنھ نہ لگانے پائے
بیخودی نے ترا افسانہ وہین چھیڑ دیا | تیرے دیوانے کے جب ہوش ٹھکانے پائے
شوق کہتا ہے بلانے کی ہے یہہ خاص ادا | وہ جو کہتے ہین یہان کوئی نہ آنے پائے
دردِ دل شرط ہے جب نکلی ہے دل سے فوراً | عرش کے تھام لیے جا کے دعا نے پائے

دعوی عشق حقیقی تو کیا ہے اے **یاس**
آرزو غیر کی اب دل مین نہ آنے پائے

عالیجناب حاجی محمد عیسیٰ خان صاحب رئیس دتاؤلی اولڈ بائے کالج

دِل گذر گاہ خدا ہے! نہ دکھانے پائے | کہدو کافر سے ہین اب نہ ستانے پائے
شیخ* کو ہم بڑی مشکل سے ہین لانے پائے | باندھ رکھنا کہ یہہ محفل سے نہ جانے پائے
لائے تشریف وہ کیا۔ جبکہ خزان بھی آئی | میری تربت پہ نہ وہ پھول چڑھانے پائے
اولڈ بائز مین ذرا عقل نہ پائی ہم نے | جتنے دیکھے سبھی کالج کے دیوانے پائے
محفلِ جہل مرکب مین نہ کیون آئے شیخ | رہی حسرت کہ اونھین ہم نہ بنانے پائے
بھائی شوکت کی خدا عمر مین برکت دیوے | اونکی کوشش ہی سے ہم لاج[1] بنانے پائے

یون ہی بے فائدہ ٹھہرا ہے تمھارا **عیسیٰ**
اولڈ بائز پہ تو سکہ نہ بٹھانے پائے

جناب مسٹر غلام محی الدین صاحب آسیر نائب معتمد اعزازی طالبعلم کالج

رحم حق کہتا ہے۔ یہہ خلد مین آنے پائے | میرے عصیان کی یہہ ضد ہے کہ نہ جانے پائے
میری فریاد کو سُنکر وہ دعا کرتے ہین | یاالٰہی یہہ سر عرش نہ جانے پائے

---

* شیخ کالج۔ [1] آپ نے ایک کمرہ کے لئے لاج مین صد روپیہ عنایت فرمایا ہے۔

تیرے ناوک سے فلک ہم نہین ڈرتے لیکن
دل پرایا ہے اِسے آنچ نہ آنے پائے

کیا کھلے عشق بتان خوب ہے یا عشق خدا
پھر کے جب کوئی نہ اوس راہ سے آنے پائے

دل مین ناسور ہوا و سکے تو عجب کیا ہے اسیر
دردِ الفت جو زبان پر بھی نہ لانے پائے

جناب مسٹر سجاد علی انصاری صاحب سجاد طالب علم کالج

مجھ کو جب فکر ہوئی یہہ کہ لکھون مین بھی غزل
لاکھ ڈھونڈا پہ مضامین پڑ انے پائے

تھا اِسی فکر مین مسجد کے قریب آ نکلا
وان مناظر یہہ مرے دیدۂ دانے پائے

لان پر میزین کئی ایک بچھی تھین ہر سو
جب گیا پاس تو اون میزون پہ کھانے پائے

بیچ کی میز پہ جو تھین اونکا نیا عالم تھا
جا کے دیکھا تو وہان لڑکے پُرانے پائے

بکھرے وان پر نظر آتے تھے سبھی گرد امام
جتنے انوار ہدایت طلبانے پائے

یہہ سمان دیکھ کے سجاد کا دل بول اوٹھا
وہ ہمنے بکھرے ہوئے تسبیح کے دانے پائے

جناب مولوی سید ممتاز احمد صاحب سہا طالبعلم کالیجئیٹ اسکول

خوب ہو حسن اگر ناز سکھانے پائے
دل بھی حظِّ الم و یاس اُٹھانے پائے

خامشی نے تو کیا حسن کی تصویر تجھے
کاش شوخی بھی ذرا احتراز اوٹھانے پائے

ظاہری لطف سے تسکین دلِ مضطر ہے
جذب پھر کیا او نھین بچین بنانے پائے

ہم کلیجہ کو پکڑتے ہین کہ ہے درد ترا
کس کی قسمت تجھے سینہ سے لگانے پائے

بے خودی جلوہ نمائی کے لئے رہبر ہے
کیون محبت مین سہا ہوش مین آنے پائے

خاکسار ایوب احمدؐ آثم معتمد اعزازی انجمن ہٰذا

ضبط پر صرف دلِ زار نہ آنے پائے — جان جاتی رہے۔ پر آن نہ جانے پائے
جلوہ ہوش ربا۔ ہوش نہ آنے پائے — لطف حیرت مری نظروں سے نہ جانے پائے
کردے بدمست پلا کر مئے وحدت ساقی — کچھ سوا حق کے۔ نظر مین نہ سمانے پائے
آہ پُر درد مری سقفِ فلک سے گذری — اب فقط عرش برین کے ہین ہلانے پائے
خوب پہونچے تھے نصیحت کو جنابِ واعظ — بے پیئے محفلِ رندان سے نہ آنے پائے
اپنی چوری پہ نہ کیون ناز کرے دزدِ حنا — نقد دِل کے تری مٹھی مین خزانے پائے

غم کے اظہار کی طاقت بھی نہین اے آثم
ہم کبھی روئے نہ اوروں کو رلانے پائے

باقیماندہ حضرات کی غزلین افسوس ہے کہ معتمد اعزازی کے پاس نہ پہونچ سکین اسلیئے اشاعت سے معذوری ہے۔ فقط

ایوب احمدؐ آثم سہارنپوری
معتمد اعزازی "یونیٹیکل سوسائٹی"

نوٹ

ماہ حال مین مندرجہ ذیل اخبارات ورسالہ جات بغرض تبادلہ موصول ہوے۔
پیسہ اخبار۔ تہذیب النسوان۔ انسٹیٹیوٹ گزٹ۔ نیر اعظم۔ افغان۔ ضیاء الاسلام دلگداز۔ تاج۔ حکمت۔

A proposal was carried defining procedure in connection with debates.

ABID HUSAIN KHAN,
Honorary Secretary.

PUBLICATIONS RECEIVED.

Our Contemporaries.—We beg to acknowledge, with thanks, the receipt of the following periodicals for March:—*The Aligarh Institute Gazette, The Central Hindu College Magazine, The Collegian; The Comrade, The Madras Christtan College Magazine, The Observer, The Ravi, The World's Recorder,*—and also of the following which we were unable to acknowledge in our last issue :—*The St. John's College (Agra) Magazine (January), The Students' Own Magazine (February).*

their true purpose. It is still open to question how far historians faithfully discharge their duty. Indeed the scope of history is vast; but historians should be allowed an infinite latitude as regards their methods of narrating events.

Sometimes books of history are over-coloured with the idiosyncrasies of their authors.

Under such circumstances we are required to be cautious in sifting the historian's statements.

Historians of Macaulay's temperament, perhaps, would never fail to use all means of persuasive eloquence and rhetoric to induce their readers to accept their opinions as they stand.

However delicate the historian's task is, he must be modest in expressing his personal and individual opinion. For it would be in the best interest of history, if he looks more to the facts than to the elaboration of his own pre-possessions.

This being done, our task becomes somewhat easier to study the subject without unnecessary doubting.

SHAFAAT HUSAIN.

THE PHILOSOPHICAL SOCIETY.

An ordinary meeting of the Philosophical Society was held on Friday, 13th March, at 4 P.M. in the Siddons Union Club Drawing Room, the President in the chair. A paper on "Nineteenth Century tendencies in Logic" was read by the President, and a short discussion followed in which Messrs. Mahomed Ayoob Siddiqi, Syed Hasan Burney, and Jawala Prasad Singal took part.

that that which is narrated in the latter leaves in the mind ideas which it can apply to present or future circumstances and events; while the former, when it is what it ought to be, leaves the mind stored with arguments for experience, applicable at all times to the actual affairs of life."

We have nothing to do with what he has said about romance. Our chief concern is his comment on history as one of the subjects that form a young man's syllabus of studies.

The somewhat trite but famous saying that 'History repeats itself' is eloquent enough to show the extent to which the subject of history can do good.

It is true that the world of to-day is not the self-same old world of one thousand years back. New inventions, wonderful discoveries and the accumulated experience of humanity have brought about a marvellous revolution all over the terrestrial globe.

But in spite of the innumerable changes history still traces a peculiar affinity between its numerous events that occurred in different centuries and in distant countries.

History, as the record of past human experiences, may cease to be useful only when human instincts themselves have undergone a radical change.

If we leave discussing history in its broadest sense and simply confine ourselves to the subject of political history, we find no reason why its study should not be regarded as one of vital importance. It serves as a source of inspiration to the members of the state of which it speaks and as a guide-book to those who can profit by the incidents narrated therein. That it enables its students to make out a probable estimate of the future cannot be gainsaid. But sometimes, unfortunately, it is their authors who defeat

forget it altogether. And if humanity could have done so, perhaps, the present stage of human civilisation could never have been reached.

As in the case of an individual his past experience most often forms the basis of his future efforts, so in the case of the world's great nations their past history has frequently played a prominent part in their regeneration and progress.

The same iden has been beautifully put by the poet in the following lines:—

" Nor deem the irrevocable past
As wholly wasted, wholly vain,
If rising on its wreck at last,
To something nobler we attain."

How often the lessons of the past have saved us in the present and paved the way for our future! In terse but most appropriate terms Bacon has praised this subject saying that " Histories make men wise." We shall have to admit that by " Histories" he never meant a series of books abounding only with lists of battles, intrigues, kings and their favourites. But he speaks of histories which constitute the curriculum of that branch of philosophy which teaches posterity to take a leaf out of the book of experience bequeathed to them by their ancestors. Cobbett has aptly remarked that ' a list of battles and a string of intrigues are not history; they communicate no knowledge applicable to our present state; and it really is better to amuse oneself with an avowed romance.

At another place while differentiating ' between Romance' and ' History ' he speaks of the latter as follows :—

"The difference between history and romance is this,

disappointing and more to the discredit of the Minto circle than the decay of this institution for want of proper work, and I am confident that you realize your responsibilities in this direction.

In conclusion, I beg to thank you once more for the honour you have done me and it is my earnest desire that I may be able to justiy the confidence you have reposed in me.

OMAR HAYAT.

A PLEA FOR READING HISTORY.

(AN ESSAY.)

In spite of the fact that the present is the age of Science and that consequently myriads of Scientific books are the outcome of patient and profound researches on the part of the great Savants of Europe—in spite of this—the civilized world has not seen its way to dispense with the vast literature in History and Romance.

People of Spencer's School of thought would prefer at all costs the study of Physical Science to that of all other subjects. But it remains to be seen whether all other subjects have altogether lost their interest for humanity.

'What knowledge is of most worth?' This is decidedly a very interesting question to all minds. 'Science' may be the prompt and unhesitating reply. But taking history in its widest sense we can justly claim that a thorough study of history acquaints us with almost all the activities of bygone ages. It is true that while Science deals with the present, history deals with the past. But who can ignore the fact that the present and the future evolve out of the past? However irrevocable the past is, we cannot afford to

you, therefore, in the name of good sense, to abstain from all those manifestations of life which make the task of the members and the officers of our clubs a failure.

When we turn over the pages of history and read the accounts of the laboratories of *Alhazen*, the observatories of *Alberouni*, and the literary schools of Bu Ali Seena and then compare them with our modern institutions, we are struck with the change that has come over the students and in the spirit in which instruction is received by them. The schools of the old masters were the favourite resorts of those who acquired knowledge not because they wanted to become deputy collectors but because they wanted to become men first and other things afterwards. They prosecuted their studies with reverential zeal which is seldom shown even to the word of God in this twentieth century. What a contrast does the modern student sitting bolt upright in his chair, with his thoughts away in Jupiter, and with a professor lecturing to the wind, present to the most obedient and enthusiastic pupils of Socrates and Buqrat who devoted their lives in the cause of science and literature !

Gentlemen, we should put ourselves in that old spirit, the spirit of zeal and reverence, otherwise societies and clubs and all other external means of development shall prove ineffectual.

Gentlemen, the foundation of this club has given you an opportunity for raising your status and becoming a useful factor of your college. You must know that 'occasion turneth a bold noddle after she has presentend her locks in front' and must therefore eagerly avail yourself of it. You will, I trust, take a sincere interest in this club and will enable it to justify its existence. Nothing can be more

yourself eminent men, worthy of being placed at the helm of affairs.

Gentlemen, I now turn to a very important portion of my speech and I think it has a very intimate connection with our progress. This is the misuse of the term "life." Few things have done more harm to the general tone of our public and private manners than the misunderstanding of the meanings of the word "life." By a curious irony of fate, it has come to mean everything repugnant to decent behaviour. Every action which a civilized man should be ashamed of is thought to be a sign of life. Gentlemen, I assure you, boisterous vociferousness, hissings and hootings, mimicking the cries of animals are not signs of activity; but, gentlemen, they are the signs of death. They show that the thinking principle the sublime essence within you, is dead and that the baser part of self is having the upper hand. Everybody who has read Newman will agree with him when he says that the idea of a university is to teach its students philosophical habits. How far different is this noble idea from the conception which exists in our minds? True life consists in obtaining knowledge, not those confused scraps of science which one forgets after taking one's degree, but that sacred essence which burns the torch of reason in your soul. Only that portion of what you read and observe which is thoroughly assimilated in you, is true knowledge. It is by gaining life in this sense, gentlemen, that you can justify your existence as Musalmans and human beings. So if you want that the club may receive any benefit from you, or, that you may derive any benefit from the club, you should start by properly understanding the word "life."

The present conception of activity in us not only injures ourselves individually but also nips in the bud the rising aspirations of our younger generations. I appeal to

the friend of their friend......up to n terms. Then, here will be found men, happily very rare now, who in bestowing their votes are led by the blessed patriotism for their own particular province. In short, all kinds of petty personal interests interfere in moulding their judgment and compel them to act against their better intentions. Is not this a form of slavery ? If not, what is ?

When we look into our private life, this defect is the most apparent. Our conversations run to light topics and, in the so called higher circles, even to actual abuses. Our leisure is occupied in boisterous laughter and vain talk which alas ! instead of giving us any culture, take away something from us instead.

Gentlemen, I do not object to cheerfulness. Mirth is God's medicine and a natural tonic. But everything is good within its limits. Even vice, perhaps, within limits is a virtue and virtue beyond them a vice. Along with conviviality you should have moments of serious reflection and hours of serious conversation with your friends. Unless you do this you cannot have any sincere or sensible notions and unless you have such notions, your debates in the club, although they may be clothed in high sounding words, are of no great use. When you come to debates you should think that the destinies of the whole world lie in your hands. This club is a training ground for you and your speeches in it are so many pieces of rehearsal which will serve you well in the drama of your future life. So, even if you cannot have this degree of firmness in your convictions at first, begin with having a show of them by putting yourself in that attitude; and you may feel sure that one fine morning you shall rise to find

same boat: Our opinions are word by word the same as those of the last daily paper we have read, or of the last person we have heard or spoken to. We thus lose our individuality as it were, we cease to exist as distinct rational beings and literally give over ourselves in slavery. Gentlemen, these things are not imaginary. They are manifested every day in our motherland, and if I am not allowed to be too general, I may say they are always observed in our college. I shall venture to give a few general instances. In all the committees in which the students are members, these disappointing scenes are generally noticed. Meetings are held, and a majority of the members is present. The business to be discussed is transacted solely by the advice of the official members, without a single voice of amendment or dissent from the non-official majority. All of them sit mute and dumb gazing listlessly and dreamingly on what is being done, as if the sounds of business were a lullaby for them to sleep. Whose fault is this, gentlemen? It is not that of the professors. They give you every opportunity for raising your voice against anything that you do not think fit. The blame lies at your door. Had you equipped yourself with clear notions, they would have surely expressed themselves in spite of yourself.

At the time of elections, this very lack of opinion is the reigning feature. Leaving out the disgraceful arts of abusing and misrepresentations practised by the canvassers, the condition of the voters is hopeless. I am not talking of all. There are honourable exceptions, too. I am talking of the majority. A gentleman votes for a man because he is his friend. Another votes for another man because he is the friend of his friend. And perhaps there may be some who give their votes to a candidate because he is the friend of

But, gentlemen, these are not aims in themselves. Reading rooms and clubs and social gatherings in themselves mean nothing unless you utilise them to achieve your aim and that aim should be to realize what is best in your nature. You are the sons of Islam, upon whom rest the hopes of millions of your brethren, and if you waste away the opportunities presented to you now, either on account of lack of responsibility or absence of any definite motives or opinions you are not only sinning against yourself, but also against your nation—nay, not only against your nation but also against the souls of those blessed illustrious personages who have gone before you and of whom you are, fortunately or unfortunately, the descendants.

The first thing which makes you incapable of attaining your aim is the lack of strength in your cpinions. Look around you, I will not say throughout India ; for the scope of my speech is limited, but at least cast a glance on your ownselves and then tell me how far you suffer from this destructive defect. Opinion is the only thing which you can really call your own. All your external possessions—your house, your lands, your sons, your relatives may leave you, but if you have sincere opinions and strong convictions, you are still rich. You can be ever happy and reach your goal. I have observed that the highest aim of most of us when we join this college is to enjoy its life, of which I will speak afterwards. The result is that we become unprincipled, *harum scarum* sort of youths, without any settled motives, ideas or intentions and without partaking anything of real culture which is the essence of knowledge. Just look into your minds and find out whether you have any definite opinion about anything going on around you. I do not mean to exempt myself from it. We are all in the

of the Etonian, the Harrovian and such like dinners being held in the important centres of the country every year by Englishmen. These are the annual reunions of those friends who entered into the bonds of friendship in the sunny days of their college life. So firm are these bonds that instead of getting weak they grow firmer and firmer by lapse of time.

MOHAMED HUSAIN G. PALIWALLA.

MINTO CIRCLE READING ROOM.

The President's Inaugural Address, delivered on 5th February 1914.

GENTLEMEN,—Allow me to tender my heartfelt thanks for the great honour you have done me by electing me as the Chairman of your club and by entrusting to my hands the conduct of one of your most important institutions. I feel that the position you have given me is very responsible, and more so because I am the first man to occupy it. The whole task of properly moulding the functions and establishing the status of this institution has fallen to my lot; and I trust that the kindness with which you have confided this office to me will be continued, so as to enable me to carry out my work honourably and successfully.

Gentlemen, I wish, now, to explain to you the aims and objects of this institution, which, I am sure, most of you already know. The club will have a reading room, indoor games, a debating society and an essay-reading society; thus providing means for literary progress and social intercourse which are the two most important phases of college life. Attempts shall also be made to have lectures of general interest, dramatic performances and other entertainments.

Residential Institutions. In Residential Institu ions the great solicitude of the authorities is to see how the students residing there conduct themselves. There are invariably very strict disciplinary rules governing the conduct and character of the students, and the penalties which they convey bring about a reform in character which lasts through life. It has also been seen that men who receive their education in Residential Colleges are far richer in character than those who did not go to such institutions.

In this world of heterogeneous tendencies it is necessary at times for people to yield their likings for the desires of others, as also to give way before the opinions of others; and this habit, which cannot be learnt at home, is formed only in Residential Colleges, where, by the circumstances of the occasion, we learn to respect the opinions of the majority, and that perversion which is so natural in man is early got rid of.

Duties towards our fellows are also brought home to us in these useful institutions. Those of the students who fall ill are attended in their illness by their friends, those in affliction are consoled, and those in temporary need are supplied, and by exchange of such good offices and compliments the students strengthen the bonds of their friendship while learning at the same time the precious principles of peace and love.

Residential Institutions have the germs of brotherhoods though not of nations. Our own *Alma Mater* has, after a life of nearly twenty-five years, brought into existence a brotherhood which is unique of its kind in this country, and which is fast becoming the despair of rival institutions, and an object of imitation by friendly bodies. Aligarh Brotherhood has become a proverb. Every day we read in papers

quite possible for one to pursue a few branches for himself and at the same time to know at least the relative positions of all the branches which make up one whole tree.

This convenience, this possibility and this enlightenment cannot be gained except by living in a Residential College which purports to offer education in almost all the recognised branches of knowledge. By living in an institution of this kind, a student, while acquiring proficiency in a few branches, shall imperceptibly and without any hard labour grow familiar with the general outlines of the vast domain of knowledge, and this benefit is one which has been recognised by some as far more precious than the conquest of kingdoms and realms.

The Residential system offers untold opportunities for one to ripen his opinions and to enrich his mind with good thoughts and refined manners. Residential Colleges and schools are in fact worlds in miniature, and, just as in the world we have boundless fields of experience, similarly a Residential Institution offers, though upon a small scale, valuable lessons for studying the nature of people both good and otherwise. Familiar intercourse with students from the different quarters of the country, with different notions of life, with strange customs, modes, dresses, dialects and habits is an education which prepares students for the more serious struggle in life beyond the pale of the academic world. Many bad habits, objectionable thoughts, silly utterances and grotesque manners are removed from students by that invincible force of student criticism which, as is humorously believed, is feared even by Satan.

Character, upon which the success of everybody's life depends, is far more surely and admirably built up in

"SOME ADVANTAGES OF THE RESIDENTIAL SYSTEM OF EDUCATION."

In this age of light and learning it would betray sheer lack of sensibility to cry down the introduction of the Residential system in connection with the educational institutions of to-day. The Residential system cannot be too highly praised. Its benefits are numerons and permanent and to recount them all in a short essay is well nigh impossible, yet I would touch upon some of the most important advantages which result from it.

Before beginning to discuss the benefits of this system I wish to devote a few words to its origin and history. To-day the world in general, and Asia in particular, borrow numerous methods and systems of progress from Europe, and the system of residence in colleges binding upon all students is one of those, no doubt ; yet some of these systems owe their origin to those mighty Arabs whose glorious deeds of peace and war adorn the pages of many a history. Our literature, our history, and our architectural monuments all go to prove that this system originated among the Arabs, who then handed it down to the world at large at a time when Europe was as yet enveloped in a thick cloak of ignorance and barbarism.

To begin with, the aim and object of every educational institution is to impart knowledge, and knowledge does not mean to read a few books on literature and history. In fact knowledge is a tree of which literature, history, philosophy, mathematics, geography, ethics and what not are branches and unless and until a man knows something of all these branches he cannot be regarded as possessing knowledge in the true sense of the word. Impossible though it is to acquire proficiency in all these branches, yet it is

2. I come but not very frequently, sometimes quarterly, at others in two months and very seldom once a month.

3. My belatedness is never called in question for I always begin with an apology.

4. My regular duties are to congratulate persons on receiving titles and to welcome the new professors.

5. Generally, I talk on hackneyed subjects of which you are most tired and repeat things of which you are eye-witnesses. I never take the responsibility of telling you anything new.

6. I inform you what posts have been accepted by some of the graduates and what has been refused by at least one of them (never caring to ascertain whether it was ever offered to him).

7. My appearance though literary, I am, yet, very sportsmanlike and recite the programmes of games, in however large a number they might have been distributed already.

8. I speak at least two languages, in the one reproducing the speeches of the losing debators and in the other the account of rejected suitors.

9. An hour or so after my arrival I serve you as a fuel for heating your broth and if I survive that I am the reflector in your " Deitz Lantern."

Do not be much puzzled, my dear readers, my name is " Aligarh Monthly."

ZAFAR (*of Bhopal*).

who come to visit it, or who know it through any other medium, of the generosity, kindheartedness and foresightedness of the late Viceroy. On the evening when the sad news of his untimely death reached Aligarh, the students residing in the Minto circle assembled together, enumerated his virtues and merits as a Viceroy of India and a well-wisher of the Moslem comumunity, and unanimously passed the following resolution :—

" That a telegram be sent to His Excellency the Viceroy of India at Delhi stating that Aligarh College Minto Circle Club heard the sad news of Earl Minto's death with heartfelt sorrow. Kindly convey our sincere condolence and humble sympathy to Lady Minto and family!"

The meeting took place in the Reading Room of Minto circle. Many speeches were delivered on Lord Minto as the late Viceroy of India. Mr. Agha Muhammad Yakub (1st year) moved the above resolution which was seconded by Mr. Rafiq Ahmad (IV year).

Mr. Omar Hayat, the Vice President, was in the chair.

KH. H. FAIYAZ AHMAD.

WHAT IS MY NAME ?

[Perhaps this interrogation will remind you of a lesson in the MacMillan's Reader, part I, which, surely, you have read in your childhood, and where the "Wind" having described the various aspects of its life tested the juvenile ingenuity. But my question is of a more difficult nature being proportionate to your age and discretion.]

1. Formerly I had a red coat of a thick stuff but now it is green. I was a child first but now my age is nineteen.

against Arabi Pasha, and as Military Secretary to the Governor General of Canada, where he took a prominent part in the suppression of the Riel rebellion of 1885.

In 1898 Lord Minto became Governor General of Canada; he filled that office with such conspicuous success that seven years later he was appointed to succeed Lord Curzon as Viceroy of India, at a somewhat critical time. He followed the statesmanlike policy of sternly repressing crime, but at the same time dealing generously with the aspirations of the people. His name will always be associated with the Indian Councils Act. He succeeded, in addition, in greatly improving the relations of the Government with the feudatory princes, and, in the words of the " Daily Telegraph" (our authority for this abbreviated notice) " his tact, courtesy and manifest warm sympathy made him perhaps personally the best liked of the many eminent men who have discharged the duties of Viceroy."

The following is communicated by the Honorary Secretary of the Minto Circle Reading Room :—

Lord Minto, the late Viceroy ot India, was, like his predecessor Lord Curzon, very popular among the Indian Moslems. He granted many concessions to them and raised their status in the political world. The national college at Aligarh, therefore, thought it necessary to express the Moslems' feelings of gratitude in the form of a boarding house to be named after him.

Consequently we have four differently named boarding houses comprised in one and called Minto circle.

We have seats for 250 boarders in the Minto circle. This boardiug house always reminds all who reside in it, or

ably seconded by Professor Anamullah Khan and Khan Sahib Mir Wilayat Husain, was drunk with much enthusiasm, Mr. Towle replied in a very appreciative speech. Mr. Dunnicliff next proposed the toast of the guests, which was responded to by Major Syed Hasan Bilgrami. The last health was that of the organiser of the proceedings, proposed by Dr. Wali Muhammad.

* * * * *

Our numbers, as is usual at this time of the year, are much reduced. The fourth year students, after the trials, climatic and otherwise, of Allahabad, have gone home to await the issue, while those of the second year have left us in order to recover from somewhat similar experiences in Aligarh. And so we are trying, before the influx which is to be expected in June, to do some real work with the third and first years, or such of them as have survived the combined effects of preparation leave and the annual examination.

LORD MINTO.

General regret has been expressed at the death, from malarial fever of the Earl of Minto, K.G., which took place on the 1st March. His Lordship was born in 1845 and was educated at Eton and Trinity College, Cambridge. In his early life he distinguished himself as an athlete, and especially in rowing and in steeple-chasing. He was always a keen sportsman. As Lord Melgund, he had a varied military career, as a subaltern in the Scots guards, as correspondent for the " Morning Post with the Carlist army in Spain, as attachí with the Turkish forces in the war of 1877, as an officer under Lord Roberts in the Afghan war in 1879, as Private Secretary to the same General in South Africa in 1881, as a captain in the Mounted Infantry in Egypt in the operations

The Aligarh Monthly.

Vol. XII. } April 1914. { No. 4.

NOTES AND NEWS.

It is with much regret that we record the departure from Aligarh of Mr. A. Sabonadiere, I.C.S., who has been the Judge of this district, except for a short interval, during the last four years. Mr. Sabonadiere was not only a very able Judge, but he had made himself very popular among those with whom he came in contact.

* * * * *

Our good wishes go with Zahur-ud-din of the third year and of the Syed Mahmud Court (West), who is leaving for England to study engineering. His friends entertained him at dinner on the evening of the 16th March, to bid him farewell and to wish him good fortune.

* * * * *

The Junior Debating Society installed its new officers on March 6th at 8 P.M., and gave its annual dinner to retiring members on March 21st.

* * * * *

Mr. Towle was the guest of the evening at the Staff Dinner held on the 23rd March. On this occasion a large number of the masters in the school and of the officers in the executive departments of the College united with the College staff in entertaining Mr. Towle, and in congratulating him on his safe return after his dangerous illness. Several of the trustees were present as guests. The party being thus unusually large, the dinner was held in the College dining hall. Dr. Horovitz was in the chair. The loyal toast having been duly honoured, the health of Mr. Towle, eloquently proposed by Dr. Zia-ud-din Ahmad and

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۳۴

علیگڈھ منتھلی

نمبر ۳ جلد ۱۲	بابت ماہ مارچ ۱۹۱۴ء	قیمت سالانہ للعہ معہ محصولڈاک قیمت فی رسالہ ۶؍

مقام اشاعت مدرستہ العلوم علیگڈھ

فہرست مضامین حصہ اردو

پبلشر۔ مسٹر ڈی۔ آکزلونی۔ ایم۔ اے۔ پروفیسر مدرستہ العلوم علیگڈھ

اسسٹنٹ اڈیٹر۔ قاضی جلال الدین صاحب ماسٹر مدرستہ العلوم علیگڈھ

باہتمام بابو شنبھو ناتھ صاحب بھارگو

در اسٹینڈرڈ پریس الہ آباد طبع شد

شرح چھپائی اشتہارات حصّہ اُردو

ایک صفحہ	واسطے ایک سال کے	۲۴ روپیہ
	واسطے نصف سال کے	۱۲ روپیہ
	واسطے تین ماہ کے	۷ روپیہ
	واسطے ایک ماہ کے	۲ روپیہ ۸ آنہ

نصف صفحہ کے لئے مذکورۂ بالا شرح کا نصف لیا جاویگا اور نصف صفحہ سے کم ہونے کی صورت مین بھی نصف صفحہ کی اُجرت لیجائیگی

اُجرت ہمیشہ پیشگی وصول ہوگی

دی آکٹر لونی - ایم - اے - مینجر

علیگڈھ منتھلی مدرستہ العلوم علیگڈھ

علیگڈھ منتھلی

نمبر ۳ جلد ۱۲	بابت ماہ مارچ ۱۹۱۴ء	قیمت سالانہ للعہ محصولڈاک قیمت فی رسالہ مرادی ۴ر

نظم جلالی

جو ۲۸ فروری ۱۹۱۴ء کو اسٹریچی ہال میں بموقعہ تشریف آوری بیگم صاحبہ بھوپال پڑھی گئی

بعد حمد و نعت خیر الانبیا — اپنے کالج کو کہوں میں مرحبا
حبذا اے کالج فرخندہ فال — مرحبا اے مورد اہل کمال
تربیت گاہ مسلمانان توئی — درسگاہ خاص ہندوستاں توئی
از تو زندہ شد تن بے روح ما — از تو کشتی برکنار اے نوح ما
ہے لقب تیرا "گذرگاہ شہاں" — تو بنا ہے مکتب شہزادگاں

تو ہے رشکِ گنبد افراسیاب — طاق کسریٰ کو ہے تجھ سے پیچ و تاب
قصر دارا تیرے آگے پست ہے — قلعہ جم نیست اور تو ہست ہے
تو بنا ہے مرجع ہر خاص و عام — تو ہے ہندوستان کا دارالسلام
اسٹریچی ہال تیرے تخت پر — جارج خامس ہو چکے ہین جلوہ گر
ہز مجسٹی قیصر و بانوے شاہ — جنکے قدمون سے بڑھا اعزاز و جاہ
کر گئے اکسیر تیری خاک کو — اوج پر تیرے ہے رشک افلاک کو
ہز مجسٹی شاہ کابل بعد ازان — ڈیس پر تیرے ہوے جلوہ کنان
والیان ملک و نوابان ہند — از حدودِ شرق تا کشمیر و سندھ
تیری عزت کو دوبالا کر گئے — موتیون سے تیرے دامان بھر گئے
قرطبہ کی یاد ہو جس کو اگر — دیکھ لے آکر ترے دیوار و در
دیکھنا ہو گر نظامیہ کا دور — درس کا دیکھے یہان آکر وہ طور
علم کی مجلس مین ہے تو مثلِ شمع — تیرے گرد آکر ہوئی ہر قوم جمع
سندھی و بلوچی و افغان و ترک — حیدرآبادی و از میسور و کرگ
برہمی و آسامی و چیترالوی — لکھنوی و دہلوی و مالوی
خیلے از گجرات و خیلے ازبرار — جمعے از مدراس و جمعے از بہار
کابلی ہے کاٹھیاواری کے ساتھ — ہے عرب کے ہاتھ مین ہندی کا ہاتھ
زندہ دل پنجابیان خوش سیر — آگرہ والون سے ہین شیر و شکر
بصرہ و بحرین و مسقط اور کوئیٹ — لڑکے جاوا تک کے تو لایا سمیٹ
بورہ و میمن کا تو مامن ہے آج — خوجگان ہند کا مسکن ہے آج
مولوی اور مجتہدیان ہین بہم — شیعہ و سنی برادر ہین توام
ہمزبان کرناٹکی پٹیالوی — ہمنوا انبالوی بھوپالوی

عالمان جرمن و برطانیہ ... ھندی و بغدادی و ایرانیہ
ہین مسلمان انکے زیر تربیت ... اسلئے ہے کالج کی قدر و منزلت
تیرا نگران طبقۂ اعلےٰ ہے آج ... تیرے وزٹر مالک اورنگ و تاج
اسٹریچی ہال تیرے تخت پر ... جلوہ فرما کون ہے بے گرد و فر
چار سو جس کے سخا کی دھوم ہے ... جسکا ممنون ہند، شام اور روم ہے
فیض سے جسکے نہین ہرگز بچا ... کوئی شعبہ دفتر اسلام کا
آلما میٹر ہین مادر عالمہ ... ہے نشانِ رحمتِ فضلِ خدا
بیگم بھوپال سلطان جہان ... افتخارِ کشورِ ہندوستان
پاسبانِ قلعۂ دینِ متین ... پاسدار گنبد شرع مبین
دولت افضال و سرکار کمال ... ابر نیسان کرم بحر نوال
درمند قوم ہے مان کی طرح ... قوم کے قالب مین ہے جان کیطرح
مدح ممدوحہ سے تو قاصر رہا ... مانگ لے رب سے جلال اب یہہ دعا

عمر ہو دولت ہو اور اقبال ہو
حکمران سرکار ہون بھوپال ہو

اَللّٰھُمَّ بارك فى دينها و دنياها و امو الها و اولادها وحشمتها و اقبالها و عزها و افضالها اللهم انفع بها جميع المسلمين و انشر خيرها بين العالمين آمين۔

نظم دیگر

بحضور ہر ہائنس آف بھوپال بموقعہ نصب فرمودن حجر البناء سلطانیہ بورڈنگ ہوس علیگڈھ

خدا جانے یہہ بیداری ہے یا ہے عالم رویا ... کہ اک ساعت مین بدلا کچھ سے کچھ بے رنگ دنیا

ہوا جو کچھ نہ رہی تھی تابش خورشید سوزان سے — کسی کے ابر فیض وجود نے آکر کیا ٹھنڈا
زمین گل جسپہ تھے خار و خسک کے جھنڈ اور جھنجے — وہان پر آج ورد و یاسمن ہے اور گل لالہ
در و دیوار چھائی جنپہ تھی وحشت نحوست کی — وہ اب آرایش و رونق کی اک تصویر ہین گویا
وہ جنکو اپنے خواب ناز سے مہلت نہ تھی دم بھر — تگ و پو سے وہ دن اور راتکو تھکتے نہین اصلا
وہی جو آج سے کچھ پہلے محو خود پرستی تھے — انھین کو دیکھتے ہین نفس کش اور قوم پرشیدا
جہالت پر جہان تھا فخر اور غرہ حماقت پر — انھین مین آج ہے ہر نوع کی تعلیم کا چرچا
خدایا کس مسیحا دم نے بخشی زندگی ہمکو — الہی کس ید طولا نے بدلا قوم کا خاکا
وہ ماہ آسمان فیض و جود و بذل و احسان ہے — وہ ہے مہر سپہر بخشش و اکرام سرتاپا
وہ جسکی بحر عمان سخا سے فیض آگین ہے — مسلمانون کا ہر صیغہ نہ کالج ہی فقط تنہا
وہ ام المسلمین ہند اور غمخوار ملت ہے — وہ ہے والیہ بھوپال دامت عزو حشمتہا
نمیدانم چسان مستور سازم وصفہاے او — کہ نور از پردۂ ظلمت برون آرد تجلی را
نہین حجر البناء سلطانیہ دار الاقامہ کا — یہی اکدن بنے گا سنگ قصر ملت بیضا
پڑا تھا بے حس و بیجان قالب جنس نسوان کا — بالآخر دست سلطانی سے اسکا ہوتا ہے احیا
موافق اور مخالف دیکھ لینگے چند سالو نمین — کہ یہہ کاغذ کا نقشہ رفعت افلاک تک پہونچا
حضور عالیہ بیشک مسلمان قوم کی گاڑی — نہین ہے چلنے والی ہو نہ جبتک دوسرا پہیا
حضور عالیہ بیشک نہ نسلین بارور ہونگی — انھین جبتک نہ جھولے مین ملے تعلیم کا موقعہ

جلالی ظل سلطانی مین ہو یہہ مدعا حاصل
برین فرق مبارک کامیابی کا بندھے سہرا

جواب ایڈریس ٹرسٹیان کالج

اعیان کالج! مین نے کالج کی تاریخ اور اسکی شاندار روایات کو ہمیشہ دلچسپی

اور غور وخوض کے ساتھ دیکھا ہے۔ مین اس ہمدردی اور ایثار کی دل سے معترف ہون جو سرسید احمد خان مرحوم اور اُنکے جانشین نواب محسن الملک، نواب وقار الملک اور قوم کے دیگر بہی خواہون نے کالج کو کامیاب بنانے اور اُسکے مقاصد کو پورا کرنے مین ظاہر کی ہین۔ اور اسی قسم کی اُمیدین موجودہ سکرٹری نواب محمد اسحاق خانصاحب اور اُن اصحاب سے بھی ہین جن کے ہاتھون مین اِسوقت یہہ قومی امانت سپرد ہے یا آیندہ ہوگی۔ لیکن صاحبان! میرے یہان آنے کا یہی مقصد نہین ہے کہ مین ایک عمدہ ایڈریس قبول کرکے چند دل خوش کرنے والی باتین کہہ دون۔ بلکہ میرا مقصد یہہ ہے کہ چند ایسے خیالات ظاہر کرون جنکو اپنی دانست مین کالج کی قدیم عظمت برقرار رکھنے کے لئے مناسب تصور کرتی ہون۔

صاحبان! سب سے پہلے آپ کو اس طرف متوجہ کرتی ہون کہ گذشتہ چند سال مین کالج نے جو وسعت حاصل کی ہے اور جو اثر قایم کیا ہے اُس سے آپکی ذمہ داریون مین بہت کچھ اضافہ ہوگیا ہے (چیرز)۔ اور ہر سال طلبہ کی روز افزون تعداد آپ کے لئے جوابدہی کا ذریعہ بنتی جاتی ہے لیکن آپ اِسکی جوابدہی اور ذمہ داری سے اُسیوقت عہدہ برا ہو سکتے ہین جب آپ اُسی خلوص و اتفاق کو کام مین لائین جو پچھلے زمانہ کے سرگرم حامیون مین موجود تھا۔ کالج کے متولیون اور حامیون مین دو قسم کے اصحاب شامل ہین۔ ایک وہ جنھون نے اپنے دماغ و وقت و دولت اور اپنی عمر کے عزیز حصہ کو قوم کے لئے وقف کیا، تعلیم کی اشاعت کی اور درسگاہ کو بنایا، مضبوط کیا اور دنیا مین اُسکی شہرت کرنے کی کوشش کی۔ دوسرے وہ ہین جنھون نے اُنکے لگائے ہوے درخت سے پھل حاصل کیا یعنی تعلیم پائی اور اِس قابل ہوے کہ تعلیمی کوششون مین اُنکا ہاتھ بٹائین اور اِس بارگران کو سنبھالین۔ لیکن اگر اُنکے مابین کوئی کشیدگی واقع ہو تو یہہ قومی بدقسمتی کی صریح علامت ہے اِختلاف

راے ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہیگا۔ لیکن مخالفت اور ذاتی رنجش وکدورت نہ صرف مسلمانون کے لئے بلکہ ہر قوم وملک کے لئے نشان بدنصیبی سمجھنا چاہئے۔ آپ بجاے خود اسپر غور کر سکتے ہین کہ جب کبھی مخالفت ہوئی ہے، خواہ وہ کیسی ہی مخالفت کیون نہ ہو۔ اُسنے آپ کے قومی مقاصد کو کسقدر صدمہ پہنچایا ہے۔ مجھے جب کبھی اُن مخالفون کا حال معلوم ہوا تو سخت افسوس ہوا۔ تاہم خدا کا شکر ہے انکی دانشمندیون نے بہت کچھ مخالفت کو دبایا ہے۔ اور مین آپ سب سے توقع رکھتی ہون کہ آپ اُسکو اپنے دلون سے بھی بالکل محو کر دینگے۔ ہمارے نوجوانون کو دلی ادب اور بزرگون کو شفقت ملحوظ رکھنی چاہئے۔ غرض ہر خرد و بزرگ کو اتفاق سے وہ کام کرنا چاہئے جو قوم کے واسطے بہترین نتیجہ نکالے (چیرز)

صاحبان! ہر بہی خواہ اسٹاف وطلبا کے تعلقات کو ہمیشہ مثل سابق دیکھنے کا آرزومند ہے، کیونکہ اپنے عمدہ تعلقات کا ہم یہہ نتیجہ دیکھ رہے ہین جو آج اس ترقی کی صورت مین ظاہر ہو رہا ہے۔ لیکن اُسوقت تعداد طلبہ کم تھی اسلئے قدرتاً تعلقات مین آسانیان تھین اور اب بوجہ ترقی وتوسیع کالج تعلقات مین وہ سہولتین اگرچہ پیدا ہونا مشکل ہین لیکن پھر بھی آپ سب صاحبان کی دور اندیشی اور دانائی سے ایسا انتظام مشکل نہین کہ وہی سہولتین پھر پیدا ہو جائین۔ حضرات! مین اسی سلسلہ مین آپ کو یاد دلانا چاہتی ہون کہ کالج کی بنیاد مین منجملہ اور مقاصد کے ایک یہہ بھی مقصد تھا کہ مسلمانون کو گورنمنٹ کا خیرخواہ اور اصلی قدرشناس بنایا جاے۔ دراصل یہہ مقصد ہمارے کالج کا نہایت عظیم الشان مقصد ہے اور اسی مقصد کی وجہہ سے گورنمنٹ اور گورنمنٹ کے نیک دل اور فیاض افسرون نے نہ صرف سرکاری طور پر امداد کی بلکہ ذاتی فیاضی کے ساتھ بھی مدد کی ہے جسکی شکرگذاری کالج کے درو دیوار سے نمایان اور جسکا نقش احسان ہماری قوم کا تمغۂ شرافت ہے۔ حقیقت تو یہہ

ہے کہ اگر ہم کو یہہ امدادین حاصل نہ ہوتین تو جو شاہنشاہی عظمت اور عالمگیر اثر اِس کالج کو حاصل ہوا ہے وہ کبھی حاصل نہ ہوتا پس مین یقین کرتی ہون کہ یورپین اسٹاف اِس کالج مین مسلمانون کو صرف تعلیم دینا ہی اپنا فرض تصور نہین کرے گا بلکہ وہ اپنے اخلاق اور اپنی شخصیت سے مسلمانونکو اِس مقصد مین کامیاب ہونے کی رہنمائی کرے گا جس سے ایک طرف تو مسلمان اسکے شکرگذار ہونگے اور دوسری طرف وہ اپنی قوم اور سلطنت کے اُس فرض سے بھی سبکدوش ہوگا جو ایک انگلش مین ہونے کی حیثیت سے اُسپر عاید ہوتا ہے۔ غرض ہمیشہ یہہ مدنظر رہنا چاہیئے کہ اسٹاف اور طلبا اور ٹرسٹیون مین شگفتہ اور ہمدردانہ تعلقات رہین۔ اور اسی امر کے ساتھ مسلمانون کی کامیابیون اور ترقیونکی اُمیدین وابستہ ہین اور اِسی پر اُس مقصد کا بھی انحصار ہے جسکو مسٹر بک ہردلعزیز پرنسپل نے اسطرح ظاہر کیا ہے کہ اِس کالج کا پولیٹکل مقصد انگریزون اور مسلمانون کے درمیان اخلاص و محبت کا پیدا کرنا ہے۔

صاحبان! آپ نے کالج کی توسیع کے متعلق جو تجویز سوچی ہے مین اُس سے متفق ہون۔ اس سے نہ صرف آپ کی انتظامی مشکلات کم ہوجائینگی بلکہ یہانکی تربیت کے وہ فواید پورے طور پر حاصل ہونگے جس سے اس کالج نے شہرت پائی ہے حقیقتاً اب وہ وقت آگیا ہے کہ یہہ کالج (جسکی ابتدا اسکول کی جماعتون سے شروع ہوئی تھی) عنقریب انشاءاللہ یونیورسٹی کے رتبہ پر پہونچے گا۔ یہہ بڑی خوشی اور شکریہ کی بات ہے کہ مسلمان رئیس اور دولتمند اصحاب نے اسمین فراخ حوصلگی کے ساتھ مدد دی ہے۔ لیکن ابھی آپ کو موعودہ رقم اور چندون کی فراہمی کی کوشش مین پوری سرگرمی کی ضرورت ہے مجھے یقین ہے کہ آپ یونیورسٹی مین زنانہ تعلیم کا بھی پورا حصہ رکھین گے اور گذشتہ تغافل کے نتائج سے آیندہ کے لئے تجربہ حاصل

کرینگے، کیونکہ جس طرح لوگون کے لئے عمدہ تعلیم کی ضرورت ہے اُسیطرح لڑکیان بھی اُسکی ضرورتمند ہین، اور کسی قوم کی تعلیم اسوقت تک مکمل نہین ہوتی جب تک کہ دونون صنف تعلیم یافتہ نہون۔ ہز ہائینس آغا خان اور راجہ صاحب محمود آباد اس خصوصیت کے ساتھ بہت زیادہ شکریہ کے مستحق ہین کہ اُنھون نے علاوہ مالی امداد کے اپنے مشورون اور دوسری ہر قسم کی کوششون سے اُسکے مدارج تکمیل مین قابل قدر مدد دی ہے۔

صاحبان! گورنمنٹ عالیہ نے تعلیم پر فیاضی کا ہمیشہ اظہار کیا ہے اور مسلمانون کے حق مین کالج کی کامیابی کا بڑا دار و مدار گورنمنٹ ہی کی فیاضی پر رہا ہے، اور مجھے یقین ہے کہ ہمیشہ شہنشاہی اور صوبے کی گورنمنٹون سے اِسی قسم کی مدد ملا کریگی۔ آپ نے جن اصحاب کا احسانمندی کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اُن سب کی قوم پر شکر گذاری واجب ہے۔ مجھے ان نامون مین ہز ہائینس مہاراجہ گوالیار اور ہز ہائینس مہاراجہ پٹیالہ کے نام دیکھ کر اور بھی زیادہ مسرت ہوئی ہے۔ یہہ غیر متعصبانہ فیاضیان واقعی زیادہ قابل شکر گذاری ہین (چیرز) بلاشبہ علیگڈھ مین جب سے کالج قایم ہوا ہے اِس ضلع کے امرا نے ہمیشہ نہایت عالی حوصلگی سے امداد کی ہے اور انکا نام کالج کے سب سے بڑے حامیون مین رہا ہے۔ حاجی احمد سعید خانصاحب کا تازہ عطیہ ایک ایسا عطیہ ہے جسکا اجر وہ خداوند کریم کی بارگاہ سے حاصل کرین گے۔ لیکن، صاحبان! مساجد کی زینت سے مقدم تر آپ کے لئے یہہ کام ہے کہ مسلمان بچون کے دل نور اسلام کی روشنی سے حقیقی طور پر منور ہو جائین (چیرز)؛ خصوصاً چھوٹے بچون کے لئے بہت زیادہ ضرورت ہے کہ اُنکی مذہبی تربیت نہایت عمدہ طریقہ سے ہو اور ایسے معلم رکھے جائین جو مذہبی عظمت کو قایم کرسکین۔ اِسکے بعد آپ زینت اور سنگ مرمر کے فرش کے جانب توجہ کیجئے (چیرز)

اِسموقع پر مجھے مسٹر ٹول اور انکے ممبران اسٹاف کی خدمات کا اعتراف بھی ضروری ہے۔ مین واقف ہون کہ انھون نے کیسی قابلیت کے ساتھ کالج کی خدمات کی ہین۔ اور مجھے یقین ہے کہ طلبا اُنکی اُستادانہ شفقت سے ہمیشہ بہرہ مند ہونگے۔ اور احسان شناسی ایک مذہبی جذبہ ہے اسلئے طلبا سے یہہ توقع بالکل صحیح ہے کہ وہ اِس محبت کا معاوضہ دلی خلوص اور اطاعت سے اداکرینگے۔ کیا مین اعیان کالج کو اِسطرف متوجہ کرسکتی ہون کہ جہانتک ممکن ہو ممبران اسٹاف مین جلد جلد تغیرات ہونا کالج کی تعلیم اور انتظام کے لئے مفید نہین ہوسکتا ؟ کیونکہ جسقدر زیادہ وقت تک وہ کالج مین رہینگے اُسیقدر اُن کو طلبا کے خیالات وحالات سے واقفیت حاصل کرنے کا موقع ملیگا جس سے روز بروز ہمدردی وتعلقات مین مضبوطی پیدا ہوتی جائیگی اِسلئے ایسی تدابیر پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اسٹاف مین جلد جلد تغیرات نہون (چیرز)

صاحبان! میرے متعلق جو کچھ آپ نے ایڈریس مین بیان کیا ہے مین اُسکا شکریہ ادا کرتی ہون۔ لیکن مین تو قومی کالج کی امداد ہر مسلمان کا ایک فرض سمجھتی ہون اور اِسی فرض کا احساس ہے کہ مین نے حمید اللہ خان کو اِس کالج مین داخل کیا۔ (پرزور چیرز)

حضرات! مجھے اجازت دیجئے کہ مین طلبا سے بھی کچھ کہون۔ اے نونہالان کالج! مین اِسوقت تمھارے مقصود تعلیم وتربیت وغیرہ کے متعلق کچھ زیادہ کہنا نہین چاہتی مگر مجھے تم سے صرف چند باتین کہنی ہین۔ تمکو یاد رکھنا چاہیئے کہ کالج کی عظمت اور اُسکی عزت در و دیوار اور ان عالی شان گنبدون اور بورڈنگ ہاؤسون سے نہین ہے بلکہ اِسکا انحصار سب سے پہلے تمھاری ذات پر ہے (چیرز)۔ اِس کالج مین رہکر یونیورسٹی کی ڈگریان حاصل کرلیناہی تمھارا مقصود نہین ہونا چاہیئے کیونکہ یہہ ڈگریان تمھاری محنت اور شوق کا نتیجہ ہین اور ہر کالج مین رہکر تم حاصل کرسکتے ہو لیکن تمھارا

سب سے بڑا فرض یہہ ہے کہ تم یہان آکر وہ انسانی اوصاف حاصل کرو جن اوصاف کے پیدا کرنے کے لئے اِس کالج کی بنیاد قایم کی گئی ہین۔ (پر زور چیرز)

ڈسپلن، راست بازی، ہمدردی، وفاداری، ادب تمھارا شیوہ ہو۔ تم اپنی خواہشون اور اپنے خیالات کو اعتدال سے آگے نہ بڑھنے دو اور اپنے اُستادون کا وہی ادب ملحوظ رکھو جو مشرقی اقوام اور بالخصوص مسلمانون کا خاصہ طبعی ہے (چیرز) اُستاد کا جور بھی مہربدری سے زیادہ مفید ہے۔ تمھارے ان اوصاف انسانی کا یہہ نتیجہ ہوگا کہ تم جہان جاؤگے لوگ تمھارا ادب کرینگے۔ اسی کے ساتھ علمی تکمیل بھی تمھارا مقصود ہونا چاہئے، تا کہ تم بڑی بڑی ڈگریان حاصل کرو اور جب اِس کالج سے نکل کر دنیا کے کاروبار مین مصروف ہو اُس وقت تم اس قابل بن جاؤ کہ تم قوم کی خدمت کرسکو۔ جو طلبہ اِس کالج کے احاطہ مین آکر تعلیم پاتے ہین اُنکے ساتھ قوم کی بڑی بڑی اُمیدین وابستہ ہوتی ہین۔ تمھارے کالج کی روایات تمھارے متقدمین کے سبب سے قایم ہوئی ہین اور اُنکے عمدہ اخلاق کا یہہ نتیجہ ہوا ہے کہ اسی حال مین اعلےٰ مرتبت حکام ہند نے طلبہ کی تعریف کی ہے۔ سر آکلینڈ کالون نے کالج کی نسبت یہہ الفاظ کہے ہین (اور بالکل سچ کہا ہے) کہ "علیگڈھ کالج کا طالب علم ہونا انگریزون اور ہندوستانیون دونون کے درمیان عزت اور اعتبار کا ذریعہ ہے۔ وہ اپنے ساتھ وہان کی تعلیم و تربیت کی مہر اور اُس شخص کے عقل و دماغ کا نقش بٹھاتے ہین جسکی نگرانی مین اُنکی تعلیم و تربیت کی تکمیل ہوئی ہے" (چیرز) انھون نے یہہ بھی کہا ہے کہ علیگڈھ کالج کا ایک طالبعلم فیاضانہ خیالات، ترقی یافتہ تعلیم و تربیت اور آزادانہ خصلت رکھنے والا شخص خیال کیا جاتا ہے۔ سب سے بڑھ کر وہ ہندوستانیون کے اُس فرقہ کا ایک نمونہ ہوگیا ہے جو انگریزون کی خواہش کی بخوبی داد دینے کے واسطے کوشش کرتا ہے۔ لیکن وہ بھی یہہ توقع رکھتا ہے کہ ہم اُن

خواہشون کی اسیطرح داد دین (چیرز)

درحقیقت یہہ وہ تعریف ہے جو بطور ایک ترکہ اور امانت کے ایک نسل سے دوسری نسل مین سپرد ہونا چاہیئے۔ اور موجودہ نسل ہمیشہ اِس ودیعت کو ایک قیمتی ترکہ اور اور امانت سمجھتی رہے۔ لیکن یہہ ترکہ اور امانت اُسی وقت تک محفوظ رہیگی جب تک کہ تمھارے اخلاق مثل تمھارے متقدمین کے اعلےٰ اور ارفع ہون۔

یاد رکھو کہ تم کالج مین طالبعلمانہ زندگی بسر کرتے ہو اور تمھارا یہہ کام ہے کہ غور وخوض کی عادت ڈالو۔ تم کو جب تک کہ تم اس احاطہ کے اندر ہو علمی دنیا مین قدم رکھنا اور روزمرہ کے پیش آنے والے واقعات مین کوئی حصہ لینا قطعی ممنوع ہے۔

جب تم اِس چہار دیواری سے باہر نکلو تو ان اوصاف کا ثبوت دو جنکو سر چارلس کراسٹویٹ، سابق لفٹنٹ گورنر نے تمھارے بڑے بھائیون (یعنی قدیم طلباے کالج) کی نسبت کہا ہے کہ اُنمین یہہ صفت ہے کہ وہ راستباز، دلیر اور اُس گورنمنٹ کے خیرخواہ ہین جسکے سایہ حمایت مین وہ رہے ہین، بغیر خوشامد کے خلیق اور مؤدب ہین، اور اپنی اعلےٰ تعلیم وتربیت کے لحاظ سے زندگی کے عملی کاروبار کے واسطے لائق ہین (چیرز)

مین نے ایک اور بات بھی نہایت افسوس کے ساتھ محسوس کی ہے جسکو ظاہر کرنا اور جسپر تمکو توجہ دلانا مین اپنا ایک ضروری فرض تصور کرتی ہون۔ تم سب سے پہلے کالج کے بنیادی اُصول پر نظر ڈالو اور ہر در و دیوار پر یہہ لکھا ہوا دیکھو کہ یہہ کالج بے تعصبی اور ترقی کے اصول پر مبنی ہے (چیرز)۔ گذشتہ چالیس سال سے تمھارے کالج مین اس اصول کی پابندی نہایت احتیاط اور استحکام کے ساتھ کی گئی ہے۔ ہمارے اختلاف عقاید نے تمھاری اخوت پر کبھی کوئی اثر نہین ڈالا، اور یہی صفت تمھارے کالج کے آب وگل مین داخل ہے (طویل اور پرزور چیرز) مسلمانون مین اگرچہ

چند در چند فرقے ہین جو مختلف عقیدے رکھتے ہین مگر صرف یہی ایک جگہ ایسی ہے جہان اختلاف کو نظر انداز کر کے وہ ہمیشہ مثل شیر و شکر رہے ہین۔ ہندوستان کے مسلمانون مین شیعہ اور سنّی دو فرقہ ہین، اور اُنمین بعض اوقات نہایت ناگوار تنازعات برپا ہو جاتے ہین۔ لیکن کالج اسوقت تک ایسی ناگوار باتون سے محفوظ رہا ہے اور اسی اصول پر دونون فرقونکے واسطے ایک ہی مسجد بنائی گئی، کیونکہ دونون فرقہ ایک ہی وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے والے، ایک ہی رسول کی اُمّت ہین اور دونون کی زبان پر "ایاک نعبد" اور کلمۂ توحید جاری ہے۔ لیکن اب مین سنتی ہون کہ کالج مین اِس قسم کا رنگ پیدا ہو چلا ہے جو اُسکے خیر خواہون کے لئے اندیشہ ناک ہے۔ مین نہین سمجھتی کہ موجودہ نسل کے طلبا اسبات کو کیونکر گوارا کر سکتے ہین کہ یہہ بدنامی اِنکے نامۂ اعمال مین لکھی جاے (!!!) تمکو تحمل، بردباری اور بے تعصبی کو حوصلہ اور استقلال کے ساتھ اپنا دستور العمل بنانا چاہئے۔ ہندوستان مین جہان یہہ منافرت پائی جاتی ہے وہان یہہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ بعض خاندانون مین ان دونون عقاید کے ممبر ہین اور اور اُنمین وہی خاندانی ہمدردی اور محبت ہے جو ایک شریف الخیال گھرانے مین ہونی چاہئے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اِس سرزمین پر (جہان اِس سے پیشتر اس قسم کی تحریکات اور تعصبات سے ہمیشہ احتراز کیا گیا ہو اور جہان اخوت کی وہ عملی مثال موجود ہو اور وہ دل نشین سبق دیا جاتا ہو جو دوسری جگہ میسر نہین) وہان پھر ایسے خیالات پیدا ہون۔ مین کسی ایک فریق کو ملزم قرار نہین دیتی۔ مین دونون کو قصور وار سمجھتی ہون۔ میرے نزدیک تم کو اور منتظمان کالج کو ہمیشہ اشتعال آمیز روایات سے پرہیز کرنا چاہئے۔ تمکو اپنے ان بزرگون کی مثالون کی پیروی کرنی چاہیے جو اپنی ہمدردی و بے تعصبی کی وجہ سے دونون کے نزدیک عزیز و محترم ہین (چیرز) مین اب اس سے زیادہ تم سے کچھ نہین کہنا چاہتی کہ تم بردباری، دانشمندی اور صلاحیت کے ساتھ ان اسباب کو

جن سے ایسے عظیم الشان خطرے کے پیدا ہونے کا احتمال ہے رفع کرو؛ ورنہ آیندہ نسلیں جس طرح تم کو یاد کرینگی اُسکا اندازہ تم خود کر سکتے ہو۔ مین جبکہ یہان آنے کا قصد کر رہی تھی اُسوقت مجھکو معلوم ہوا کہ ٹرسٹیان کالج نے ان اسباب و شکایات کے دور کرنے کی قابل اطمینان کوشش کی ہے۔ لیکن دراصل اُنکی کوشش سے زیادہ وقیع اور حقیقی کوشش فریقین کے ہاتھ مین ہے (طویل اور پر زور چیرز) اور مجھے یقین ہے کہ تم اپنی برادرانہ محنت کو ضایع نہین ہونے دوگے۔

صاحبان! مین اِس تقریر کو اِس دعا پر ختم کرتی ہون کہ خداوند کریم ہمیشہ مسلمانون کی اس درسگاہ کو سرسبز، آباد اور مستحکم رکھے، آمین (ہر طرف سے نعرہ ہاے آمین)

جواب ایڈریس کانفرنس

صاحبان! گذشتہ ۲۰ سال کے عرصہ مین کانفرنس نے قوم کی جو تعلیمی خدمات انجام دی ہین، وہ نہایت قابل قدر ہین، اور قوم کو ان تمام صاحبان کا ممنون ہونا چاہیئے جنھون نے کانفرنس کے حصول مقصد مین امداد دی۔

آپ کے ایڈریس سے ظاہر ہے کہ اِس قومی انجمن کے تین اہم مقاصد تھے۔

(اول) مسلمانان ہندوستان کو ہر سال ایک جگہ جمع ہو کر قومی مقاصد پر غور کرنے کا خوگر بنایا جائے۔

(دوم) تعلیم و تربیت کی ضرورت ذہن نشین کیجائے۔

(سوم) یہہ کہ ہماری خاص تعلیمی ضروریات گورنمنٹ عالیہ کی توجہ مین لائی جائین

اِن مقاصد کے حصول مین ایک حدتک نہایت معقول کامیابی ہوئی ہے (چیرز) مسلمان تعلیم کی ضرورت دن بدن زیادہ محسوس کرتے جاتے ہین، اور نہ صرف محسوس کرتے ہین بلکہ ان ضروریات پر قابلیت سے بحث کرنے کا بھی اُن مین مادہ پیدا

ہو چلا ہے (چیرز) قومی بیداری اور نئی زندگی کی روح جو کانفرنس اور تعلیم یافتہ طبقے کے ذریعہ سے پیدا ہوئی نہایت نتیجہ خیز ثابت ہو رہی ہے؛ اور سب سے زیادہ کامیابی کانفرنس کو اِس امر مین ہوئی ہے کہ گورنمنٹ عالیہ نے (جیساکہ آپ نے ابھی فرمایا) اُس گشتی مراسلہ مین جو مقامی گورنمنٹون کے نام جاری ہوا ہے مسلمانون کی خاص تعلیمی ضروریات کو تسلیم کر لیا ہے۔

حضرات! ہر چیز کی تاریخ مین مراحل اور مدارج آتے ہین، اور اب کانفرنس کی تاریخ کا پہلا دور ختم اور دوسرا دور شروع ہوتا ہے پہلے دور کے آغاز کے وقت علمی اور اخلاقی افلاس کا مرض عام تھا۔ خود علیگڈھ کالج ہی کے متعلق مختلف قسم کے شکوک لوگون کے دلون پر جاری تھے۔ علم و تربیت کی ضرورت کا احساس نہ تھا۔ اب آپ صاحبان کی کوشش اور علیگڈھ کالج کی بدولت ظلمت دور ہو گئی ہے (چیرز) اور جن مقامات پر علم کی منادی کرنے والی فقط دو تین صورتین ہی نظر آتی تھین وہان اب نئے تعلیم یافتہ حضرات کی تعداد روز بروز ترقی کر رہی ہے (چیرز) اور اگرچہ بعض حصص ملک مین اب بھی ابتدائی کام کی ضرورت باقی ہے، مگر پھر بھی زیادہ تر یہی دیکھنے مین آتا ہے کہ لڑکون کی تعلیم کی ضرورت کا احساس اب عام ہو چلا ہے

حضرات! کانفرنس کی تاریخ کے دوسرے دور مین پراونشیل کانفرنسون کو مرکزی کانفرنس کا ہاتھ بٹانا چاہیے، اور چونکہ ہماری قومی کشتی نئے سمندر مین ہو نکلی ہے اسلیے نئی ہواؤن کے لحاظ سے کانفرنس کے بادبانون مین تغیر کرنے کی ضرورت ہوگی۔ مرکزی کانفرنس کا پراونشیل کانفرنسون سے کس قسم کا تعلق ہو اور مقامی کمیٹیان کس طریقہ سے کام کرین ان امور کے متعلق آپ صاحبان بہتر راے قائم کر سکتے ہین۔ مجھ کو آپ صاحبان کے درد قوم کے اور قوم کے تعلیم یافتہ طبقہ کی روشن خیالی سے امید ہے کہ پراونشیل کانفرنسون کے کام کا طریقہ ایسا ہوگا کہ ہماری تعلیمی

کوششون کا شیرازہ درہم برہم نہ ہو اور دل خوش کن نتائج مترتب ہون۔ مجھ کو افسوس ہے کہ لوکل کمیٹیون کی تعداد اب تک نہایت کم ہے اور مجھ کو یہہ بھی معلوم نہین کہ ان کمیٹیون کا کام اطمینان بخش ہے یا نہین۔ بہرحال اگر خدا کو منظور ہے تو آپ کی کوشش اور استقلال سے کامیابی ضرور نصیب ہوگی۔ اِس نئے دور مین تعلیم یافتہ طبقے کی ذمہ داریان نہایت اہم ہین اور مجھ کو کامل یقین ہے کہ وہ کانفرنس کو ہر قسم کی امداد دینگے۔

صاحبان! تعلیمی رپورٹون سے ظاہر ہے کہ ابتدائی تعلیم کے مدارج مین اعلے تعلیم کی نسبت مسلمانون کی تعداد نہایت معقول ہے۔ مگر اُن اعداد مین وہ لڑکے بھی شامل ہین جو ایسے مکتبون مین تعلیم پاتے ہین جنمین انگریزی تعلیم یا صوبہ کے محکمہ تعلیم کا نصاب شامل نہین کیا جاتا۔ یہہ امر باعث مسرت ہے کہ گورنمنٹ عالیہ اور نیز آپ کی توجہ ان مکتبون کی جانب مبذول ہے اور مجھ کو اُمید ہے کہ یہہ توجہ ضرور نتیجہ خیز ثابت ہوگی۔ افسوس مجھ کو اسبات کا بھی ہے کہ ہمارے دینیات کے مدارس مین اکثر قدیم ہندسہ و ہئیت پر اب تک وقت ضائع کیا جاتا ہے۔ اگر اُن مدارس کے نصاب مین بھی ضروری ترمیم و ترقی کیجاے تو کیسے عمدہ نتائج پیدا ہون۔

حضرات! آپ کی کانفرنس کی توجہ کا میدان اسقدر وسیع ہے کہ جتنا آپ ترقی کرتے ہوے آگے چلینگے اسیقدر آپ کا دائرہ ضروریات وسیع ہوتا چلا جائیگا۔ بلکہ بعض اوقات تو کانفرنس کی رپورٹین دیکھ کر مجھ کو یہہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آپنے اپنی طاقت سے زیادہ شعبہ جات اور صیغہ جات قائم کئے ہین؛ اور نیز ہر سال کانفرنس مین اتنی تجاویز پیش ہوتی ہین کہ ان پر شاید پورے طور پر عملدرآمد بھی نہین ہوسکتا آپ کے مختلف شعبہ جات کو ایکدوسرے سے ملکر کام کرنے اور مرکزی کانفرنس کو ان کے کام کی معقول نگرانی کرنے کی بھی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ صیغہ اصلاح تمدن

کا کام آپ کو بند ہی کر دینا پڑا، اور تعلیم نسوان کے ضمن مین بھی ابتک کانفرنس سے کوئی نمایان کام سرانجام نہین ہوا۔ خود کانفرنس کی سالانہ رپورٹ ہی سے ترقی صدر دفتر کانفرنس کی ضرورت ظاہر ہے۔ اگر آپ مجھ کو اجازت دین تو مین یہہ ضرور کہونگی کہ اِس رپورٹ مین ہر حصہ ملک کی سال بھر کی تعلیمی ترقی کا مختصر دیباچہ ضرور ہونا چاہئے مفید اور قابل قدر مضامین و تقاریر کے ساتھ معمولی اشعار و کم پایہ تحریرات شامل کئے جانے کی ضرورت نہین۔ کانفرنس کے حسابات اور انکا خلاصہ ایسا ہونا چاہئے کہ ہر سال کے حسابات کا دوسرے سال کے حسابات سے بہ آسانی مقابلہ ہو سکے اور ہر شخص بہت جلد ان کو سمجھ سکے۔ یہہ مین جانتی ہون کہ ان باتونکے لئے نہایت باضابطہ صدر دفتر کانفرنس کی ضرورت ہے۔ اور اِس دفتر کی ترقی و اصلاح کو آپ خود ضروری تصور کرتے ہین۔ دفتر کے کام کے لئے روپیہ بھی آپ کے پاس کم ہے اور جو اہم کام آپ نے اپنے ذمہ لئے ہین انکے لئے کافی وسائل آپ کے پاس ابتک مہیا نہین۔

صاحبان! محمدن یونیورسٹی کا مسئلہ اگر عمدہ طرح سے طے پاگیا (اور آپ کی معاملہ فہمی سے مجھ کو اُمید ہے کہ ضرور عمدہ طرح سے طے ہوجائیگا) تو آپ کو حصول مقصد مین ہر طرح کی امداد ملیگی۔ مقدم امر یہہ ہے کہ آپ کی قوم کے باہمی اختلافات دور ہون؛ کیونکہ فقط اینٹ اور گارے کی عمارت آپ کے صدر دفتر کو کامیاب نہین کرسکتی جب تک تمام قوم آپ کی امداد کے لئے یکدل و یک زبان ہو کر کمربستہ نہ ہو اگر باہمی اختلافات رفع نہ ہوے تو آپ کو نئی ضروریات کے احساس مین اور مشکلات کے مقابلہ مین دشواریان پیدا ہونگی۔ تمام دشواریون کا آپ اِسوقت ہی کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرسکتے ہین۔ جب کانفرنس کے قالب مین اچھی طرح سے جان پیدا ہوجاے۔ پراونشل کانفرنسون کے ساتھ مل کر کام کرنے کے اصول طے پائین اور وہ عمدہ اور مفید ہون۔ پراونشل کانفرنسین اور لوکل کمیٹیان قائم ہون اور وہ قابل اطمینان طرح

سے کام کرنے لگیں۔ آپ کی تعلیمی کوششونکو اور زیادہ استحکام اور اُن کے دائرہ مین وسعت ہو۔ ایک زندہ قومی نظام کی بنیاد محمدن یونیورسٹی ہی کے ذریعہ سے قائم ہو سکتی ہے۔ اور جو کوششین آپ نے اور ہز ہائنس سر آغا خان اور علیگڈھ کالج کے تعلیم یافتہ طلبہ نے اُس سلسلے مین کی ہین انکے لئے آپ کی تمام قوم آپ کی دل وجان سے ممنون ہے۔ علیگڈھ مین قوم کی تعلیمی کشتی کے ناخداؤن کی جماعت محمدن یونیورسٹی اور آپ کی کانفرنس کے ذریعہ ہی سے قایم ہوسکتی ہے

صاحبان! سر سید احمد خان نے علمی اجلاس کے زمانہ مین مختلف اقطاع ملک سے علیگڈھ مین ایک ایسی منتخب جماعت جمع کرلی تھی جنھون نے قومی کالج کے لئے اپنے آپ کو وقف کرلیا اور جنکی متحدہ کوششون کا ثمرہ کالج کی وہ ترقی ہوئی جسپر ہم سب کو ناز ہے۔ میری راے مین اس علمی ترقی اور نئی روشنی کے زمانہ مین جب محمدن یونیورسٹی کا اہم مسئلہ درپیش ہے اور آپ کے دائرہ ضروریات مین وسعت ہو رہی ہے، یہہ بسا ضروری ہے کہ آپ کے مرکز تعلیم مین ایک ایسی منتخب جماعت ہو جو قومی کشتی کی ناخدائی کرے۔

اب مین آپ کے صدر دفتر کا سنگ بنیاد نصب کرتی ہون اور آپکی کامیابی کی صدق دل سے دعا کرتی ہون۔ مجھ کو یقین ہے کہ آپ کی ان کوششون مین جنکی قوم دل سے قدر کرتی ہے اور جنکی کامیابی کے لئے ہم دست بدعا ہین رب ذوالجلال والاکرام برکت دے گا (نعرہ ہاے آمین اور پرزور چیرز)

کلام قاسم

مٹی ہے آہ اسلامی کی جو تاثیر برسون سے
دکھاتی ہے مصائب گردش تقدیر برسون سے

مسلمانون سے برگشتہ ہوئی تقدیر برسون سے
خدنگِ غم کا جو دل بن گیا نخچیر برسون سے

یہہ نکلے کسطرح سے پیش ہے تدبیر برسون سے
مقدر کے جو پیرون مین پڑی زنجیر برسون سے

ہجوم یاس کی پابند ہے تاثیر برسون سے
دعا کرتے ہی گویا ہنستی ہے تقدیر برسون سے

دماغ قوت اسلامیہ کب تک رہے قایم
کہ خون بہتا ہو جسکی پھوٹ کر نکسیر برسون سے

بصد رنج و تعب یہہ آجکل اسلام کہتا ہے
مرے حصہ مین آیا ملک غم جاگیر برسون سے

مسلمانون تمہارے مرحلے یون طے نہین ہوتے
کہ لنگڑا ہو رہا ہے اشہب تدبیر برسون سے

یہہ کیا زنگ تمنا تھا ہی جو شکل مایوسی
جو مٹجاتا ہے کھنچکر نقشۂ تصویر برسون سے

شفق پھولی ہے یا شام غریبان خون روتی ہے
کسی کا خون ہے ظالم کا دامنگیر برسون سے

نشانہ بن گیا اسلام کیسا ناوک غم کا
کہ چبھ کر رہگیا ہے دل مین اوسکے تیر برسون سے

خدا ہی لائیگا اوسمین بہار آبرو پھر کر
کہ پامال خزان ہے گلشن توقیر برسون سے

گرہ کیسی لگی ہے رشتۂ تقدیر مین یارب
کہ جسکو کھولتی ہے ناخن تدبیر برسون سے

خدا کی شان ہے اسلام کا جو ناطقہ گم ہے
کہ ہے خاموش مثل صورت تصویر برسون سے

ہمارے جذبۂ دل کا اثر ہی اُٹھ گیا ہے جو
بھٹکتی پھر رہی ہے آہ بے تاثیر برسون سے

شریفون کو نہ کیون ہو زندگی دوبھر کہ اے قاسم
بلائے قحط ہے دنیا مین عالمگیر برسون سے

قاسم علی خان
ساکن سکندرہ راؤ

قاسم علی خان

تاریخ افتتاح مدرسۂ تعلیم نسوان واقع علیگڈھ

زیبندہ عورتون کے لئے بھی یونہین ہے علم
جیسے نقوش کندہ نگینون کے واسطے

ہون کیون یہہ پست جبکہ ہین درجہ عروج قوم
بام بلند چاہئے زینون کے واسطے

ہین یہہ شریف علم شرافت کا ہے نشان
بے علمیان فقط ہین کمینون کے واسطے

ذی علم ہو کے علم سے محروم کیون رہین، — کیا مار گنج ہین یہہ خزینون کے واسطے ؟
صد شکر ایک کوشش عبداللہ سے ہوا — یہہ دن نصیب خانہ نشینون کے واسطے
بنیاد درسگاہ خواتین ہوئی تمام — یعنی کھلا مکان مکینون کے واسطے
"زن، زر، زمین" کی جو مثل ہے وہ ہے بجا — لڑتا ہے آدمی انھین تینون کے واسطے
ان تینون زحمتون مین ہوے ہین وہ مبتلا — موزون نہ تھے قلوب جو کینون کے واسطے
بانی نے اسکے جھیلی ہین کیا کیا نہ آفتین — برسون لڑا کیا ہے زمینون کے واسطے
جنگ زن و زمین جو بہ مشکل ہوئی تمام — پھر کھائے رنج زر کے دفینون کے واسطے
دو دن کے واسطے یہہ نہ تھے رنج، بلکہ تھے — گویا کئی برس کے مہینون کے واسطے
لیکن ہر ابتدا کے لیئے انتہا بھی ہے ؛ — کبتک خراش زخم کے سینون کے واسطے!
آئے حضور بیگم بھوپال کے قدم — نقش قدم ہین جنکے جبینون کے واسطے
زیبا ہے فخر عالم اسلام کے لیئے، — وہ رہنما ہین دوسرے دینون کے واسطے
ذاتِ حضور عالیہ وہ بحر فیض ہے — لنگر ہے جس کا نام سفینون کے واسطے
کی رسم افتتاح ادا درسگاہ کی — ذی علم کی امانت امینون کے واسطے

"احسن" اِس افتتاح کی تاریخ اب کہو
"مکتب یہہ کھولا پردہ نشینون کے واسطے"
١٣٣٢ھ

راقم
احسن مارہروی

راقم
...ن مارہروی

منارہاے روشنی یا لائٹ ہاؤس

سائنس کے عملی کامون مین سے جو انسان کے حق مین مفید و کارآمد ثابت ہوے ہین سمندر کے کنارے روشنی کے منارے بھی ہین۔ یہہ وہ عظیم الشان

عمارتین ہین جو مصیبت کی گھڑی سے ہزارہا بندگان خدا کو محفوظ رکھتے ہین جنکی شفقت آمیز روشنی دور سے متنبہ کردیتی ہے کہ دوستو اسطرف نہ آنا ورنہ یا تو مخفی اور تہ آب چٹانون سے ٹکراکر ابھی قعر ہلاکت مین پہونچتے ہو یا ریت کے تودون پر جہاز کے بیٹھ جانے سے طرح طرح کے عذاب اور قید تنہائی مین مبتلا ہوتے ہو۔ روشنی کے منارے اگرچہ بالکل سائنٹفک اصول پر آجکل مستعمل ہین لیکن وہ کوئی نئی ایجاد نہین ہین کیونکہ فراعنۂ مصر کے وقت مین اسکندریہ کے ساحل پر منارہ کا موجود ہونا ثابت ہے۔ جسپر لکڑی کی آگ روشن کیجاتی تھی تاکہ اندھیرے مین بندرگاہ کا پتہ دے سکے۔ جنوبی انگلینڈ مین چند منارے ۱۶۳۴ء مین قایم ہوے لیکن علمی سائنس نے اسوقت زیادہ ترقی نہ کی تھی کیونکہ ان منارون پر ۱۷۹۰ء تک کوئلون کی آگ روشن رہی یسب سے پہلا منارہ جسپر پہلی مرتبہ تیل جلایا گیا جزیرہ مَین کا منارۂ روشنی تھا اور یہہ ۱۸۱۶ء کا واقعہ ہے۔ گویا جو ترقی یافتہ لائٹ ہاؤس آجکل موجود ہین وہ صرف پچاس سال ہاے گذشتہ کے تجربون کے نتائج ہین۔

انجینیری کمال چونکہ یہہ منارے جو سخت طوفان زدہ چٹانون پر بنائے جاتے ہین جہان تلاطم امواج کی کثرت اور پانی کے تھپیڑون کی شدت رہتی ہے اسلئے انپر ایک بلند تعمیر کا پورا کرنا فن انجینیری کا کمال سمجھا جاتا ہے۔ لائٹ ہاؤس کے تعمیر کے تین حصے ہوتے ہین (۱) عمارت۔ (دوسرے) لالٹین (تیسرے) آلات روشنی۔

منارہ اڈیہی اسٹون جنوبی انگلینڈ کا یہہ لائٹ ہاؤس نہایت مشہور منارون مین ہے اسکی تعمیر ۱۷۵۹ء مین ختم ہوئی تھی۔ بلندی اسکی علاوہ گنبد اور لالٹین کے ۶۸ فٹ ہے وہ سرتاپا ٹھوس گرینائٹ پتھر سے تعمیر ہوا ہے لیکن کمال یہہ کیا ہے کہ اسقدر بلند منارہ کو گرداگرد ایک مضبوط آہنی زنجیر سے جکڑ بند کیا ہے اسطرح کہ سخ

گرم حالت مین زنجیر لپیٹی گئی اور سرد ہوکر اسنے نہایت قوت سے کل عمارت کو جکڑ لیا۔ کل بلندی اس منارہ کی ۹۴ فٹ ہے۔ قطر قاعدہ منارہ پر ۲۶ فٹ اور چوٹی پر پندرہ فٹ ہے کمرہ لالٹین ہشت گوشہ شکل کا ہے اسکا فریم آہنی ہے اور دبیز حلبی شیشے اسمین جڑے ہوے ہین۔ اسکے نیچے دو کمرے ذخیرہ وسامان کے لئے ہین اور دو مین سے ایک باورچیخانہ ہے اور دوسرا سونے کا کمرہ اِس کی سنگینی عمارت کا اِس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ تقریباً ڈیڑھ سو برس سے طوفان کا مقابلہ کر رہا ہے اور یہہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا آج بنا ہے۔

منارہ بیل راک یا انچکیپ راک یہہ مشہور چٹان اسکاٹلینڈ کا شرقی ساحل کے مقابل مین اس بحری شاہراہ کے متصل واقع ہے جسپر سے گذر کر جرمنی جانب کے جہاز فرتھ آف ٹے مین داخل ہوتے ہین یہہ نہایت خوفناک چٹان ہے جو جزر و مد کے حالت مین کبھی سطح آب پر ظاہر ہوتی ہے اور کبھی بارہ بارہ فٹ پانی مین غرق ہوجاتی ہے۔ اسلئے جہازون کے ٹکرانے کا ایسے موقع پر سخت اندیشہ رہتا ہے۔ پچھلے زمانہ مین جب تک کہ منارون کا رواج نہ تھا ایک نیکدل شخص نے ایک بڑا گھنٹہ پیپے مین باندھ کر اس چٹان سے بذریعہ زنجیرون کے ملحق کردیا تھا چنانچہ تلاطم امواج کے ساتھ وہ پیپہ متحرک رہتا تھا اور اسکے ساتھ گھنٹہ بھی جھولے کھاتا اور ہر وقت بجتا رہتا تھا جس سے جہازیون کو معلوم ہوجاتا تھا کہ وہ اس خونی چٹان کے قریب ہین اور ہوشیار ہوکر اپنی جان سلامت نکال لیجاتے تھے چونکہ انگریزی مین گھنٹہ کو بیل کہتے ہین اور چٹان کو راک اسلئے اِس چٹان کا نام بل راک مشہور ہے۔ اب اسپر ایک عظیم الشان منارہ روشنی بنا ہوا ہے جو سو فٹ بلند اور نیچے سے ۴۲ فٹ اور چوٹی پر پندرہ فٹ قطر مین ہے۔ بنیاد سے تیس فٹ بلندی تک یہہ منارہ بالکل ٹھوس ہے اسکے بعد دروازہ اور زینہ شروع ہوتا ہے

نیچے سے ملے کر۔ دروازہ تک رسائی ایک برنجی سیڑھی کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔اس منارہ مین پانچ کمرہ ہین اور ایک کمرے مین شیرین پانی کا حوض ہے کیونکہ اکثر اوقات ملازمین منارہ کو چھ چھ سات سات ہفتے تک وہان رہنا ہوتا ہے اور ساحل سے کوئی تعلق رکھنا محال ہوجاتا ہے۔ ملازمین کی زندگی جس طرح روشنی کے جہاز پر بے کیف گذرتی ہے۔ اسی طرح منارہ روشنی پر بے لطف کٹتی ہے۔

آہنی منارے فی زماننا آہنی منارون کو ترجیح دیجاتی ہے کیونکہ وہ ارزان اور جلد تعمیر ہوجاتے ہین۔ان پر سمندر کے جھٹکون کا اثر کم پڑتا ہے۔ اور نہ بجلی گرنے کا ڈر رہتا ہے نہ آگ لگنے کا خوف ہوتا ہے۔خصوصاً جن جزائر اور اضلاع مین زلزلون کی کثرت ہے وہان آہنی منارون پر سنگین عمارتون کو ہرگز ترجیح نہین دیجاسکتی چنانچہ جزیرہ جمیکا کا ایک منارہ بالکل آہنی ہے وہ انگلینڈ مین ڈھالا گیا اس کے ٹکڑے جہازون پر لادکر پہونچائے گئے اور صرف چند ماہ مین اوسکی تعمیر پوری ہوگئی اور اسقدر ارزانی سے کہ بمقابلہ سنگین منارے کے کلھم ایک تہائی صرفہ ہوا۔وہ ایکسو پانچ فٹ بلند ہے۔برمیوڈا جزیرہ کا منارہ روشنی بھی لوہے کا ہے اور ایکسو تیس فٹ بلند ہے۔

منارہ روشنی کا لمپ سو برس پہلے کسی موجد کو روشنی کرنے کا اس سے بہتر طریقہ نہ معلوم ہوسکا تھا کہ چربی کے بتیون کو اکٹھا جمع کرکے جلایا جاوے اور اسی پر ایک عرصہ تک عملدرآمد رہا اسکے بعد ایک فرانسیسی موجد۔ ایم۔آرگینڈ (M. Argand) نامی نے تیل کے لمپ کی ایجاد کی۔یہہ ایجاد وہی ہے جو بجلی نام کے معمولی لمپون مین آپ دیکھتے ہین یعنی گول خول نما بتی چڑھائی جاتی ہے اور بیچ مین ہوا جانے کا راستہ ہے باہر چمنی رہتی ہے اسطرح پر شعلہ کے اندر اور

یا باہر ہر دو جانب ہوا برابر پہونچتی ہے اور تیل بخوبی جلکر پوری روشنی سے شعلہ دیتا ہے۔ اِسی اصول پر مناروں کا لمپ ہوتا ہے۔ لیکن بہت بڑا تصور کر لینا چاہئے اسکے بعد مسٹر کارسل (M. Carcel) اور ایجاد کی وہ یہہ کہ بجاے اسکے کہ صرف بتی مین خود بخود تیل جذب ہو کر چڑھے گھڑی نما پرزے لگا کر ایسا انتظام کیا کہ تیل یکسان مقدار کے ساتھ مشین کے ذریعہ سے برنر مین پہونچے اور تیزی سے جلتا رہے۔ بعد ازان بجاے ایک بتی کے کئی بتیان بڑھائی گئین اور اسلئے تیز ترین روشنی حاصل کیجانے لگی۔

جلال

غزل

ذرا سی چھیڑ پر بگڑا ہے مجھسے آسمان کیا کیا
ابھی تو دیکھنا تم رنگ لاتی ہے فغان کیا کیا

جفائین کر رہا ہے وہ بُت نامہربان کیا کیا
محبت کا ہماری ہو رہا ہے امتحان کیا کیا

ہزارون داغ۔ لاکھون زخم۔ صدہا چھید ہین دلمین
لگائی ہین تری تیر نظر نے برچھیان کیا کیا

دکھانا آنکھ کا نظرین لڑانا پھبتیان کہنا
جوانی نے تری تجھکو سکھادین شوخیان کیا کیا

تہِ شمشیر قاتل خون بھی جلتا ہوا نکلا
الٰہی رنگ لایا ہے مرا سوزِ نہان کیا کیا

اُدھر سجدہ نے میرے سنگ در انکا بگرتا ہے
اِدھر ضد سے مری چین بر جبین ہے آسمان کیا کیا

حمید اللہ کہا جب حسرتین ہین سیکڑون دلمین
تو فرمایا ذرا ہم بھی تو سن لین۔ کہئے ہان۔ کیا کیا

عبد الحمید میرٹھی

غزل

آہِ سوزان در و دیوار کے ٹکڑے کر دے
دل کے پرزے لبِ گفتار کے ٹکڑے کر دے

صدق دل سے مین دعا دونگا انکو کھے قاتل ۔۔۔ تیغِ ابرو سے دلِ زار کے ٹکڑے کر دے
رنج سے چھوٹے نہ بچے قید اسیری سے غریب ۔۔۔ اے اجل مرغِ گرفتار کے ٹکڑے کر دے
دیکھنے سے نظر آئے نہ نکالے نکلے ۔۔۔ کسطرح کوئی دلِ زار کے ٹکڑے کر دے

سید اعجاز حسین اعجاز

I.	Mahbub-ur-Rahman ...	VIII.
I.	Abdul Hamid ...	
II.	Mohammad Illyas ...	
II.	Shafqat Ali ...	
I.	Abdur Rahman ...	VII.
II.	S. Nawazish Ahmad ...	
III.	Fakhr-ud-din ...	
I.	Abu Mohamed ...	VI.
II.	Iftikhar Ahmad ...	
III.	Mumtaz Ali Khan ...	
I.	Manzur Hasan Ansari ...	V.
II.	Musa Omarji ...	
III.	Mohammad Zamir ...	
I.	Fakhr-ul-Hasan ...	IV.
II.	Mumtaz Hamid ...	
III.	Mahmud Ali Khan ...	
I.	Anwar Ahmad ...	III.
II.	Osman Haider ...	
III.	Zulfiqar Ali ...	
I.	Mohamed Abdullah Khan ...	II.
II.	Mobin Ahmad ...	
II.	Zulfiqar Khan ...	
III.	Qadir Bux ...	
I.	Mohamed Ismail ...	I.
II.	Aziz Ahmad ...	
III.	Nabi Bux ...	

DRAWING.

1. Mumtaz Ali Khan.
2. A[redacted] Jafar.
3. Habib Ahmad.
4. Ashraf Ahmad.
5. Moiz-ud-din Hasan.
6. Baqa Ullah Khan.
7. Banwari Lal.
8. Abu Jafar.

MONITORS.

Morison Court—

Yusuf Mirza X.

Mohammad Hasan Khan IX S. L.

Syed Hasan Askari IX.

Mumtaz—

Khalil Ullah Khan X.

Abdur Rahman Khan of Mysore IX S. L.

Abdul Wajid IX.

MacDonnell House—

Mohammad Aslam X.

Razi Ullah X.

English House—

Liaqat Ali Khan X.

Ruh Nawaz Khan VIII.

Zahur Ward—

Habib Ahmad VII.

Shia Prayer Monitor (Senior).

Sharafat Hosen.

Sarfraz House—

Irshad Hosen X.

SUNNI THEOLOGY.

I.	Abdul Ghaffar ...	X.
I.	Waheed Ahmad ...	X.
II.	Hashmat Ali ...	X.
II.	Mohammad Sami Siddiqi ...	X.
III.	Mohammad Ahsan ...	X.
III.	Afaq Hosen ...	X.
I.	Ghulam Mustafa ...	IX.
I.	Riaz-u-lHaq ...	IX.
II.	Sami Ullah ...	IX.
III.	Safir Ahmad ..	IX.

UNION SPEAKING PRIZE WINNERS.

119. Abdul Haleem Chaudhry, English.
120. Syed Hasan Burney, Urdu.
121. Muzaffar Husain Khan, Essay, Rs. 40.

II.—SCHOOL PRIZE WINNERS.

IX.	1.	Nurul Haq.
	2.	Habib Mohamed.
IX.	S L. 1.	Abdus Samad.
	2.	Jaswant Singh.
VIII.	1.	Enayet Khan.
	2.	Razi Ullah Khan.
VII.	1.	Moiz-ud-din I.
	2.	Fakhr-ud-din.
VI.	1.	Fida Ahmad.
	2.	Ashraf Ahmad.
V.	1.	Akhtar Ahmad.
	2.	Syed Fazl Ullah.
IV.	1.	Mukhtar Ahmad.
	2.	Abdul Jabbar Khan.
III.	1.	Mehdi Ali.
	2.	Anwar Ahmad.
II.	1.	Abdul Ghaffur.
	2.	Salim Shah.
I.	1.	Sibt-e-Hamid.
	2.	Aziz Ahmad.

Preparatory Class—

1. Mir Subhan Ali.
2. Mohammad Naqi.

SHIA THEOLOGY.

1.	Mohammad Mustafa	VIII.
2.	Mahdi Ali	IV.
3.	Haidar Hosen	IV.
4.	Yawar Hosen	III.

II YEAR.

94. Mohammad Abbas Zaidi.
95. Irshad Husain.

LIST OF PRIZE WINNERS IN THEOLOGY (SUNNI).

IV YEAR.

96. Abdul Azeez.
97. Syed Mohammad Yunus.
98. Abdul Haleem Chaudhry.
99. S. M. Ghazi-ul-Haque.
100. Sabit Ali.

II YEAR.

101. Mohammad Husain Ali Khan.
102. Mohammad Tufail Ahmad.
103. Iftikhar-ul-Haque.
104. Mohammad Habeeb.
105. Mohammad Nasir-ud-din.

PRIZE FOR REGULAR ATTENDANCE AT PRAYER (SUNNI).

106. Abdul Halim Chaudhry,	IV Year.
107. Abdul Azeez,	Ditto.
108. Mir Bakhsh,	Ditto.
109. Zamir-ul-Haque,	Ditto.
110. Syed Siraj-ul-Haque,	III Year.
111. Ahmad Said Siddiqi,	Ditto.
112. Mohammad Ismail Khan,	II Year.
113. Mohammad Husain Al Khan,	Ditto.
114. Mohammad Habeeb,	Ditto.
115. Mohammad Husain Khan Peshawary,	Ditto.
116. Hafiz Iftikhar Ali Khan,	Ditto.
117. Ikram-ul-Haque,	1st Year.
118. Syed Mohammad Ismail,	Ditto.

MINTO CIRCLE (A.)

67. Mohammad Ghaus.
68. Barkat Ali.
69. Mohammad Ali Khan.
70. Ghulam Murtaza Beg.
71. Abdul Kareem Khan.
72. Mohammad Shanib.

MINTO CIRCLE (B.)

73. Syed Hamid-ud-din.
74. Mohammad Mohsin.
75. Abrar Hasan.
76. Asghar Husain.
77. Muzaffar Ahmad Khan.

MINTO CIRCLE (C.)

78. S. Jamal Hasan.
79. S. Khursheed Ali.
80. Ehtisham-ud-daulah Khan.
81. Abdul Majeed Khan.
82. Fayyaz Hasan Khan.
83. S. Nazir Hasan.
84. H. Mohammad Ebrahim.
85. Bashir Ahmad Siddiqi.
86. Hafiz-ud-din Khan.

MINTO CIRCLE (D.)

87. Mohammad Abdul Rafey.
88. Malik Umar Hayat.
89. Sharif-ullah Khan.
90. S. Ghulam Mohi-ud-din.

LIST OF PRIZE WINNERS IN THEOLOGY (SHIAH).

IV Year.

91. Syed Sajid Raza.
92. Iqbal Husain.
93. Anwar-ul-Hasan.

S. S. WEST.

39. Ghulam Mustafa.
40. Mohammad Is-haq Khan.
41. Iqbal Husain Qazalbash.
42. Wajid Husain.
43. Ahmad Ullah Khan.
44. H. Mushtaq Ahmad.
45. Abdul Haleem Chaudhry.
46. Ghazi-ul-Haq.
47. Syed Mohammad Mukarram.
48. Mohammad Farooq.
49. Syed Sajid Raza Rizim.

S. M. EAST.

50. Mohammad Isa.
51. Mohammad Zubair Ahmad.
52. Sikandar Khan.
53. Fazl-i-Elahi.
54. Ashraf Husain.
55. Mohammad Nazim Siddiqi.
56. Mir Bakhsh.
57. Mohammad Ahmad.

S. M. WEST.

58. Mushtaq Mohammad Khan.
59. Zameer-ul-Haque.
60. M. M. Abdul Latif Balabri.
61. Muzaffar Husain Khan.
62. Iftikhar Ali Khan.
63. Mohammad Abdul Azeez.
64. Fazl-i-Kareem Bhatti.
65. Mohammad Sharif.
66. Mahmood Ahmad Khan.

(1ST YEAR) ARTS.

13. First All-round—Mohammad Iqbal.
14. „ English—Abdul Bari Khan.
15. „ Logic—Akbar Ali.
16. „ Ancient History—Ram Saroop Mital.
17. „ Modern „ Waheed Ahmad.
18. „ Persian—Mohammad Abbas Zaidi.
19. „ Arabic—Mohammad Ahmad Ullah.
20. „ Mathematics—Mohammad Iqbal.
21. „ Sanskrit—P. L. Bhattacharya.

(1ST YEAR (SCIENCE).

22. First English—Mohammad Habeeb.
23. „ Chemistry—Mohammad Ebrahin Khan.
24. „ Physics—R. L. Bhattacharya.
25. „ Biology—Mohammad Habeeb.
26. „ All-round—Mohammad Habeeb.
27. „ Muir Jubilee—Phool Chand Govila (Books).

MONITOR'S PRIZES.

(S. S. EAST).

28. Abdus Sadiq Khan—Senior Food Monitor.
29. Zia-ul-Hasan Alvi
30. Abdul Hamid Khan.
31. Agha Mirza.
32. Mahboob Alam.
33. Khursheed Zaman.
34. Mohammad Sarmar Khan.
35. Mohammad Namaz Khan.
36. Syed Zafar Husain.
37. Mohammad Yaqoob Khan.
38. Mohammad Yunus.

		Value. Rs.
3.	Scholarship for M.Sc., Khursheed Ahmad	... 20
4.	„ „ B.Sc.	
5.	„ „ B.A., Abid Husain Khan	.. 12
6.	„ „ „ Syed Husain Burney	... 12
7.	„ „ „ Abdul Ghani.	
8.	„ „ „ „ „	
9.	„ „ „ „ „	
10.	Scholarships for F.A., Ali Akhtar	... 8

COLLEGE SCHOLARSHIPS.

1. Senior prize scholar (Arts)., Mohd. Nazim Siddiqi.
2. „ „ „ (Science)., Adbul Azeez.
3. Junior „ „ (Arts)., Mohd. Iqbal.
4. „ „ „ (Science)., Mohd. Habeeb.
5. Historical Essay prize, Abdul Azeez Khan, A.T.S. (Already paid).
6. Prize for 1st Dn. in M.A. (Previous) not awarded.
7. Ditto ditto ditto.
8. IV Year Holiday Reading Prize.
9. II Year „ „ „

LIST OF PRIZE WINNERS FOR 1912-1913.

(III YEAR.)

1. First All-round—Mohammad Nazim Siddiqi.
2. „ English—Abdul Haleem Chaudhry.
3. „ Economics—Mushtaq Ahmad.
4. „ History—Mohammad Nazim Siddiqi.
5. „ Philosophy—Mohammad Yahaya Siddiqi.
6. „ Mathematics—Fazlay Elahi.
7. „ Persian—Syed Sajid Raza.
8. „ Arabic—Mohammad Sharif Khan.
9. „ All-round (Science) Abdul Azeez.
10. „ English—Abdul Azeez.
11. „ Physics—Abdul Azeez.
12. „ Chemistry—Abdul Azeez.

College Magazine, The Observer, The Ravi, The Students' Own Magazine, The World's Recorder.

THE ANNUAL PRIZE DISTRIBUTION.

The M.A.-O. College and School Prize Distribution took place on Thursday, 5th March, at 7 P.M. Mr. W. S. Marris, I.C.S , C.I.E., Collector of Aligarh, presided, and the prizes were given away by Mrs. Horovitz. Mr. Marris gave an interesting address in which he referred to the life and work of Sir Syed Ahmad and the great responsibilities of the students of to-day on whom the fulfilment of the founder's ideals mainly depends. The Theology prizes were given away by the Honorary Secretary Nawab Haji Mahomed Ishak Khan. The following is the prize list :—

I—COLLEGE PRIZE WINNERS.

COLLEGE MEDAL.

1. Morison Medal.........Fakhr-ud-din Ahmad (M.A., in History).

2. Crosthwaite Medal......Khursheed Ahmad.

3. Iqbal University Medal......Muhammad Yasin, 2nd in University, 1st Division, B.A.

3*a* Dufferin Medal......Muhammad Yasin.

4. Muir Jubilee Medal......Phool Chand Govila.

5. Lumsden University Medal......Abdul Qayyum (for best LL.B.)

6. Queen Empress Victoria Medal......Anwar Ali Farooqi, M.A.

7. Henry Richard Medal.........Abdul Qayyum.

GOVERNMENT SCHOLARSHIPS.

		Value. Rs.
1.	Scholarship for M.A., H. Mohd. Yaseen ...	20
2.	,, ,, Mohd. Nazir-ud-din Siddiqi,	20

Fraser implies they should. Again he is rather hard on cricket which for the purposes of discussion, he condemns to be as expensive as it can be, while he allows Hockey or Fives to play with rough or improvised equipment.

One wonders if the excellent psychology could have stood without the rather sketchy history or with a more summary one. A difficulty, one gathers, with Mr. Fraser is absence of a reference library, but the writer of a book like this should have been able to do better than this: 'I regret that I am quite unable to give here a reasoned account of Swedish drill, but I will make what remarks I can on the basis of the little I have seen, especially in America,'—especially as—to teachers—Mr. Fraser on a back page recommends two books on the subject. He gives a good list of drill exercises (though some of the arm-exercises would better have been called shoulder-exercises), and a useful list of games, English and Indian, where most of the Indian seem more interesting than most of the English. (There appears to be a printers dislocation on page 76, and there could be a clearer account on page 78). But this a timely and valuable book, full of consideration that the prudent teacher ought always to have in mind, and of psychological observations that should give him a standard by which to judge the true function and the merits of games. From this point of view it is invaluable, and written by a master.

G. W. F.

Our Contemporaries.—We beg to acknowledge, with thanks, the receipt of the following periodicals for February:—*The Aligarh Institute Gazette, The Bangabasi College Magazine, The Central Hindu College Magazine, The Collegian, The Comrade, The Deccan College Quarterly, The Islamyiah College Magazine, The Madras Christian*

PUBLICATIONS RECEIVED.

Longmans' Short Manuals for Indian Teachers, by J. Nelson Fraser, M.A., Principal, Secondary Training College, Bombay.

Messrs. Longmans Green & Co., 8, Hornby Road, Bombay.

(1) *Notes on School Equipment,* pp. viii+216, boards, with tables and diagrams, 1914—Re. 1.

(2) *Physical Development: A discussion,* with rules for games and a few practical hints in exercises. pp. v+93, boards, 1913—As. 8.

This book, specially written for Indian teachers, is better put into the hands of teachers than into the hands of boys. But in the hands of teachers it is invaluable. It suggests cautions and considerations in the use of games.

The time has come for some sort of organised exercise in Indian schools. Before adopting the English games it so well to consider whether they have been entirely successful in their purpose in England, and, secondly, whether they are as suitable for Indian conditions (which include Indian traditions). Mr. Nelson Fraser is here very good in elucidating the moral qualities produced by different games. In fact, though the book is called 'Physical Development,' this should be to the teacher one of its most valuahle features. This is Mr. Fraser's service. It will be seen that Mr. Fraser's book is sane rather than enthusiastic. In the criticism of games what does this sentence mean? "Games do not equip a man with any other control of his muscles than that which is implied in the expression a good eye." Surely games do not claim "to impart quite every physical excellence," or, for instance, to be a substitute for the technical training of a barber's assistant, as Mr.

JHALAWAR TEAM.

1.	Rati Lal	B Salam	3	C Salam	B Ali Hasan	9
2.	Gangadhar	B Salam	3	B Salam		9
3.	Balwant Rao	B Salam	0	C Wazir	B Salam	4
4.	Joshi	L. B. Wali Hasan	5	B Salam		7
5.	Kishen Singh	C Salam B Masleh	21	B Ali Hasan		1
6.	Piaray Khan	C Prince B A Salam	4	C Salam	B Ali Hasan	15
7.	Erasha	Run out	0	B Masleh		6
8.	Rasheed	B Ali Hasan	8	C Masud	B Masleh	9
9.	Aizaz	C Mahmud B Ali Hasan	0	St. Zain	B Ali Hasan	3
10.	Ahmed Ali	Run out	1	B Salam		7
11.	Elahi Bux	Not out	4	Not out		0
		Extras	4			1
		Total	53			71

M. A.-O. COLLEGE,
March 3rd, 1914.

SYED KHAIRAT ALI.

THE PHILOSOPHICAL SOCIETY.

The Society met on the 18th February 1914 in the drawing room of the Siddons Union Club, at 8-30 P.M., Mr. D. Auchterlonie, M.A., was in the chair. Mr. Muhammad Ayub Siddiqi, B.A., read a paper on Berkeley's Philosoply which was meant to be an answer to the objections raised against Berkeley in Mr. Jwala Prasad's "Examination." The paper gave rise to an exceedingly interesting discussion, which lasted for an hour.

A special business meeting of the Society was held on the 25th February 1914 in Barkat Ali Khan Lecture-room at 12 noon. The proposal of Mr. Musaddar Ali for the election of Mr. Muhammad Ayub Siddiqi, B.A., as a Vice-President of the Society was submitted to the members. The motion having been put to the vote, Mr. Muhammad Ayub was declared an Honorary Vice-President of the Society. The Society will meet on alternate Fridays at 4 P.M., until further notice.

ABID HUSAIN KHAN,
Honorary Secretary.

9th March 1914.

Zain joined Khan and began to play steady cricket. A double change was tried in the bowling. Gangadhar and Kishen Singh took both the ends. Zain was caught near the wicket in trying to pull a ball from Gangadhar. Prince Hamid-ullah joined Khan and they both played very steadily till wickets were drawn for the day.

5. Play began next day at 11 A.M. Hamid-ullah and Khan facing Joshi and Ereckshaw. Runs came on quickly till the Prince was given lbw off Joshi. He scored 26 in good form. Ali Hasan joined Khan but was sent back for duck. Wazir came in next, and he and Khan carried the score to 209. The College Captain declared and put Jhalawar in. The visitors had more than 333 runs to make in four hours. None of them could vary much. Piyaray played a good innings for 15. They were all out for 70 runs. Thus leaving the Collegians winners by 213 runs. Joshi bowled very well for the visitors and Salam-ud-din for the home team.

Score and Analysis.

M. A.-O. COLLEGE.

1.	Ashfaque Ali	B Joshi		13	C Erasha	B Joshi	2
2.	Masleh-ud-din	Handling the Ball		46	C Ahmed	B Piaray	0
3.	Masud Ibn-i-Jalal	B Piaray		15	St. Ahmed	B Joshi	50
4.	Zen-ul-Ibad	C Kishen	B Joshi	1	C Kishen	B Banda	24
5.	Khan Md. Khan	St. Ahmed	B Joshi	2	Retired		45
6.	Prince Hamid-ullah	C Aizaz	B Joshi	20	L. B. W. Joshi		26
7.	Ali Hasan	C Ahmed	B Joshi	0	B Joshi		0
8.	Mahmud	B Piaray		4	Did not Bat		
9.	Salam (young)	C Piaray	B Joshi	2	Did not Bat		
10.	Wazeer Ahmed	Not out		0	Not out		17
11.	Salam-ud-din	B Piaray		2	B Piaray		20
		Extras		23			25
		Total		128			209

For 7 wickets.

disposed of for nothing. Mahmud joined the Prince but he too met with bad luck and was sent back by Piyaray after a good start by four to the leg side. Salam (young) joined the Prince and they both managed to play the time out. The wickets were drawn at 5 P.M., 119-7-4. Play was resumed at 11 A.M., Hamid-ullah and Salam facing Piyaray and Joshi.

2. Salam (young) and Hamid-ullah facing Joshi and Piyaray. Salam was caught in the slips in the first run. Hamid-ullah was joined by Salam-ud-din. After about half an hour Joshi got the Prince caught in the long field. He played a very useful innings of 20. Salam-ud-din was bowled by Piyaray and Wazir came back not out. Thus the College innings closed with a very poor score of 124.

3. Ratilal (Captain) and Gangadhar opened the innings for Jhalawar facing Salam-ud-din and Ali Hasan. Ratilal was sent back by a magnificent leg break from Salam-ud-din. Balwant Rao joined Banda, but Banda was also clean bowed by Salam-ud-din. Joshi came in and was given lbw off Ali Hasan. Piyaray was caught in the slips off Salam (young) and the whole Jhalawar team was sent back for 53 runs.

4. This gave the College a very useful lead of 75 runs. Ashfaque and Musleh faced Joshi and Piyaray in the second innings and both had to come back one after the other for the poor score of 5 runs. 5-2-0. Masud and Salam-ud-din stuck for sometime. Salam-ud-din began to play comfortably but was bowled by Piyaray (off his bat). He made 20 runs in good style. Masud was joined by Khan, and the pair took up the score to......Masud played a very dashing game and scored 50 runs in very good form. He was stumped off Joshi. Ereckshaw had taken the ball from Piyaray.

their taking part in its deliberations and deserve many thanks for their kindness. I doubt not a bright future is before the Historical Society. I wish it every success, and will think it an honour to see my name in the list of the Honorary members,

SYED ZAFAR HUSAIN,
Honorary Secretary.

18th February 1914.

JHALAWAR CHICKET MATCH.

It was the last match of the season that the "Aligarh Past and Present" played on their own ground against the Jhalawar team on February 13th, 14th and 15th. The visitors won the toss and put the home side in. Aligarh opened their innings with Ashfaque and Musleh, the attack was begun by Ereckshaw and Joshi. Steady cricket followed, both bowlers were bowling well and none of the batsmen seemed to be comfortable but runs came on slowly; things were just looking better when Ashfaque was caught in the slips of Joshi. He played a very careful and steady innings, putting up 13 runs in half an hour. Masud followed Ashfaque, and runs came on quicker till after a short but merry spell he was run out with 23 to his credit. Zain came in next but was disposed off for nothing. Khan came in after Zain and after playing steadily for a little bit he too met with the same fate. Ereckshaw had been changed from the attack and Piyaray had taken his place, he and Joshi were bowling very well. Prince Hamid-ullah (Captain) joined Musleh. Musleh and he played steady cricket and the score gradually crept up 100-5-15. Musleh was playing very good cricket, but he had bad luck. He threw the ball to the bowler after playing it out, an appeal was made and he had to go back to the pavilion after a very fine innings of 47. Ali Hasan came in next and was

(3) Tbe Mahmood Hasan Challenge Cup for College 100 yards was won by Mohamad Usman.

(4) The Morison Challenge Cup for ¼ mile was won by Mustafa Hasan.

(5) Mr. Beck's Cup for mile race was won by Fayaz Husain.

(6) Winners of Tug of War were Mr. Dunicliff side.

THE HISTORICAL SOCIETY.

The annual dinner of the Society took place on the 12th instant. The motive which actuated us to hold the dinner was not so much an appetite for rich dishes as the earnest desire to interest more members of our College staff in the welfare of our Society, and to appeal to the students to enlist themselves as keen members without which no President and no member of the staff can do any good to the Societies. The dinner was, however, a success and we are glad to have achieved what we desired. Among the distinguished guests were Nawab Haji Muhammad Ishaq Khan Saheb, Dr. Harovitz, Mr. Reynell, Mr. Money, Sarfraz Khan Saheb, Qazi Jalal-ud-din Saheb, and Professor Fakhr-ud-din Ahmed. We are sorry that Mr. Towle and Dr. Zia-ud-din Ahmed could not come owing to unavoidable reasons.

We are highly indebted to Nawab Saheb who has very kindly made a contribution of Rs. 60 a year to the Society. This shows how keenly he is interested in the literary societies of the College in general and the Historical Society in particular. I hope the coming Secretary will, with the advice of the Presidents, make the best use of this generous contribution. Professor Wilayat Ahmed and Qazi Jalal-ud-din Saheb have promised to help the Society by

Long Jump =	1. Mohamad Ali Akhtar 2. Ashfaq Ali, S.M.W.
High Jump =	1. Ashfaq Ali, S.M.W. 2. Mohamad Haziq, S.S.W.
Pole Jump =	1. Ghulam Husain, S.M.W. 2. Nazeer Mohd., S.M.E.
Putting the weight =	1. Syed Mohd. Hasan, S.M.E. 2. Rahmat Khan, S.M.E.
220 yards race open to 4th year only ... =	1. Fazle Azim, S.M.E. 2. Mohd. Jamil, S.M.E.
220 yards race open to 2nd year... ... =	No body entered.
Mile Race =	1. Mustafa Husain, S.M.E. 2. Mohd. Usman, S.S.W.
220 yards Handicap =	1. Noor-ud-din 2. Zahoor Ahmad Khan.
100 yards =	1. Mohd. Usman, S.S.W. 2. Mahmood Hasan, D.S.
120 yards Hurdles =	1. Rahmat Khan. 2. Syed Omar, S.M.E.
¼ mile =	1. Fayaz Husain. 2. Ali Ahmad.
Tent Pegging =	Amin-ullah and Samander Khan.

Waheed.

(1) Kunwar Ikram Ali Khan Sahib's Challenge Cup for the winning side in the College went to S.M.E.

(2) The Principal's Cup for the best all round athlete in the College went to Rahmat Khan and Mustafa with 20 marks each.

High Jump open	=	1. Mumtaz (Mor.)
		2. Hasan Khan (Mor.)
,, ,, under 16	=	1. Mohamad Bakhsh (Mor.)
		2. Akhlaq (Mor.)
½ mile	=	1. Hasan Khan (Mor.)
		2. Shabbeer (M.)
100 yards under 10	=	1. Amin-ud-din (Z.W.)
		2. Yaqub Beg (Mor.)
,, ,, ,, 12	=	1. Usman (E.H.)
		2. Ismail Yusuf (Mor.)
,, ,, ,, 14	=	1. Sharafat Ali (D.S.)
		2. Jamil (E.H.)
,, ,, ,, 16	=	1. Jamil (E.)
		2. Sharafat (D.S.)
,, ,, open	=	1. Masleh (M.)
		2. Mumtaz (Mor.)
300 yards under 14	=	1. Saleem (M.)
		2. Jamil (E.)
120 Hurdles	=	1. Fazil (Mor.)
		2. Qadeer (Mor.)
¼ mile open	=	1. Mumtaz (Mor.)
		2. Hasan Khan (Mor.)
,, ,, under 16	=	1. Mohamad Bakhsh (Mor.)
		2. Murtaza (D.S.)
Mile Race	=	1. Shabbeer (M.)
		2. Hasan Khan (Mor.)

(1) Morison Court won the Challenge Cup presented by Nawab Mohamad Ishaq Khan Bahadur.

(2) Mrs. Towle's Cup was won by Mumtaz Ali with 36 marks.

II.—College Prize Winners:—

Cricket Ball	=	1. Khan Mohamad, S.S.W
		2. Ali Asghar, S.S.W.

was in attendance during the afternoon. A very successful day was brought to a close by the distribution of Prizes by Mrs. Horovitz.

The following is the Official Programme and list of results:—

Judges:—Messrs. D. Reynell, A. G. Lias and E. T. Gage.

STEWARDS:

Messrs. J. H. Towle, D. Auchterlonie, R. N. Money, Nazir Hasan Ansari, Akhtar Adil, and Qaim Husain.

College.		School.
Ghulam Husain, Captain of Sports.		The Cricket Captain
Faiyaz Husain Khan, Secretary.		The Football Captain.
The Cricket Captain,	Ex-officio.	The Hockey Captain.
The Football Captain,	Ex-officio.	Faqir Mohamad, S.
The Hockey Captain,	Ex-officio.	Fazl-ur-Rahman, M.
The Riding School Captain,	Ex-officio.	Sharif-ur-Rahman, D. S.
		Liaqat Ali, E.

Time-keepers:—Dr. Ziauddin Ahmad, and Mr. H. B. Dunnicliff.

Starter:—Mr. S. O. Purves.

I.—School Prize Winners.—The following are the abbreviations used:—

Mc. = McDonnel House. E. = English House.
M. = Mumtaz House. D. S. = Day Scholars.
Mor. = Morison Court. S. = Sarfraz House.
Z. = *Zahur* Ward.

Throwing Cricket Ball	=	1. Masleh (M.)
		2. Masood Ali (S.H.)
Long Jump open	=	1. Mumtaz (Mor.)
		2. Qadeer (Mor.)
,, ,, under 16	=	1. Mohamad Bakhsh (Mor.)
		2. Masood (Mc.)

The last day of the month was the occasion of the visits of some very distinguished personages. Her Highness the Begam of Bhopal and Her Highness the Begam of Janjira paid private visits to the Union and left their autographs on the Honorary Members' Book. In the evening a meeting was held in the Rampur Hamid Hall in order to give Dr. Adnan Bey and Kamal Bey, the two Turkish delegates, who came to thank the College for the help given during the Balkan War, an opportunity of meeting the students. The House was packed to the full and when the two gentlemen accompanied by Towfique Bey, M.P., entered the Hall, they were received with tremendous cheering and showers of flowers from all sides and were garlanded. Kamal Bey, who spoke in the Turkish language, delivered the message of thanks which was translated into Persian by Towfique Bey. Three cheers for the guests brought the meeting to a close.

MUZAFFAR HUSAIN KHAN,
Honorary Secretary.

THE ANNUAL ATHLETIC SPORTS.

The M. A.-O. College and School Annual Athletic Sports took place in the third week of February. The heats were run off on Wednesday and Thursday, the 18th-19th, and the Finals on Tuesday, the 24th, from 8 to 11 A.M. and from 3 to 6 P.M. The second meeting ranks as one of the "Events" of the Aligarh Fair Week, and as usual a goodly number of visitors attended. The Clerk of the Weather was kind to us this year, and so it was possible to go through the whole programme without waiting, as we did last year, till untimely thunder storms had done their worst. The Bharatpur State Band, which has become quite an institution now in the Fair Week here,

published in the January number of the Monthly and declared the new ministry duly installed. Mr. Shah Alam Khan, B.A., the retiring Honorary Secretary, welcomed the new ministry in a brief speech which was marked by humour and contained a good many pieces of advice. Muzaffar Husain Khan, the incoming Honorary Secretary, replied.

Mr. Elyas Burney, B.A., the retiring Vice-President, then read his annual report in which he briefly surveyed all the work done during his term of office and made some references to the work which was yet to be done. His suggestion to approach the Honorary Secretary of the College with a prayer for the remission of the large debt which the Club owes to the College, was much appreciated and loudly applauded. After the report was read and adopted, Mr. Abdur Rahim, B.A., read the inaugural address of the new Vice-President, Mr. Amir Ahmad Khan, who was unavoidably absent. The function then came to a close.

The first debate of the new session was held on the 14th February 1914. Mr. Shah Alam Khan (Ex-Secretary) came forward with the proposition that—

"The solution of the Indian Problem lies in separate communal electorates."

Mr. Noor Mohamed of Sindh led the opposition. Messrs. Abdur Rahman, Abdur Rahim, Jalal-ud-din, among others, took part in the discussion. This meeting derived a unique significance from the fact that H. E. Khalil Khalid Bey, the Ottoman Consul General, was also present. He was requested by the President to accept the Honorary Membership of the Club which he was pleased to do. His Excellency also spoke a few words thanking the members for the warm reception which they gave him.

VII.—CONSTITUTIONAL HISTORY.

The last stage is what we call Constitutional History in which should be taught elementary principle of the constitution of a Government. The right of a King and his nation, the functions of Parliament and Councils, diplomatic relations between foreign countries, the rights of colonization, in short all the political social and religious state of the nation, commerce, free trade, education, &c. In this stage also the Biographies of eminent statesmen, illustrious generals and famous inventors are indispensable because as it is said that the lives of the great men are historic pegs around which we hang the events of a period.

In conclusion I have to say that pictorial scenes of Battles, plans of campaigns, maps showing delimitations of several countries, extent of empires, their rise aud fall and last of all the selected balladss—elected from the standard poets—will greatly contribute in training the memory as well as in making history a most attractive and interesting subject and best of all in encouraging and developing patriotism, that is, a love and pride in the country, its people and their achievements.

K. M. JALAL-UD-DIN.

THE SIDDONS UNION CLUB.

The month of February in our College is always marked with a variety of engagements and activities. It was more than usually so in the case of the S. U. Club. The first function which took place during the month was the installation ceremony of the newly-elected ministry which was held on the 7th February at 8-30 P.M. in the Rampur Hamid Hall. Mr. J. H. Towle, the President, announced the result of the last election which has been

Xerxes, Budh, Ram, Vikrmaditya, Sultans Mahmud and Ghori, Shershah, Akbar, Nurjahan, Sivaji, Alamgir and Clive, &c., giving their date of birth, education, actions, character and death, provide ample material for rousing interest among students.

(b) *Rebellions* ;—as Wat Tyler's insurrection, the rebellion of Jack Cade and of Percies, Gunpowder plot, and Indian mutiny.

(c) *Battles* ;—Wars and Battles are always most exciting. He should give a brief but descriptive account of the Battles of Panipat, Telikota and Plassy, Wars with Marhattas, Gurkhas, Mysore, Sikhs, Afghans and Burmese ; or from the English History, Wars of Roses, Battles of Bannockburn, Poitiers, Waterloo, Trafalgar, Spanish Armada, charge of Balaklava, Battle of Nile, &c., giving the names of opposing parties, dates, description of campaign, cause and the result and effect.

(d) *Miscellaneous* ;—under this head there come very interesting historical occurrences, such as massacres by Timur and Nadirshah, the drowning of Prince William, the death of Humayun. The great plague and Fire of London, Exhibitions, the Black hole, abolition of *Satti*, the Thugs and many other articles about Freedom of Press, education and progress of P. W. D.

VI.—DIVISION OF PERIODS.

The last stage but one in teaching history is its division in periods, say the Tudor or Stuard Period, the Slave, Khilji and Meghal Dynasties.

IV.—Teaching of Dates.

When teaching dates it is advisable to tabulate the historic period into centuries just as we draw meridians on our maps before we mark the outlines of land and sea and then to put in each column the most important events and dates. This will give the general outlines of the History.

Mnemonics are not generally recommended except in special cases because they simply mean *cramming* which should be discouraged.

V.—Stage in Teaching History.

If lessons on History are divided into 5 stages the subject will no longer prove irksome to young boys and the students will find in themselves a liking for it.

I.- Simple stories.

The boys of the lower classes naturally love stories because they have so powerful imagination. They should not be too long as they are meant only to amuse them and they should be delivered in such a fashion as to be impressed by the character of those described in the stories.

II.—Attractive and striking stories.

These are apt to excite curiosity and to animate desire of going into further details, because they are naturally of emotional character. By them the pupils' imagination is indulged and pleasure is the result which is always stimulating and enjoyable. They include :—

(*a*) *Biographies ;*—such as of Alfred the Great, Bodicea, Cæsar, The Black Prince, Wolsey, Mary Queen of Scots, Raleigh, Cromwell, Wellington, Nelson, Hannibal, Napoleon, Darius,

4. He should orally explain to them the *epochs* of the History, such as the Battle of Hastings, Spanish Armada, Wat Tyler, Gunpowder plot, Crusades, Battles of Waterloo and Trafalgar, French Revolution, American Civil War, &c., from the English History and the Mahabharata, invasions of Alexander, Mahmud, Taimur, Baber and Nadirshah, Battles of Panipat, mad deeds of Mohamed Tughlaq, the Indian mutiny, &c., from the Indian History.

Epochs.

5. As the *events and dates* should go together, the teacher must teach his pupils in such a way that the dry bones of mere facts and dates be covered with the skin and flesh of picturesque details, for neither the skeleton without flesh nor the flesh without skeleton is worth anything. This is perhaps the middle course between cramming and mere historical stories which should be adopted as carefully as possible.

Dates.

6. He should not only teach the past events but also the present state of the country so as to arouse interest in them and to enable them to make a contrast between the present and the past which will lead him to that branch of science which is termed "Political economy."

Present state of the country.

7. He should show the *connection between history and literature* and acquaint the pupils with the names of famous poets and great authors and point out the time when they flourished.

Connection between history and literature.

8. The students should repeatedly receive such impressions as to create in them a taste for history, so that when they leave their schools and colleges they may be able to benefit themselves as well as their country, men by their experience in defending their social and political rights.

(x) to *gain experience* and thereby to become old without wrinkles on the face and without grey colour on their hair, that is to say it prolongs our lives as regards the utilizing of time.

(xi) to *show the connection of cause and effect* between great events.

III.—The aims of a Teacher. The teacher should have *two* great aims while teaching the class :—

(i) *to introduce* the lesson in such a manner that his pupils may cultivate the *power of imagination ;*

(ii) they should cultivate their *memory and reasoning faculty* so that they may get accustomed in distinguishing right from wrong.

IV.—Mode of Teaching. 1. The teacher should explain to them orally the subject matter of the lesson before the pupils start to read it from the text book.

(a) Terms. 2. He should illustrate fully all *the terms*, political or commercial which happen to occur in the lesson, such as the Parliament, republic, monarchy, charter, Revolution, rebellion, riots, mutiny and plots, House of Lords and of Commons, Colonies, protectorates, treaties, foreign policy and home policy, constitutional liberty, taxes, Bills, grants and Free trade, monopoly, &c.

Geography. 3. He should not at once plunge his pupils in old records of which they have no previous idea, but at the commencement of the book he should first of all describe the geography of the country he is to deal with, and with the help of a good map should point out some places of historical and commercial importance, frontiers, scenes of battles, present and past boundaries, so that the students may possess clear ideas of the events described in their books.

and thereby tends to make us *prudent, judicious and economical.*

It is a decided fact that mere *cramming* of history throws no light on the subject. The objects of learning history, just mentioned above, are not to be reached until the subject is properly taught, and I think it is due to the lack of a proper mode of teaching history that the subject, though compulsory in the course of modern education, has done but little good to the Indian student, whose mere aim has generally been to obtain at any rate the percentage of passing marks at an examination. It is hoped that the Training Colleges will greatly help in removing this defect of the teaching of so useful a subject as History.

II.—The aims of teaching history.

The aims of teaching history are—(i) to stimulate national feelings and to keep them alive when stimulated ;

(ii) to *abstain from vice* and thereby to become a *noble citizen ;*

(iii) to *train the memory ;*

(iv) to cultivate the faculty of criticism ;

(v) to *develop and strengthen sympathy* which is a powerful agent to social progress ;

(vi) to *remove national prejudice,* by giving us some knowledge of other nations and to remove hatred with and contempt for foreigners ;

(vii) " to *discover and make visible illustrious characters* and pay them ungrudging honour" (Froude) ;

(viii) to *seek for the progress of morality and development of patriotism* ;

(ix) to *represent events* in order to make *observation* upon ;

fields and brings to our view many striking events which teach us more moral lessons than the mere precepts and sayings of the wise. A faithful study of history *enlarges our minds* and improves our faculties for distinguishing light from what is wrong. It often helps us to become more *tolerable* and *more liberal-minded* in our dealings with our countrymen. It is the only means of practically teaching us the *benefits and blessings of union* upon which the prosperity and happiness of a nation depends. It *warns* us against the practice of immorality, injustice, disunion, misgovernment, apathy and sloth, which hastened the once greatest empires of the world to utter ruin, and which brought down the once noblest nations on the globe from the glorious heights of intellectual, moral and political supremacy to the deep and dark ravines of servility and disgrace. Of course history is a *landmark* which beacons the people towards that path of life which safely leads to *virtue and wisdom,* and saves a nation from being dashed against the terrible rocks of evil deeds and virulent character. It *rouses the feelings of patriotism,* it *promotes* a *love of virtue.* It teaches the rulers how to govern their subjects successfully; it directs the landlords how to treat their tenants equitably; it instructs the commanders of the army and officers of the state how to guide the destinies of those whom providence has put under their authority and of course it teaches lesson to everybody how to keep control over his household which represents a kingdom though on a very small scale. In short it *encourages* every individual to carry on his duty as smoothly as to advance happiness and progress of mankind.

It develops our *powers of reasoning* and gradaully trains our mind to understand *the cause and effect of every action*

This is the first occasion on which the cup has gone to Syed Mahmud Court, and additional interest attached to the fact that the defeated side in the final was S. M. Court also.

Her Highness the Begam of Bhopal presented the cup and Cricket Medals and awards, which included Honorary Colours given to Mr. Fairservice as a mark of the Club's appreciation of what he has done for them, Her Highness before leaving announced that she would give a grant of Rs. 200 monthly to the Club.

* * * * *

Mr. Fraser, Resident of Hyderabad, paid a private visit to the College on the 4th instant, and was received by the Principal, Honorary Secretary and some trustees and members of the staff.

* * * * *

The Annual Prize Distribution took place on Thursday, 5th March. An account and list of College and School prize winners appears elsewhere in this number.

* * * * *

The University Matriculation and Intermediate Examinations began on March 16th. There are about 100 candidates taking the former examination at this centre and about 200 the latter. The College first and third year examinations begin on March 31st.

AN ESSAY ON HISTORY AND THE MODE OF TEACHING IT.

History is a subject which furnishes us with a vast amount of *valuable information* of the distant part. It presents to us the vivid scenes of individual valour, ***national pride and patriotism***. It carries us to the horrible battle

The Aligarh Monthly.

Vol. XII. } March 1914. { No. 3.

NOTES AND NEWS.

We have received several photographs for reproduction, but regret that they will not be ready in time for this number. We hope to publish at an early date a group taken at the Football Club picnic last year, and also a photograph of the Cricket Team at Delhi.

* * * * *

Her Highness the Begam of Bhopal visited Aligarh in the end of last month. On the 27th she laid the Foundation Stone of the New Conference Office, near the Sahib Bagh. On the 28th a largely attended meeting was held in the Strachey Hall, in which Her Highness was presented with an address from the Trustees, to which she replied in a remarkable speech showing much insight into the educational problems of the day, and full of sympathetic and useful counsel. We hope to publish an English translation of her reply in our next number.

* * * * *

On Sunday, March 1st, Her Highness laid the Foundation Stone of the new Sultania Hostel of the Aligarh Muhammadan Girls' High School. She paid a brief visit to the College next day and left for Bhopal in the evening.

* * * * *

The Cricket League Final was played on Saturday, 28th February, and was won by Mr. Ferguson's side (Syed Mahmud East) after a keenly contested series of matches.

[REGISTERED NO. A.-234.]

THE ALIGARH MONTHLY.

VOL. XII. No. 3. | March 1914. | Annual Subscription, Rs. 4, Post Free. Single Copy, As. 6.

No. CONTENTS OF ENGLISH SECTION. PAGE.

[For contents of Urdu section, see back cover.]

Allahabad:

Printed by Bishambher Nath Bhargava, at the Standard Press.

Publisher:—David Auchterlonie, M.A., Professor, M. A.-O. College, Aligarh.

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۲۴

علیگڈھ منتھلی

نمبر ۲ — جلد ۱۲

بابت ماہ فروری ۱۹۱۴ء

قیمت سالانہ للعہ محصولڈاک
قیمت فی رسالہ مرادی ۶ر

مقام اشاعت مدرستہ العلوم علیگڈھ

فہرست مضامین حصہ اُردو

پبلشر۔ مسٹر ڈی۔ آکٹر لونی۔ ایم۔ اے۔ پروفیسر مدرستہ العلوم علیگڈھ
اسسٹنٹ اڈیٹر۔ قاضی جلال الدین صاحب ماسٹر مدرستہ العلوم علیگڈھ
باہتمام بابو بشمبھر ناتھ صاحب بھارگو
در اسٹینڈرڈ پریس الہ آباد طبع شد

شرح چھپائی اشتہارات حصۂ اردو

ایک صفحہ	واسطے ایک سال کے	۲۴ روپیہ
"	واسطے نصف سال کے	۱۲ روپیہ
"	واسطے تین ماہ کے	۷ روپیہ
"	واسطے ایک ماہ کے	۲ روپیہ ۸ آنہ

نصف صفحہ کے لئے مذکورۂ بالا شرح کا نصف لیا جاویگا اور نصف صفحہ سے کم ہونے کی صورت مین بھی نصف صفحہ کی اُجرت لیجائیگی

اُجرت ہمیشہ پیشگی وصول ہوگی۔

دی آکٹرلونی۔ایم۔اے منیجر

علیگڈھ منتھلی مدرستہ العلوم علیگڈھ

علیگڈھ منتھلی

نمبر ۲ جلد ۱۲ | بابت ماہ فروری ۱۹۱۴ء | قیمت سالانہ للعہ محصول ڈاک قیمت فی رسالہ مرادی ۹ر

اُردو انسائیکلوپیڈیا

(مؤلفہ قاضی جلال الدین صاحب)

ابدیرائی - (Abdera) باشندہ ابدیرا جو ملک تھریس یا طراقیہ واقع مقدونیا کا ایک بحری قصبہ اور مثل ہندوستانی شکارپور - کرتپی یا بھوگاؤن کے نواح یونان میں حماقت کے لیے مشہور ہے حالانکہ چند نامی حکیم وہاں پیدا ہوئے - مثلاً

دمقراط - (Democritos) یعنی حکیم قہقہہ باز -

برطاغروس - (Protagoras) سیکے

(ضروری نوٹ) پچھلے دنون جنرل انفارمیشن کا پرچہ آنے کے بعد مجھے خیال ہوا کہ معلومات عامہ کے لئے دو تین صفحہ مختص کر دون اور بالترتیب سائیکلوپیڈیا کی طرز پر لکھنا شروع کرون بعض حضرات کو شبہ ہوا ہے کہ مین اپنی مطبوعہ کتاب سے نقل کر کے منتھلی کی بھرتی [illegible]

ازِ دانایانِ یونان۔
انقزاقوس۔ (Anexarchos) حکیم و ندیم سکندر اعظم بن فیلقوس
حقاطوس۔ (Hecataeo) مورخ وغیرہم
ابدیرائی قہقہہ۔ دمقراط حکیم کیطرف منسوب ہے جو اسقدر ہنستا تھا کہ دیر تک اِسکا سلسلہ نہ ٹوٹتا تھا۔

ابو علی بن سینا۔ شیخ الرئیس لقب یکے از حکماے اسلام تولد بمقام شیراز ولادت ۹۸۰ء۔ حکمت اور فن طب مین ارسطو کا مقلد تھا۔ ایشیا مین تمام اطبا نے اسکو خاتم الاطبا مانا اور اِسلیئے اِس فن مین ترقی مسدود ہوگئی۔ اصول طب مین قانون شیخ سب سے زیادہ مستند کتاب ہے۔

سینا۔ شہر من مضافات بخارا اصل نام حسن بن عبداللہ بخاری ۱۶ سال کی عمر مین فارغ التحصیل۔ معالجات مین شہرہ آفاق شہزادہ نوح بن منصور کے کامیاب علاج نے بیحد شہرت دی۔ ۲۲ سال کی عمر مین سیر و سیاحت کے بعد ہمدان یا جارون مین قیام کیا۔ قانون لکھا۔ ہمدان مین واپس آکر شہزادہ شمس الدولہ کا وزیر اور سپہ سالار ہوا کتاب شفا و اشارات تصنیف کی۔ وہین قولنج سے وفات پائی تصنیفات سو بڑی جلدون سے زیادہ سلطان محمود غزنوی۔ اور خوارزم شاہ کا زمانہ تھا۔ ہجری سنہ کے حساب سے تولد بطالع سرطان ۳۷۰ھ یا ۳۷۳ھ ہجری وفات غرہ رمضان ۴۲۸ھ۔ شیخ کے علاوہ دیگر حکماے اور اعلےٰ طبقہ کے اسلامی فلاسفرون مین حسب ذیل دانایان اسلام شامل ہین ابن رشد۔ ابو نصر فارابی۔ ابن طفیل اور ابن ماجہ وغیرہ ہین جنپر مسلمان جسقدر فخر کرین بجا ہے۔

ابستہ۔ ایرانی روایات کے بموجب اس کتاب کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور شرح ژند و پاژند تصنیف فرمائی تھی اور آتش نمرود مین ڈالے جانے کے وقت انھین تینون کتابون کو پڑھا تھا۔ عام طور پر ژند آوستہ مشہور ہے

آبنیالہ۔ زوجہ نکمبی۔ افریقی دیبی۔ جسکے

ہاتھ مین ایک پستول ہے۔ باشندے اِس سے خائف رہتے ہین اور بیاری کے وقت اس سے پناہ اور مدد طلب کیجاتی ہے۔

ابولہ۔ رومیون اور قدیم یونانیون کی کی ادنیٰ درجہ کی فوجی پوشاک یا وردی جو چوغہ یا عبا کے بالمقابل حکما کے نزدیک ذلیل متصور ہوتی تھی۔

ابیلہ۔ جبل الطارق کے مقابل افریقی ساحل کی ایک رفیع الشان چوٹی جو یوروپی ساحل کے ایک چٹان کالپی نامی کے ساتھ (جو ابیلہ سے ۱۶ میل پر ہے) عماد الہرقل (Pillars of Hercules) کے نام سے مشہور ہے۔

ابی سینیا۔ ملک حبش کا دوسرا نام ہے یہہ ایک طاقتور پہاڑی ملک یمن کے مقابل بر اعظم افریقہ مین واقع ہے۔ رقبہ ۳ لاکھ بیس ہزار میل مربع۔ اور مردم شماری نوے لاکھ ہے۔ بادشاہ کا قدیمی خطاب نجاشی۔ شاہ منلک کے عہد مین ملک نے کافی قوت حاصل کی۔

آئیڈووا دار السلطنتہ۔ آئیڈس ابی با جدید دوسرا صدر مقام ہے جھیل طینا + دریائے اطبارا اور بحر ازرق۔ چونکہ خط استوا اور خط عرض البلد بیس کے مابین واقع ہے اسلئے نشیبی مقامات مین نہایت گرم ہے۔ اسی ملک کی بارش پر دریائے نیل کی طغیانی اور مصر کی سرسبزی کا دار و مدار ہے۔ قدیمی نام اِس خطہ کا ایتھی اوپیا (Ethiopia) ہے باشندے حبشی سیاہ رنگ۔

ابرڈین۔ شمال اسکاٹلینڈ کا مشہور بندرگاہ۔ مردم شماری ۱۶۳۰۸۴۔ ریشہ بافی۔ یونیورسٹی۔ اور عمارات کے لئے مشہور ہے۔ قدیم شہر ہے۔ تیسری صدی عیسوی مین بنا پڑی ۱۸۰۰ء مین گرینائٹ پتھر کے مکانات کا ایک محلہ بننے کے بعد گرینائٹ سٹی کے لقب سے مشہور ہوا۔ ۱۴۹۴ء مین کنگس کالج بنا۔ ۱۵۹۳ء مین یونیورسٹی قائم ہوئی۔ ۱۸۶۰ء مین یونیورسٹی سے دور کالج وہان کے ملحق ہوگئے (یہہ ضرور

نہین کہ کالجون کا الحاق اگر کسی یونیورسٹی
سے فوراً نہ ہو تو بعد کو بھی نہ ہو سکے گا)

ابرڈین جرنل بلاد شمالی کا سب سے
پرانا اخبار ۱۷۴۸ء سے جاری ہے۔
۱۳۳۶ء مین انگریزون نے جلا دیا تھا
دوبارہ پختہ تعمیر ہوا۔ اِسی جگہ مالکم سوم نے
ڈین اقوام پر ۱۰۱۰ء مین فتح پائی تھی۔

ابرڈین منسٹری۔ یعنی لارڈ ابرڈین
کی بنائی ہوئی مجلس وزارت۔ جس کا
دوسرا نام کولیشن منسٹری بھی ہے۔
(Coalition Ministry) یعنی وزارت
متفقہ جسمین وِگس اور ریڈیکل (جمہور پسند)
اور سر رابرٹ پیل کے مقلدین شامل
تھے۔ ۱۸۵۲ء مین قایم ہوئی اور ۱۸۵۵ء مین
مسترد کر دی گئی۔

ایبزاربنٹ یا ادویات جاذبہ
(Absorbents) (۱) بدن کے ساخت
کا کوئی حِصّہ جو رطوبات کو جذب کرلیتا
ہو مثلاً گلٹیان (۲) وہ دوائین جنمین
رطوبات فاضلہ کے جذب کرنے کی
طاقت ہو۔

آب بقا۔ آب حیات۔ آب حیوان
آب خضر۔ امرت۔ وہ پانی جسکے
پینے سے آدمی حیات ابدی پاتا ہے۔
قدیمی روایات کے بموجب اِسکا سرچشمہ
بحر ظلمات یا اطلانٹک مین ہے۔ سکندر
حضرت خضر کے ساتھ اِسکے تلاش
مین گئے۔ خضرؑ راستہ پر چلے اور پانی
پی لیا۔ سکندر راستہ بھولا اور ناکام
رہا اور بقول بعضے اِسکو بھی یہہ آبِ
زندگانی ہاتھ آیا لیکن بے کار اور نیم مردہ
دقیانوسی بڈھون کو دیکھ کر ایسی زندگی
سے ڈرا اور پانی نہ پیا ؎

کہانیان ہین حکایاتِ خضر و آب بقا
بقا کا ذکر ہی کیا اِس جہان فانی مین

آب دار۔ بادشاہون او امرا مین
نہایت معتبر خادم جو پانی رکھنے اور
پلانے کی خدمت رکھتا ہو

آب دار خانہ۔ وہ مکان جہان شاہی
پانی رکھنے کا اہتمام ہو۔

آب رواں۔ ایک ڈوریہ نما
باریک کپڑا۔

آب زلال۔ زلال ایک سفید کپڑا جو مرجانے پر اگر پانی مین ڈالدیا جائے تو وہ نہایت سرد ہوجاتا ہے اعرابی لوگ تشنگی کی حالت مین اوسکو حلق مین نچوڑ لیتے ہین تو ٹھنڈک اور تسکین ہوجاتی ہے۔ عرف مین نہایت شیرین اور نتھرا ہوا پانی۔

آب زمزم۔ زم بمعنی "ٹھہر اور رک" کے ہین۔ خانۂ کعبہ کے متصل چاہ زمزم کا پانی۔ ململا یعنی کچھ کھاری پانی۔ روایات مین یون ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنی بی بی سارہ کے خیال سے دوسری بی بی حضرت ہاجرہ کو مکہ مین چھوڑ گئے تو وہان حضرت اسمٰعیلؑ تولد ہوے۔ حضرت ہاجرہ کا پیاس کے مارے برا حال ہوا لیکن حضرت اسمٰعیل کے پانون مارنے سے پانی رسنے لگا جسکے گرد مٹی جمع کر کے کنوان سا بنا لیا اسی لئے وہ متبرک سمجھا جاتا ہے۔

آب شور۔ کھاری یا سمندر کا پانی

آب شورہ۔ شورے سے جھلا ہوا پانی۔ نیز وہ شربت جسمین نیبو نچوڑ لیا ہو۔

آب کار۔ مے فروش۔ بادہ کار۔ کلال۔ شراب کھینچنے اور بیچنے والا۔

آب کاری۔ شراب کھینچنے کا کارخانہ یا محکمہ۔ بادہ فروشی۔

آب کوثر۔ بہشتی نہر کوثر کا پانی۔ سفید میٹھا اور ٹھنڈا

آب نے۔ حقہ کی دو نلیان یا نگالیان ہوتی ہین انمین سے جسپر چلم رکھتے ہین آب نے کہلاتی ہے۔

آب نقرہ۔ چاندی کا پانی۔ سِلوَر سلیوشن۔ سلور کاسٹک یا نائٹریٹ آف سلور کا محلول۔ تلبیع کہربائی مین کام آتا ہے۔

آبی برج۔ آفتاب سال بھر مین جس خط پر چلتا معلوم ہوتا ہے اسکو خط طریق الشمس کہتے ہین اسکے دونون جانب ۹-۹ درجے کی چوڑی پٹی یا منطقہ ہے۔ اس منطقہ کو منطقۃ البروج کہتے ہین اسکے بارہ حصہ ہین ہر ایک کو ایک برج کہتے ہین ان بارہ مین ۳ آبی ۳ خاکی

۳ بادی اور ۳ آتشی برج ہین ۔ آبی سرطان عقرب ۔ حوت ہین ۔

آبی حروف ۔ یہہ اصطلاح علم جفر کی ہے ابجد کے سات سات حروف ان کے خواص کے موافق ۷ سیارون اور ۴ عنصرون پر تقسیم کئے گئے ہین ۔ ج ۔ ز ۔ ک ۔ س ۔ ق ۔ ث ۔ ظ ۔ حروف آبی ہین

آبائے علوی ۔ مجازاً ۷ سیّارے یا نو آسمان ۔

آباد ۔ تخلص مہدی حسن خان ولد غلام جعفر خان شاگرد ناسخ صاحب دیوان دواسوخت ۔ ولادت ۱۲۲۸ھ (ف ۔ آ)

اے بِکٹ طامس ۔ (A Becket, Thomas) کنٹربری کا پیر پادری ۔ بعہد شاہ ہنری ثانی ۔ ولادت ۱۱۱۸ء نہایت زبردست ۔ شیر دل اور ضدی پادری جسنے بادشاہ کے حکم کے برخلاف پاپائے روم کے اقتدار کو بڑھانے کی سعی کی ۲۹ دسمبر ۱۱۷۰ء کو کتھیڈرل* مین قتل کر دیا گیا

ابرکانوے لارڈ ۔ (Aberconway) ولادت ۱۸۵۰ء اصلی نام سر چارلیس میک لارن (McLaren) انکو لوہے کوئلہ ۔ تعمیر جہازات ۔ اور گرینائٹ پتھر کے کام سے نہایت شوق رہا اور ان دستکاریون کی ترقی مین سرگرم رہے ۔ ۱۸۸۰ء سے پارلیمنٹ کے لبرل ممبر رہے اور ۱۹۱۱ء مین لارڈ بنائے گئے ۔

اَبُوَّ پار ۔ (Above Par) لین دین اور صرافہ کا محاورہ ہے ۔ کسی شئے خصوصاً حصص کمپنی یا موجودہ نوٹونکی قیمت اصل سے بڑھ جانے کو اَبُوّ پار اور کم ہو جانے کو بلُوَ پار اور برابر نرخ کو ایٹ پار کہتے ہین مثلاً ہمنے ایکہزار کا پرامیسری نوٹ یا کوئلہ کی کمپنی کا ایکہزار کا حصّہ یکم فروری کو ایٹ پار یعنی ایکہزار روپیہ مین خریدا اور آج ۱۹ فروری ۱۹۱۲ء کو بھاؤ بڑھکر ایک فیصدی اَبُوّ پار ہے تو گویا ہمکو دس روپیہ کا فائدہ ہو سکتا ہے اگر ہم وہ نوٹ فروخت کر ڈالین کیونکہ اِس کی قیمت آج ایکہزار دس ہوگی ۔ اور

* کتھیڈرل یعنی رومن کتھولک ۔ مذہب کا گرجا گھر

اور اگر کل ۰۰۰,۲۰ کو ایک روپیہ بلو پار نرخ ہو گیا تو اس گھٹی کا نتیجہ ہمارے لیے فی ہزار دس روپیہ کی کمی ہوگا۔ بنک اور تاجر لوگ اسیطرح روپیہ لگائے رکھتے ہین جب گھٹی ہوتی ہے پرامیسری نوٹ خرید لیتے ہین اور جب نرخ اَبو پار ہوتا ہے تو بیچ ڈالتے ہین نرخ کے گھٹاؤ بڑھاؤ کی وجہ "ضرورت" ہے اگر ملک مین روپیہ زیادہ اور تمسکات صرافی بیچنے والے کم ہین تو خواہ مخواہ نوٹ وغیرہ مہنگے ملینگے کیونکہ فروشندون کو بیچنے کی غرض

نہین ہے۔ اگر بیچنے والون کو غلہ یا مال وغیرہ خریدنے کے لیے یا جنگ کے خوف سے اپنے نوٹون اور کمپنیون کے حصّہ کو روپیہ کی شکل مین تبدیل کرنا ہے اور خریدار کمیاب ہین تو خواہ مخواہ سستے دامون کو بکری ہوگی۔ نیز وہ کمپنیان جنھین ہر سال فائدہ ہوتا ہے اپنے حصّون کی قیمت کو بوجہ قدر والی ہمیشہ بڑھائے رکھتی ہین اور نقصان ہوتا ہے تو حصّے کم قیمت یعنی بلو پار کو بھی نہین بکتے۔ اسٹاک ایکسچنج۔ یعنی "تبادلہ کاغذ بہ زر" کے حسابی سوالات اِسی اُصول پر مبنی ہین۔

نظام شمسی

عِلم ہیئت مین سب سے ضروری مسئلہ نظامِ شمسی کا ہے کیونکہ ہماری زمین اِسی نظام سے متعلق ہے۔ ہیئت جدید نے آفتاب کو اُن مدارون کا مرکز قرار دیا ہے جنپر اِس نظام کے متعلق سیّارے گردش کرتے رہتے ہین۔ یہ اِسی عظیم الشان کرہ شمسی کا سبب ہے جو اِس عالم کے تمام سیّارون کو اپنی کشش جاذبہ سے انکی مقررہ دوریون پر مقررہ چال اور معین رفتار کے ساتھ برقرار رکھے ہوئے ہین۔ جنمین سے کوئی اپنے مقدرہ منازل سے نہین ڈگمگا سکتا اور نہ کوئی اپنی معینہ رفتار کی سرعت کو کم و بیش کرکے ایکدوسرے سے آگے پیچھے

ہوسکتا ہے جیساکہ خداے قدیر اپنے کلام پاک مین فرماتا ہے۔

یہی کرہ شمس سرچشمہ ہے حرارت و روشنی کا جس سے اسکے ماتحت اجرام سماوی مین گرمی اور روشنی پہونچتی ہے جسکے بغیر موجب اصول معلومہ ناممکن تھا کہ کسی کرہ مین ذیحیواۃ مخلوق موجودہ صورت مین قالب وجود اختیار کرتی جب خلاق مطلق نے اس کرہ شمس کو اپنے نظام کا مدار حیواۃ قرار دے کر وہ ودیعت اسکے سپرد کی جو سبب ہے کائنات عالم کی زندگی کا تو نہایت احسان فراموشی ہوگی کہ تفکروا فی آلاء اللہ کے بموجب ہم اسکے طبعی حالت اور عظمت و وسعت کو اتنا بھی نہ جانین جسقدر علماے ہیئت نے گران بہا آلات اور اپنے علم اور مشاہدہ اور تجربہ کے زور سے اِسکے متعلق حالات قلمبند کر دیے ہین۔

آفتاب کو مرکز قرار دیتے ہی یہہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسکا طول و عرض کیا ہے یا یون کہیے کہ اسکا محیط اور قطر کتنا ہے جو زمین۔ زہرہ۔ مشتری اور زحل وغیرہ جیسے عظیم اجسام کو اپنے گرد اسطرح گھما رہا ہے۔ جیسے کوئی بچہ ذرا سی پتھری کو ڈورے مین باندھکر ذرا سے ہاتھ کے اشارے سے چکر دیتا ہے۔

آفتاب کی دوری اور جسامت کی پیمایش کیونکر ہوئی

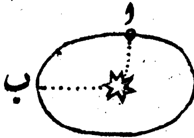
اگر آفتاب مرکز ہوتا اور صرف زمین ہی کا ایک کرہ اسکے گرد گردش کرتا ہوتا تو ناممکن تھا کہ آفتاب کی دوری اور جسامت کسی حساب سے صحت کے ساتھ معلوم ہوسکتی لیکن اور کروی اجسام کے طفیل مین جو اسکے گرد گردش کرتے ہین ایکدوسرے کی باہم دوری اور ہر ایک کی جسامت کا صحیح اندازہ ہوگیا ہے جو اجمالی طور پر ہم اِس فصل مین بیان کرینگے۔

قریب ترین سیارہ

اگرچہ سیارہ ولکن (Vulcan) آفتاب سے قریب ترین

سیارہ دریافت ہوا ہے لیکن وہ ایسا بے حقیقت ہے کہ اسکا نام نظام شمسی کے افراد کی فہرست مین اکثر چھوڑ دیا جاتا ہے اور عطارد سے ذکر شروع ہوتا ہے جو آفتاب سے اسقدر قریب ہے کہ جبتک حکیمانہ نگاہ نہ ہو ہر شخص اسکو پہچان نہین سکتا کیونکہ بوجہ قربت آفتاب وہ طلوع وغروب کے اوقات مین نظر آسکتا ہے لیکن صبح اور شام کی شفق کی موجودگی مین ایک چھوٹے سیارہ کا دیکھنا ہر ایک کا کام نہین ہے اور اسیلئے حکماے حال حیران ہین کہ حکماے سلف نے بغیر مدد دوربین کے کیونکر اسکو دیکھ لیا اور اسکے حرکات اور دور کا صحیح اندازہ کرلیا۔

یہہ سیارہ سورج کے گرد ۹۶۹ر۸۷ دن مین دورہ پورا کرلیتا ہے اوسط فاصلہ اسکا آفتاب سے ۳ کروڑ ۵۹ لاکھ میل ہے (اوسط فاصلہ سے مراد یہہ ہے کہ سیارون کے مدار بالکل گول نہین ہوتے بلکہ بیضوی ہوتے ہین جسکا باعث قریبی سیارہ کی کشش ہے اِسلئے فاصلہ کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوجاتا ہے مثلاً شکل ہٰذا مین۔ جب عطارد د مقام پر ہوتا ہے تو فاصلہ آفتاب سے



دو کروڑ ۸۶ لاکھ میل رہجاتا ہے اور جب دور ہوکر ب پر پہونچتا ہے تو فاصلہ ۴ کروڑ ۳۲ لاکھ ہوجاتا ہے۔ لہٰذا ان دونون فاصلون کا اوسط وہ ہے جو اوپر لکھا گیا)

دوسرا سیارہ زہرہ اور تیسرا زمین۔

عطارد کے بعد سیارہ زہرہ ہے جو آفتاب سے چھ کروڑ ستر لاکھ میل کی دوری پر ہے اور اسکا مدار زیادہ بیضوی نہین بلکہ قریب قریب مدور ہے۔ زمین اور زہرہ کے درمیان تین کروڑ میل کے قریب دوری واقع ہے۔ زمین سے آفتاب کا صحیح فاصلہ ۹ کروڑ ۲۷ لاکھ میل ہے زمین کے مدار کے باہر چند سیارے ہین جنمین سے زمین سے قریب تر مریخ ہے جس کا حال سب سیارون سے زیادہ معلوم ہوچکا ہے۔ فاصلہ اِسکا آفتاب

سے ۱۴ کروڑ دس لاکھ میل ہے اِسکا مدار عطارد کیطرح مدور نہین بلکہ کسیقدر بیضوی ہے مریخ سے اوپر مشتری ہے جو آفتاب سے ۴۸ کروڑ بیس لاکھ میل کے فاصلہ پر ہے اور اوسکے اوپر مدار زحل ہے جو بقول متقدمین نظام شمسی کی حد بیرونی قرار دیا گیا تھا اسکا حیرت انگیز فاصلہ اپنے مرکز سے ۸۸ کروڑ پچاس لاکھ میل ہے اور جسکا ایک سال دس ہزار سات سو انسٹھ دن یعنی تقریبًا ہمارے تیس سال مین پورا ہوتا ہے اِسکے باہر ایک اور سیارہ آفرینش عالم کے وقت سے گردش مین تھا لیکن بوجہ دوری اور بطی السیر ہونے کے حکماے یونان کی تیز نگاہین اسکو نہ بھانپ سکین اور اسکا شمار ثوابت مین کیا گیا کیونکہ وہ بظاہر اِسقدر چھوٹا ہے کہ نہایت تاریک اور صاف راتون مین بڑی تیز اور دوربین نگاہ اسکو دیکھ سکتی ہے اسکے دریافت کرنے کی عزت ولیم ہرشل (Herschel) کے مقدر مین تھی جنھون نے سنہ ۱۷۸۲ء مین اپنی خانہ ساز دوربین سے اسکو دریافت کیا۔ یہہ بڑا کرہ ہے جسکا قطر زمین سے بقدر چہار چند کے زیادہ ہے اور اسکا نام یورنیس ہے۔ اب پچاس سال تک یہہ خیال رہا کہ یہہ سیارہ نظام شمسی کے حد آخر پر ہے۔ کیونکہ اِسکا فاصلہ آفتاب سے ایک ارب ۷۷ کروڑ ستر لاکھ میل ہے اور مرکز آفتابی کے گرد ایک گردش ۸۴ سال مین پورا کرتا ہے۔ لیکن خلاق عالم کی قدرت وعظمت کے سامنے ہر ایک حیرت انگیز فاصلہ بے حقیقت محض ہے [illegible]

مین دریافت ہوا کہ ایک اور سیارہ اِس سے بھی پرے واقع ہے جو باعث اپنی ہمدرنی کے آفتاب کے گرد ۱۶۴ برس اور چھ ماہ مین گردش کرتا ہے گویا اسکا پورا دورہ کوئی انسان اپنی عمر مین نہین دیکھ سکتا۔ وہ ایک برج کو (جسکو آفتاب ایک ماہ مین اور چاند ڈھائی دن سے کم مین طے کرتا ہے) ۱۳ ۱/۲ سال مین طے کرتا ہے اِسکے دریافت کنندہ لی ویریر (Leverrier) اور ایڈم (Adams) صاحبان ہین جنھون نے یورنیس کی چالون اور اصول کشش ثقل کی بنیاد پر حساب کرکے ٹھیک جگہ آسمان مین دریافت

کرلی اور دوربین سے اسکا پتہ لگ گیا حساب کے صحت کے معاملہ مین یہہ واقعہ علم ہئیت کی تاریخ مین نہایت عظیم الشان واقعہ کہلاتا ہے۔ یہہ سیارہ اگرچہ زمین سے بہت بڑا ہے لیکن بے شمار فاصلہ کے اعتبار سے وہ ایک قوی دوربین مین بھی صرف ایک چھوٹا تارہ مقدار ہشتم کا نظر آتا ہے اور اسلئے ابھی تک کوئی ذریعہ ایسا نہین ایجاد ہوا جس سے اسکی سطح کا کچھ بھی حال نظر آسکے۔

کالج ہاکی ٹیم کی شاندار کامیابی

جن صاحبون کو ہاکی کی تاریخ پر عبور ہے اُنکی نظرون سے مخفی نہین کہ جس زمانہ مین نورالدین مرحوم و مسعود و نوراللہ و علی رضا وغیرہ جیسے کھیلنے والے کالج مین موجود تھے اسوقت ہاکی ٹیم باعتبار قوت کے معراج کمال پر پہونچی ہوئی تھی۔ مگر کالج کو یہہ فخر حاصل نہ ہوا کہ سوا، یونیورسٹی کپ کے کسی دوسرے کپ کو اپنا تمغۂ خصوصیت بنا سکے۔ اور اب اِس عہد زوال مین کہ دورہ افسردگی و پژمردگی ہے اورکسی طرف سے صدائے فتحمندی و نعرہ مسرت بلند ہوتا نظر نہین آتا تھا۔ یہ امر اور بھی زیادہ دقت طلب ہوگیا تھا۔ بڑی بڑی ارض پیمائیان کین اور بہت کچھ پریشانیان اُٹھائین لیکن گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ لیکن ہم اپنے دوست شیخ محبوب عالم صاحب کو تہ دل سے مبارکباد دیتے ہین کہ اُنکو اپنی کپتانی کے زمانہ فتحمندخیت مین یہہ سہرا متواتر دو مرتبہ باندھنے کا فخر حاصل ہوا۔ اِشاعت گذشتہ مین ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا کہ ہاکی ٹیم لکھنؤ سے بم بہادر شاہ کپ جیت لائی۔ خیر وہ تو صرف یوپی ہی کے واسطے مخصوص تھا مگر اب کی مرتبہ ہم لوگون نے لکھنؤ سے آل انڈیا رام لال کپ (معہ سونے کے تمغون کے) جیت لیا۔ ہمارا پہلا میچ لکھنؤ روورس سے ہوا جنکو گیارہ گول سے شکست دی۔ دوسرا میچ بنگال ینگ من (Bengal young men) سے ہوا جسمین چند وجوہ سے ہم لوگ

کھیل نہ دکھا سکے۔ اور اِن لوگون کو صرف ایک گول سے جیتا۔ آخری میچ ہمارا ریلوے سے ہوا۔ یہہ ٹیم بھی پچھلے میچز مین الہ آباد ہرک کو (جو کہ اِس کپ کے پچھلے سال کے ونر تھے) اور شاہجہان پور ٹون ہال کو ایک ایک گول سے شکست دے چکا تھا لکھنؤ کے لوگ اِس ٹیم کی پھرتی اور چالاکی پچھلے کھیلون مین دیکھ چکے تھے۔ اور یہہ عام خیال تھا کہ یہہ لوگ علیگڈھ کو دبا لینگے۔ مگر سیٹی بجتے ہی ہمارے بہادر اِلّا اللہ کرکے دشمن کے دروازہ پر پہونچگئے۔ اور گیند کو آدھے فیلڈ سے اِسطرف نہ آنے دیا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ ہمارا نامور شیر اسد علی جسکا نام آج خدا کے فضل سے عالم ہاکی مین آفتاب کیطرح نصف النہار پر درخشان ہے۔ چیرتا پھاڑتا گروہ مخالف سے نکلکر اِس خوبصورتی سے گیند کو غایت المقصود پر پہونچادیا کہ دشمن ششدر و حیران رہگئے۔ پبلک نے تحسین و آفرین کے نعرون سے لکھنؤ کو سر پر اُٹھالیا۔ ہرطرف سے ول پلیڈ علیگڈھ۔ ول ڈن اسد کی صدائین بلند ہونے لگین۔ الغرض گیند کو دوبارہ مرکز پر لاکر رکھا گیا۔ اور پھر میدانِ کارزار گرم ہوا اسمرتبہ ہمارے جنگ آزمودہ دوست الطاف نے تنِ تنہا باوجود مخالفین کے متواتر حملون کے گیند کو دشمنون کے گول مین داخل کردیا۔ پھر تو ریلوے والون کی اسٹیم تیز ہوئی۔ مگر ہمارے فل بیکس نے بھی وہ وہ ہاتھ دِکھائے کہ گیند بھر بار آسمان پر نظر آتی تھی۔ الغرض باقی وقت مین دونون ٹیمون نے کوششونکی انتہا کردی مگر گول کرنا نصیب نہ ہوا۔ ہماری طرف سے اسد۔ اظہر۔ صادق انور۔ الطاف اور امام کا کھیل قابل آفرین تھا۔ ہادی کا کھیل بھی قابل داد تھا خصوصاً اسوجہہ سے کہ اِس میچ مین اُنکو اپنی اصل جگہہ کے خلاف کھیلنا پڑا۔

راقم
آغا مرزا خان گول کیپر

نعت

پیشوا سب کا وہ محبوب ہوا خوب ہوا — اپنے خالق کو وہ مرغوب ہوا خوب ہوا
او نسے خالق کو تعلق ہے اونھین خالق سے — کہ ہر ایک طالب و مطلوب ہوا خوب ہوا
ہوگئی ہوگئی بس اُمّتِ عاصی کی نجات — کہ ذریعہ تو ہوا خوب ہوا خوب ہوا
واہ کیا حسن ہے یہہ حسن رسولِ عربی — اچھے اچھونمین خوش اسلوب ہوا خوب ہوا
ہے ترے عشق کا اعجاز کہ اعجاز بھی اب — مست و دیوانہ و مجذوب ہوا خوب ہوا

خاکسار اختر۔ سید اعجاز حسین
کرزن ہوسٹیل محمڈن کالج علیگڈھ

غزل

محمد حمید الدین خان بی۔ اے۔ پروفیسر محمڈن کالج علیگڈھ

حسن یکتا قائل صد جلوہ آرائی ہوا — ساز نیرنگی متاع سوز دانائی ہوا
سرفروشی زاد عاشق نالہ آہنگ جرس — کاروان دل راہبر احساس تنہائی ہوا
آسمان پامال مشق نالہ ہاے نارسا — عرش اعظم در بہ وقفِ ناصیہ سائی ہوا
پردۂ ناسوت وقف راز خود بینی حسن — شش جہت آئینۂ انداز رعنائی ہوا
انتہائے ظلم و رسوائی دانش دیکھنا — اوسکا اندازِ تغافل کینہ آرائی ہوا
زہر خندیہاے زخم کشتگان بیجا نہین — نسخہ پارینہ اعجازِ مسیحائی ہوا
ہستئ آفاق دُرد جام مے آشام عشق — کاسۂ واژون نہادہ چرخ مینائی ہوا
ابجد آموزی درسِ عشق تعلیم فنا — ہیچ نا دانستگی معیارِ دانائی ہوا
خس بدندان خامہ کاغذ پیرہن نامہ ہے جب — سربسر احوال دل فریاد آرائی ہوا

انقلاب ساز ہستی اختلال انگیز تھا　　حوصلہ افزا خیال لطف یکجائی ہوا
معنی کرسی نشین مضراب تار جان حمید
عرض تحت دل مرا انداز گویائی ہوا

فطرت انسانی کی کرتوت

نمبر ۳

از بدر الحسن صاحب جلالی

زمانہ تیزی کے ساتھ منازل تغیر و تبدل طے کرتا ہوا رواں دواں نہ معلوم کس طرف کو جا رہا ہے۔ بہت سی تبدیلیاں ہو چکین درختون کے پرانے پتے گر گئے نئی نئی کونپلین شاخین نکلنے لگین۔ دنیا نے بھی نیا ٹھاٹھ بدلا سبز پوشاک تبدیل کر کے ارغوانی اور زعفرانی جامہ زیب تن کیا۔ پختگی کے آثار نمایان ہونے لگے۔ پھلون نے پک پک کر گرنا شروع کر دیا۔ زیادتی اور تواتر باران و گرما نے نباتات مین نشو و نما کی قوت زیادتی کے ساتھ پیدا کر دی۔ پھل پھول کثرت سے آنے لگے۔ شاخین بار ثمر سے جھک گئین دریاؤن مین طغیانی کے سامان ہویدا ہونے لگے۔ پہاڑون کے پتھر گھسنے لگے زمین جون جون مرکز حقیقی سے دور ہوتی جاتی تھی کشش گھٹتی جاتی تھی گردش بڑھتی جاتی تھی۔ اعتدال کے قدم ڈگمگانے لگے دن رات آنکھین دکھانے لگی انسانی فطرت پالنے سے نکلکر گھٹنون چلنی لگی یہان تک کہ کھڑی ہونے لگی۔ نمود حسن کے آثار چہرہ پر نمایان ہونے لگے۔ جوبن کی شعاعین چارون طرف پھیلنے لگین۔ قیامت آگئی محشر عیان ہو گیا اسرافیل علیہ السلام نے صور منھ سے لگا لیا۔ ایک طوفان بے تمیزی برپا ہو گیا۔ اِسوقت بے انتہا

شدت کی دھوپ پڑ رہی ہے آفتاب پوری آب و تاب کے ساتھ خط استوا پر جلوہ گر ہے پروانہ ہاے نصف النہاری کارپردازان شعاع کے ہاتھ چہار دانگ عالم مین بھیجے جا رہے ہین۔ کل عالم ایک کرہ نار بن رہا ہے۔ مرغان ہوائی العطش العطش کہتے ہوے قطرہ اشک پر ٹوٹے پڑتے ہین مچھلیان بے تاب ہوکر دریاؤن کے کھولتے پانی سے باہر نکل آئی ہین۔ پھول کمھلا گئے ہین۔ شاخین پژمردہ ہوکر نیچے کو لٹک گئی ہین۔ پتہ پھل بے اختیار شاخون سے ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر گرے جاتے ہین آہ۔ ایسے نازک وقت اِس محشر فزا نظارہ مین ہمارے نازکبدن سادگی کا کیا حال ہوگا اُف بیچاری حیا تو زندہ درگور ہوگئی ہوگی ہان البتہ میان قانع کچھ کچھ اِس دوزخ کی گرمی کو برداشت کر رہے ہونگے نہین نہین دیکھئے وہ سامنے سب بچے اپنے اپنے جھونپڑون مین حیران پریشان ایکدوسرے کا منھ تک رہے ہین اُف بیچاری عصمت تو بالکل بے حال ہے البتہ میان فرزانہ نے اپنے جھونپڑے پر کچھ پتے اور گھانس ڈال لی ہے اور اونکے جھونپڑے مین کچھ تازہ انگور بھی ہین یہہ دیکھو سامنے میان قانع بھی کھڑے ہین مگر خوش ہین اگرچہ انکا چہرہ بھی کمھلایا ہوا ہے اور اوسپہ طرّہ یہہ ہے کہ انکی جھونپڑی بھی ٹوٹی پھوٹی سی ہے ہزارون سوراخ ہین سایہ بھی کچھ یون ہی سا ہے پیاس کے مارے لَخ لَخ کر رہے ہین مگر بشاش اور خوش اور سب بچے بالکل نڈھال پسینہ کے بہ جانے سے ہڈی سے چمڑا لگ گیا ہے۔ سب کے چہرے جو ابھی حسن کی بہتی ہوئی دولت سے مالا مال ہو رہے تھے اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوڑی کوڑی کو محتاج ستر ستر برس کے بڈھے ہین کہ ایکدوسرے کو آنکھین پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے ہین۔ آہ قزاق گردش روزگار نے اِنکو بھی لوٹ لیا۔ شکر ہے کہ یہہ حالت بہت دیر تک نہین رہی۔ یکایک زناٹا ہوا تمام عالم مین خفیف سی تاریکی ہوگئی آفتاب

کے سُرخ دمکتے ہوے چہرہ پر ایک ہلکا سا نقاب پڑگیا جسنے اوسکی گرمی اور طپش کو درجۂ اعتدال پر پہونچا دیا تمام بچے بھونچکا ہوکر رہ گئے۔ اونکے تعجب اور حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی جبکہ اونھون نے اپنی جماعت مین ایک اور بچہ کو جو تقریباً سب سے زیادہ حسین اگر نہین تھا مگر بیباک اور طرار ضرور تھا شوخی کوٹ کوٹ اوسین بھری تھی سیماب کیطرح متحرک کسی جگہ قرار نہ تھا سب بچون نے نہایت استعجاب اور حیرت کی نظر سے دیکھا وہ ان سب کو دیکھ کر مسکرایا اور سب سے پہلے جو بچہ اسسے ملا وہ خود شوخی ہی تھی اِسکے بعد چالاکی نے ہاتھ ملایا سب کے بعد سادگی نے اور اوسکے بعد حیا نے بھی نیچی نظرین کئے ہوے اپنا لرزتا کانپتا ہوا ہاتھ معانقہ کے لیے بڑھایا جسکو اوسنے بڑی خوشی سے لیا۔ اوسکے بعد اوسنے اسطرح کہنا شروع کیا۔

وہی بچہ۔ آپ لوگ پریشان نہون۔ آج ابر نہ ہونے کی وجہ سے اسقدر گرمی ہے دوسرے اب گرمی کا وقت آیا دھوپ برابر چمکے گی۔ آپ لوگ سب اپنے اپنے جھونپڑون مین بہت سا گھانس اور پتہ وغیرہ ڈال لین انگورون کا پانی نکال کر پتون کی ٹکریون مین (جنکو ہمارے نئے بچہ نے فوراً ہی بنانا سکھادیا) جمع کرلین اور پیاس کے وقت پئین یہہ سب گرمی کم ہوجاوے گی۔

یہہ باتین سنکر وہ سب حیران تھے مگر مسز فرزانہ نے ہمارے نئے دوست کی بہت جلد پیروی کی اور بغیر بتلائے جتلائے سب کام ٹھیک کرلئے۔ اتنے مین شوخی بڑھی اور نہایت تپاک سے ملکر دریافت کرنے لگی۔

شوخی۔ کیا مین اپنے نئے دوست سے پوچھ سکتی ہون کہ اون کا نام کیا ہے اور اون کا مقام کیا ہے اور ہم مین آنے کی کیون تکلیف گوارا کی مین امید کرتی ہون کہ ہمارے نئے دوست اِس بیباکی کو معاف فرماوینگے اور اپنے مفصل حالات سے بیان کرنے کی تکلیف گوارا کرکے ہم اور ہماری ساری جماعت کو ممنون اور مشکور ہونیکا

موقع دینگے (مسکراکر) اور ہماری حیرت اور تعجب کو جو بار طبائع نازک ہو رہا ہے دور کرینگے۔ اسکے بعد مین پیشتر ہی سے اپنے مکرم دوست کا سب کی طرف سے اِس میزبان نوازی اور تکلیف گوارا کرنے کا شکریہ ادا کرتی ہون۔

اِسکے بعد شوخی مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی مگر حیا اوسکی بیباکی اور فراری پر شرم سے پانی ہوگئی اور دل ہی دل مین اوسکی دیدہ دری اور زبان درازی پر نفرین کرتی ہوئی ایک گوشہ مین بیٹھ جاتی ہے اور خاموش نیچی نظرین کئے ہوے ایکدوسرے کی حالتون کا اندازہ کر رہی ہے سادگی کا مُنھ کھلا ہوا ایک سکتہ کی حالت مین کبھی نئے آنے والے کو دیکھتی ہے کبھی شوخی کی طرف۔ غرض ہر بچہ اپنی حرکات کے ساتھ بجاے خود اسم بامسمیٰ ہو رہا تھا۔ اتنے مین نیا مہمان اوٹھا اور کہنے لگا۔

مہمان۔ میرے معزز میزبانون و میری بہن شوخی مین اسوقت بہت خوش ہون یہہ دیکھکر کہ اِس پرانے زمانہ مین بھی میری بعض بہنون اور بھائیون مین آداب صحبت موجود ہے اور مجلسی زبان کی خاصی مہارت ہے۔ پیشتر اسکے کہ مین اپنا نام اور مقام اور مقصد نزول بتاؤن مین تہِ دل سے آپ کی اِس گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کرنے کا اور خاصکر ایک ناخواندہ مہمان کا بہت بہت شکریہ ادا کرتی ہون مین نہین کہہ سکتی کہ مین وہ زبان کہان سے لاؤن جو اِسوقت آپ کا شکریہ ادا کرون حقیقت مین میرے آنے پر خوشی کرنے کی ایسی ہی ضرورت تھی جیسا اسوقت آپ نے اپنے طرزِ عمل سے ظاہر فرمائی۔ لیجیے مین اُس راز کو بھی جس نے آپ لوگون کو حیران بنا رکھا ہے ظاہر کئے دیتی ہون۔ میرا نام نطرت انسانی ہے میرا مقام ہر جگہ ہے میری شانِ نزول یہہ ہی ہے کہ میرے آنے کی ضرورت تھی اور آپکو اِس گرمی کی شدت سے بچاتی۔ اب مین اپنے کام انشاءاللہ کسی خاص موقع پر دکھاؤنگی اور شاید اب میرا کام بہ تسلسل قیامت تک جاری ہے۔

اِسکے بعد جلسہ برخاست ہوگیا اور تمام بچے چونکہ شام کا وقت ہوگیا تھا اوسیطرح
کھیل کود مین مشغول ہوگئے۔ مگر افسوس ہمارے نئے دوست ہر کام مین تیان پانچا
کرنے لگے شاخین نکالنے لگے۔ جسپر مسٹر بہادر اور شجاع سے کئی دفعہ جھڑپ بھی
ہوئی مگر فطرت نے آسانی کے ساتھ اونھین رضامند کرلیا اب یہہ زمانہ بھی گذر
رہا ہے اور ایسا وقت آنے والا ہے جسکے سبب تمام بچے مصیبت مین پڑنے والے ہین

(باقی آیندہ)

Tales from Panchatantra. Indian Fables. With new Illustrations. Fables. 48 pages. **2 annas.**

GRADE III. **Red Covers.**

The Present and Past Perfect Tenses of Verbs are used. Direct speech is as usual. There is a little indirect speech but the meaning is always clear. Three-syllable words are used.

South Indian Tales. With 8 Illustrations by an Indian Artist. 64 pages. **3 annas.**

GRADE IV. **Grey Covers.**

More difficult Tenses of Verbs are used. Short sentences are maintained.

The King's Tales. With new Illustrations, 72 pages. **4 annas.**

The Story of Rama. With 10 Illustrations from the Ravi Varma and Lakshmi Series. 72 pages. **4 annas**

GRADE V. **Green Covers.**

Romantic Tales and Legends from Hindu Sources. With 14 Illustrations from the Ravi Varma and Lakshmi Series. 96 pages. **6 annas.**

All the volumes are Illustrated.

Our Contemporaries:—We beg to acknowledge, with thanks, the receipt of the following periodicals for January:— *The Aligarh Institute Gazette, The Bangabasi College Magazine, The Central Hindu College Magazine, The Collegian, The Comrade, The Islamyiah College Magazine, The Madras Christian College Magazine, The Meerut College Magazine, The Observer, The Students Own Magazine.*

An ordinary meeting was held on the evening of 27th January at 8 P.M., Mr. Auchterlonie presiding. After the election of one ordinary member, Mr. Phool Chand (proposed by Mr. Ghulam Husain and seconded by Mr. Mahomed Sharif), and one associate member, Mr. Syed Hasan Burney (proposed by Mr. Mohamed Sharif and seconded by Mr. Abid Husain Khan), a very comprehensive and thoughtful essay on Berkeley was read by Mr. Jawala Prasad Singal. A short discussion followed, in which the President and Messrs. Ghulam Husain and Mohamed Sharif took part, but owing to the lateness of the hour further consideration of the paper was postponed until the next meeting.

ABID HUSAIN KHAN,
Honorary Secretary.

PUBLICATIONS RECEIVED.

Longmans' Indian Reading Books in five grades of difficulty, 1914: Messrs. Longmans Green & Co., 8, Hornby Road, Bombay:—

GRADE I. **Yellow Covers.**

Only the simple present, past and future tenses are used. Only words of one and two syllables are used. The sentences are all simple. A beginner in English can read and understand the books.

Rama and Sita. With 5 Illustrations from the Ravi Varma Series. 24 pages **6 pice.**

Little Lady of the Sun. An Indian Fairy Story. With 4 Illustrations. 24 pages. **6 pice.**

GRADE II. **Blue Covers.**

Short simple sentences. A few are joined by conjunctions. Most of the words are of one or two syllables.

The Boyhood of Krishna. With 9 Illustrations from the Ravi Varma and Lakshmi Series. 40 pages. **2 annas.**

FINANCIAL STATEMENT, 1913.

INCOME.

	Rs	a.	p.
Actual Income, January—June 1913 ...	1,108	8	0
Estimated Income, July—Dec. 1913 ...	1,050	0	0
Credit balance for 1912 ...	342	7	3
Total income ...	2,500	15	3
Payment of furniture debt	450	0	0
Available for expenditure	2,050	15	3

EXPENDITURE.

	Rs	a.	p.
1. Current expenses	299	8	6
2. Contingencies	178	4	3
3. Newspapers	544	0	3
4. Books	179	8	9
5. Garden	414	13	9
6. Furniture	268	5	6
7. Indoor games	11	1	6
8. Hot weather expenses	63	1	6
9. Prizes	50	4	0
Total expenditure ...	2,010	0	0

MOHAMMED ELYAS BURNEY,

Vice-President (1913.)

THE PHILOSOPHICAL SOCIETY.

The Annual General Meeting was held on 13th January in the Siddons Union Club Drawing Room. Mr. Abid Husain Khan was elected Honorary Secretary for the year 1914, proposed by Mr. Abdus Salam and seconded by Mr. Ghulam Husain. The retiring Honorary Secretary, Mr. Mohamed Ahmed, then read the report for 1914. The meeting terminated with the usual votes of thanks.

13.	جہان آرا	By	محبوب الرحمن
14.	ترک تاتار حصہ اول	,,	منشي محمد جان
15.	,, دوم	,,	,,
16.	ابراهيم و سليمه	,,	سيد علي حسن
17.	حسن و انجلينا	,,	عبدالحليم
18.	ملک العزيز و رجنا	,,	,,
19.	كنيز فاطمه	,,	قاضي عزيزالدين
20.	چاک گوییاں		
21.	فرانسيسي معلمه		
22.	پرشيا كا گلدان	,,	عبدالغني
23.	كيفيت تشريف آوري امير كابل		
24.	اسلام كے حسنات	,,	نواب صدرالدين
25.	,, كا اتاليق	,,	,,
26.	,, كے نواهي	,,	,,
27.	,, عقايد	,,	,,
28.	داناي كا سبق حصه اول	,,	,,
29.	,, دوم		,,
30.	صلاح الدين		,,
31.	اورنگزيب پر ايک نظر	,,	مولانا شبلي
32.	تذكرة المصطفى	,,	
33.	محاربات مصر و سوڈان	,,	
34.	تاريخ صوبه بهار	,,	خان بهادر سيد علي محمد
35.	تاريخ علامه ابن خلدون حصه هفتم	,,	
36.	هشتم ,, ,,	,,	
37.	نهم ,, ,,	,,	
38.	دهم ,, ,,	,,	
39.	يازدهم ,, ,,	,,	
40.	كليات اسمعيل		
41.	سير ظلمات	,,	مولوي ظفر علي خاں

M. Rafay,

Honorary Librarian,

S. U. Club. (1914).

43. The Ramayana and the Mahabharata ... ... by R. C. Dutta.
44. Speeches by Dadabhai Noaraji.
45. „ „ S. N. Banerjee, Vol. VI.
46. Calcutta Conferences and Congress, by Nateson.
47. Speeches on Indian Affairs ... „ Lord Morley.
48. Allahabad Conferences ... „ Nateson.
49. Madras „ ... „ „
50. Surat „ ... „ „
51. Lahore „ ... „ „
52. Oxford University Life ... „ Syed M. Bilgrami
53. The Spirit of Islam ... ... „ Amer Ali.
54. Shakuntala ... ... „ A. W. Ryder.
55. The Political Future of India ... „ H. P. Modey.
56. The Strangling of Persia ... „ W. H. Shushter.
57. The Swadeshi Movement ... „ Nateson.
58. The Reform Proposals ... „ „
59. The Indians of South Africa ... „ S. L. Pollock

M. Rafay,
Honorary Librarian (1913).

Urdu Books :—

1.	لکچر اسلامي اخلاق پر	By	مولوي حبيب‌الرحمن صاحب
2.	اردو اور اوسكا آخري اپيل	„	
3.	رساله قوت خيال	„	انوارالحق صاحب
4.	طالبعلم كے زندگي كا مقصد كيا هونا چاهئيے	„	خواجه غلام‌الثقلين
5.	جهل مركب	„	انيس احمد
6.	مكن باي	„	ولي محمد
7.	كاروان	„	عبدالله جان
8.	سينم اسكندريه اور اوسكے غلام	„	„
9.	تاريخ مصر قديم		
10.	ارمغان اسرائيل	„	مولوي منظورالدين
11.	حيات حافظ	„	
12.	حيات جامي	„	مولوي اسلم

9.	Life of Sir Syed Ahmed Khan ...	by G. A. Nateson.
10.	„ Lall Mohan Ghosh ...	„ „
11.	„ Krishna Swami Ayer ...	„ „
12.	„ W. C. Bonnarji ...	„ „
13.	„ Badr-ud-din Tyabjee ...	„ „
14.	„ R. Mohamed Sayani ...	„ „
15.	„ Dadabhai Noaraji ...	„ „
16.	„ Surrendra Nath Banerjee ...	„ „
17.	„ Lord Morley	„ „
18.	„ „ Ripon	„ „
19.	„ M. G. Ranada ...	„ „
20.	„ G. K. Gokhale ...	„ „
21.	„ Allen O. Hume ...	„ „
22.	„ Sir Henry Cotton ...	„ „
23.	„ Sir William Wedderburn ...	„ „
24.	Indian Economic Problems ...	by V. J. Kale, M.A.
25.	History of Aurangzeb, Vol. I ...	„ J. N. Sarkar, „
26.	Do. do., II	„
27.	Anecdotes of Aurangzeb and Historical Essays	„ J. N. Sarkar, M.A.
28.	Bengal Peasant Life	„ Rev. L. B. Day.
29.	A Short History of the Saracens ...	„ Syed Ameer Ali.
30.	Three Years in Europe ...	„ R. C. Dutta.
31.	God's Good Man	„ Morie Corelli
32.	Wormwood	„ „
33.	Boy	„ „
34.	Vanity Fair	„ Thackeray.
35.	The Greatest Wish in the World ...	„ E. Thurstan.
36.	The Joy of Youth	„ E. Phillpotts.
37.	On Peace and Happiness ...	„ Lord Avebury.
38.	The Pleasure of Life	„ „
39.	The Use of Life	„ „
40.	Society and Solitude	„ Emerson.
41.	Essays on the Life of Mohamad ...	„ Sir Syed.
42.	England and Islam	„ Henry Crossfield.

IV.—Fortnightly :—

(22) The Empress.

V.—Monthlies :—

(23) The Modern Review.
(24) The Indian Review.
(25) „ Hindustan „
(26) „ East and West.
(27) „ Zamana.
(28) „ Makhzan.
(29) „ Asmat.
(30) „ Tamaddun.
(31) „ Review of Religions.
(32) „ Al Kasim.
(33) „ Nakad.
(34) „ Old Boy.
(35) „ Nizam-ul-Mashaikh.
(36) „ Al Nazir.
(37) „ Adeela.

VI.—Foreign papers and Magazines :—

(38) The Illusttd. London News.
(39) The Sphere.
(40) „ Sketch.
(41) The Nation.
(42) „ Saturdary Review.
(43) Punch.
(44) „ Times Weekly.
(45) Review of Reviews.
(46) Nash's Magazine.
(47) Strand Magazine.
(48) Ninteenth Century.
(49) Fortnightly Review.
(50) Contemporary Review.
(51) The Islamia Review.

LIST OF BOOKS PURCHASED DURING THE YEAR 1913.

ENGLISH BOOKS :—

1. Treasury of English Words and Phrases, Vol. I.
2. Do. do. do. II.
3. Directory of Indian Goods and Industries.
4. Warren Hastings ... ... by Trotter.
5. Life of M. K. Ghandhi ... „ G. A. Nateson.
6. „ Vidyasagar ... ... „ „
7. „ R. C. Dutta ... ... „ „
8. „ R. N. Madholkar, C.I.E. ... „ „

......*Subject*—Solitude is more congenial to the growth of knowledge than society.

......*Winner*—Syed Muhammad Abbas Zedi.

III—IV Urdu-speaking prize.

......*Subject*—اخلاق کی ہستی مذہب سے علیحدہ نا ممکن ہے

......*Winner*—S. Sajjad Ali.

I—II year Urdu-speaking prize.

......*Subject*—قومی ترقی کے واسطے لابدی ہے کہ تعلیم مادری زبان میں دیجائے

......*Winner*—Muhammad Rafi.

III—IV and I—II year English and Urdu extempore-speaking prizes were won respectively by—

1. Syed Ashfaq Husain.
2. Agha Muhammad Yaqub.
3. Sajjad Ali.
4. Muhammad Sharif.

A LIST OF NEWSPAPERS TAKEN IN BY THE CLUB.

I.—Dailies:—

(1) The Pioneer.	(2) The Statesman.
(3) „ I. D. Telegraph.	(4) „ Leader.
(5) „ Biharee.	(6) „ Paisa Akhbar.
(7) „ Hamdard.	(8) „ Zamindar.

II.—Bi-weeklies:—

(9) The Observer.	(10) The Vakil.

III.—Weeklies:—

(11) The Musalman.	(12) The Indian World.
(13) „ Times of India.	(14) Al Hilal.
(15) „ Institute Gazette.	(16) „ Afghan.
(17) The Masawat.	(18) Habl-ul-Matin.
(19) Al-Bashir.	(20) Azad.

(21) Serajul Akhbar.

13. A speaker can do more good to a nation than a writer.

1. مسلمانوں کو اگر اپني هستي بچانا هے تو صرف تجارت هي سے بچا سکتے هيں

2. پودا نهيں پهول کا عليگڈه کالج گلدان ميں مسلموں کا گلدسته هے

3. تعليم جديد سے مسلمانوں کو خاطر خواه نفع نهيں پهونچا

4. مسلمانوں کا نصاب ترقي غير مفيد اور قابل ترميم

5. مسلمانوں کا مستقبل اميد افزا هے

6. مسلمان مستورات کو انگريزي زبان سکهانا قوم کي تباهي کا باعث هوگا

7. پيشوں ميں ملازمت سب سے ضروري هے

8. موجوده حالت ميں مسلمانان هند کے سياسي انجمن آل انڈيا مسلم ليگ کا
ايک مستقل صدران کے سياسيات کے ليئے مفيد نهيں هوسکتا *

ANNUAL SPEAKING COMPETITION RESULT, 1913.

Said-Morison English-speaking gold medal.

......*Subject*—Primary education with special reference to the Muslims of India.

......*Winner*—Abdul Halim Chaudhry.

Said-Morison Urdu-speaking medal.

......*Subject*—Female Education with special reference to the Muslims of India.

......*Winner*—Syed Hasan Burney.

Said-Morison English essay prize.

......*Subject*—The life of Nawab Mohsin-ul-Mulk.

......*Winner*—Muzaffar Husain Khan.

CLASS COMPETITION.

III—IV year English-speaking prize.

......*Subject*—Abundance of books retards the progress of knowledge.

......*Winner*—Syed Abdus Samad.

I—II year English-speaking prize.

whose invaluable assistance largely contributed to the success of the session.

LIST OF SUBJECTS DISCUSSED IN 1913.

1. The Modern Indian graduate has proved an out and out failure.

2. The downfall of the Turkish Empire will be a calamity for the entire Muslim world.

3. The future of Islam is bright.

4. The Aligarh spirit is nothing but mockery.

5. The Islamia College of Peshawar is a step in the wrong direction.

6. The recent change in the combination of subjects in the Allahabad University will do immense good to students.

7. The granting of a representative assembly without the concessions of liberty of public meeting, liberty of association, liberty of press and a Habeas Corpus Act, is granting a horse without any legs.

8. Politics should not be a foreign subject to students.

9. The introduction of the policy of decentralisation in the Indian government is essential for its administrative efficiency and future prosperity.

10. The proposed Hindu and Moslem universities will be detrimental to the growth of an Indian nationality.

11. The *pardah* system is and will be detrimental to the progress of India.

12. The Muslim university is not the crying need of the community.

thousand only. The select committee however decided not to sell the old building, but first to make necessary enquiry about the said debt, and if it is found legitimate, to approach the Honorary Secretary with the request that the Club, which cannot hope to pay the debt for a long time, may be excused from its payment. A special committee was also formed to take necessary measures, but no practical work could be done till present.

Union Rent.

School and College classes were also temporarily allowed to be held in the Union premises in so far as they were not likely to interfere with the enjoyment of the Club life and on the explicit understanding that the Club will be given a reasonable rent in return. The terms are however yet to be settled with the College and School authorities.

Thanks.

The Vice-President concludes his report with an expression of heartfelt thanks to all his colleagues and to the Honorary Secretary Mr. Shah Alam Khan and the Honorary Librarian Mr. Abdur Rafey in particular, who by their co-operation rendered him great assistance in the execution of his duties. He also sincerely thanks the honourable members of the House for the generous support which they ever lent him to accelerate the progress of the Club work.

As at an English dinner, the sweetest comes last, so in this report, lastly, grateful thanks are offered to the President Mr. J. H. Towle, and the officiating President Dr. Zia-ud-din Ahmad for the keen and active interest which they always showed in the progress of the Union Club and

cannot be removed without a fresh construction of the roof at considerable expense. Also the stairs made of loose bricks badly need to be covered with stone slabs.

Four electric fans were hung up in the Union Hall last summer, but afterwards according to the order of the Honorary Secretary they had to be removed to a College lecture room for which they were originally intended. Whereupon a petition was presented through Prince Hamid-ulla Khan to Her Highness the Begam of Bhopal, the donor of the College electric installation, begging Her Highness graciously to award sixteen electric fans to the Union Club. Although no formal order was received, Prince Hamid-ulla Khan wrote a reply in which he promised to try to obtain the grant of fans this year and hoped to succeed in his attempt. Depending upon Her Highness's well-known generosity and deep attachment to the Aligarh College, it may be confidently hoped that if Prince Hamid-ulla Khan kindly bring to Her Highness's gracious notice the need of electric fans to the Club, his hope of last year will be the accomplished fact of this year.

UNION DEBT.

Information has been several times received from the Honorary Secretary's office that the Club owes the College a sum of ten thousand rupees in connection with the new building expenditure. It was settled in the days of Nawab Viqar-ul-Mulk that the rent of the old Union Building which is used as Honorary Secretary's office at present should be made to counter the interest on the College loan. Nawab Haji Muhammad Ishaq Khan Sahib, the present Honorary Secretary, proposed to buy the old building for three thousand rupees and thereby to reduce the debt to seven

Urdu speakers and English essay writer respectively. The prizes are named Said-Morison and the names of their winners are recorded on notice boards. A unanimous vote of thanks to the donor was passed by the House in the summer term, 7th June 1913.

EXPENDITURE.

It will appear from the financial statement appended to this report that no less than one-fourth of the yearly income was thus spent on the unprecedented item of Parks, and still all the ordinary expenses were to be met out of the remaining three-fourths only. A good deal of old club furniture, which was growing unfit for use, such as chairs, sofas and pictures, was repaired. Ten chairs, five small tables, one office *dari*, and several other articles indispensable for office use such as record box, despatch box, table covers and decent stationery were also added to the Union property.

After giving a brief account of the work done during the year, it will not perhaps be out of place to say a few words about the work which is yet to be accomplished and which demands early and serious attention.

RULES.

The need of the revision and improvement of the Club rules has since long been felt. The retiring officers owing to some unforeseen obstacles could do no more than constituting a sub-committee to draft rules to be placed before the house; it is however hoped that this long deferred work will be taken up by the new ministry at the first opportunity.

BUILDING.

During the rainy reason the roof of the building is found leaking at many places, and it is estimated that this defect

attention of the members for the several years past. Accordingly a well-planned garden was laid out early in 1913, and although unfortunately scarcity of rain last summer seriously retarded its progress, surroundings during the last few months are improved beyond recognition. The members wait with keenness for the time when it will be possible for the college authorities to remove the neighbouring bungalows, so that the garden will be extended to proper dimensions. Genuine thanks should be offered to Mr. Sarfraz Khan, an old boy, a trustee and the secretary of the Building Department, who very kindly devoted a good deal of his time, attention, and authority to the furtherance of the improvement schêmes, and without whose ready assistance the garden would have been still a proper scheme.

VISITORS.

The Club was honoured by the formal and private visits of guests like Sir T. Morison, the Hon'ble Mr. Justice Abdur Rahim, Sir Reginald Craddock and Dr. Mukhtar Ahmad Ansari, Director of the All-India Medical Mission, who also kindly presented a valuable album of Turkish pictures to the Union Library, and on the request of the Union authorities, they kindly accepted the Honorary Membership of the Club and left their autographs in a note book recently instituted for that porpose.

PRIZES.

In honour of Mr. T. Morison's visit of 1913.

Nawab Hafiz Ahmad Said Khan, Rais of Chhatari, a trustee of the Aligarh College, kindly granted the Club a permanent annual donation of Rs. 100, out of which a gold medal worth Rs. 40, a medal worth Rs. 20, and a prize of Rs. 40 will be every year awarded to the best English and

Reading-Room.

The total number of papers received in the Club is 51 as follows :—

Indian—

Dailies—8.	Weeklies—11.
Bi-weeklies—2.	Monthlies—15.

Foreign papers and Magazines—15.

It was found only in 1913 that the Club owed subscription to some papers even for some past years and therefore about one hundred rupees were paid to clear the past account. Regular account books and files have been placed in the library to avoid any future irregularity in the payment. Valuable pictures of illustrated papers are exhibited in glass shelves and on every fresh supply they are transferred to the library for sale. The Vice-President may be excused, if with regret, he feels compelled to invite the attention of the House to the necessity of discontinuing at the first moment baneful and yet current practice of tearing away valuable articles from papers.

Indoor Games.

As a mark of genuine sympathy with the Turks in their reverses of the Balkan war, indoor games were stopped for a large part of the year. It was only after the long vacation in November that they were again started on a modest scale. It seems necessary to send for some compendiums to provide a great variety of games. Fine new teapoys have been placed in the game room to give the members better opportunity of playing cards, chess and the like.

Garden.

The necessity of improving the barren and dusty surroundings of the union had been hard pressing upon the

Mr. Dunnicliff and Master Saadat Ali Khan Sahib, who devoted a good deal of their valuable time to the coaching of students and to the general get up of the entertainment.

LIBRARY.

It appears from the Librarian's report that the total number of books during the year rose from 1,326 to 1,466. The newly added 140 books, a list of which is appended to this report, mostly relate to the current economic and social problems of the country, to the lives of several eminent Indians and also to the art of public speaking, as illustrated by notable utterances. Moreover about seventy old volumes were also got rebound. Still there are in the library some old volumes which have grown quite unfit for use and which therefore should be disposed of by sale and replaced by new books. It has been found by experience that the library work, if it is to be carried on properly, demands more time and attention than a single student can spare. The work is likely to suffer, unless the librarian is regularly assisted by some cabinet members. It may be mentioned to the credit of the librarian that he secured perfect regularity in the return of books by getting Rule 71 enforced whenever necessary. He also prepared a new up-to-date catalogue of books and improved the internal organisation of the library in various respects. The annual report of the librarian, which is left in the office, deserves the New Ministry's careful consideration, because it is full of very valuable information and useful suggestions about the improvement of the library, of which he has got one year's intimate knowledge and practical experience. Attention may be also here invited to the necessity of getting the library catalogue published for convenient reference.

debates of the session in which even some prominent old boys and trustees took part were held on the following subjects :—

(1) پودا نہیں پھول کا علیگڈھ کالج * گلدان میں مسلموں کا گلدستہ ھے

(2) The Muslim University is not the crying need of the community.

They were proposed respectively by Mr. Kalb-e-Abbas Naqvi, B.A., and by Mr. Abdur Rahman Siddiqi, B.A., an ex-Vice-President, and both were carried by a large majority.

COMPETITION.

The Annual Speaking Competition was finished in six meetings. Out of about forty competitions, nine were awarded ten prizes for the highest efficiency of English and Urdu, premeditated and extempore speeches on various subjects.

PENNY READING.

The Club gave two Penny Readings in the summer term. Besides recitations, scenes from Julius Cæsar, The Rivals, "A queer Tutor", The "Pickwick" Trial and an original and highly interesting Urdu play, Haji Baghlol, written by Mr. Mohamed Faruq, M.Sc., were performed. The part of Mr. Nur Mohamed, B.A., as Sergeant Buzfuz in the Pickwick Trial and of Mr. Mohamed Faruq as Haji Baghlol were unanimously declared to be most successful. Since Aligarh attracts students from almost all parts of the Muslim world, no less than twenty-four languages are at present found spoken and understood in the College and a most interesting feature of the second Penny Reading was the representation of almost all these languages by recitation. An Arabic recitation by a school boy, Mohamed Faruq was very highly appreciated. Special thanks are due to

infused a new life here. We could never have for a moment contemplated starting on a tour had we not been properly encouraged by Doctor Sahib and other members of the English staff who were good enough to play and teach us on our Minto ground.

In the end I cannot forbear mentioning the obligations I owe to Syed Wajid Husain, the General Captain, for all his kind advice and help in training my players.

I entertain a fervent hope that our General President of Football, Mr. A. G. Lias, will continue to be good enough to come over to the Minto ground and will turn the new recruits into veteran players.

FAIYAZ HUSAIN KHAN,
Football Captain, Minto Circle.

SIDDONS UNION CLUB ANNUAL REPORT.

[Submitted to the House on 7th February 1914 by the retiring Vice-President, Mohamed Elyas Burney, B.A.]

The Vice-President has the honour to submit the following annual report of the Siddons Union Club for the year 1913:—

MEMBERS.

The number of members during the year rose from 630 to 750 and that life Honorary Members from 70 to 120.

DEBATES.

Twenty-one debates as against sixteen of 1912 were held during the whole session, of which eight were conducted in Urdu and the rest in English. Current politics mostly provided the topics discussed. The attendance was in general fairly good. The two most interesting

With the help of three players who are now unfortunately transferred to the quadrangle, we started on 25th January on a tour for Bareilly, Rampur and Moradabad. The first halt was made at Bareilly where we played a match with the city selected team and defeated them by 2—0.

We reached Rampur on 27th January at 2-30 P.M., and played a match with the school eleven the same evening. In the beginning it was well contested but finally we defeatted them by 4—0.

At Moradabad we played with the "City Selected." We had a dash with the veterans who in the second half became a little out of control and played a very fast game. In the first half we scored three against none, but in the second half we had to accept one goal from them. Thus we defeated them by three to one.

I have to express my sincere thanks to our kind hosts at the above three places. At Bareilly we were the guests of our distinguished old boy Maulvi Qamar Ali Sahib, M.A., LL.B. In the evening a sumptuous dinner was also given by Hon'ble Asghar Ali Khan Sahib, B.A., LL.B., and Chairman of the place.

At Rampur through the kindness of our Honorary Secretary, Nawab Sahib Bahadur, we were lavishly entertained as a State guest. Nawab Doolah Sahib was kind enough to devote four hours to showing us all the noteworthy things of the place.

At Moradabad we enjoyed the company of our old boy and trustee Mr. Yaqoob Ali Sahib, Vakil. To all these gentlemen the best thanks of all the players are due.

We are highly indebted to Dr. Zia-ud-din Ahmad who takes a keen interest in the Minto Circle affairs and has

he had heard one or two speeches His Excellency in a very few words expressed his great delight at the progress of the College, wished the students all good luck under the able guidance of their Principal Mr. Towle and bade good bye to his hearers.

* * * * *

We are happy to state that His Excellency has left Aligarh with the best impression.

THE MINTO CIRCLE FOOTBALL ELEVEN ON TOUR.

In 1909 when the first block of the Minto Circle was colonized it accommodated only about fifty students. When the examinees, in the month of April, left for their homes, the remaining minority was removed to the quadrangle. The boarding house then served no purpose better than a *sarai.*

In 1911 when the sister block (Minto new) was ready to shelter some more, the number soon increased to about 120.

Mr. D. Reynell, then tutor of " Minto Old," for the last few years has tried his best to procure something for us. We are thankful to him that in the end, after three years' endeavour, he was successful in obtaining assistance from the General Captains for us, and encouraged us by taking part himself in the games.

From the year 1913 a new era began in the history of the College. All the four blocks were completed to form the Minto Circle with accommodation for nearly 250 students, though at present only 220 reside here.

Having free intercourse with the members of the staff and first eleven football players who, every now and then, played with us on our own ground we were able to make a good show.

small section of them had adopted not an altogether praiseworthy sportsmanlike spirit. Our bowlers, it was confessed by them, were the worst sufferers. We will not follow, in this, the time-honoured custom of holding school boys responsible for it: our remark is a general one. But we personally know cases in which the lead was certainly not taken by the Zahur ward boys. We hope to see better temper next time."

* * * * *

On the 7th February the installation ceremony of the officers of the Union took place. The Hall was packed to the full and there was a good gathering of guests. The President, who was in the chair, after performing the ceremony with the few formalities it has, called upon the retiring Vice-President to read his annual report. This finished, the address of the in-coming Vice-President, who could not be present owing to illness, was read by Mr. Abdur Rahim, ex-Vice-President. The new ministry was welcomed by Mr. Shah Alam, the retiring Secretary, in a semi-humorous speech. Mr. Muzaffar Husain Khan, the new Secretary, replied in a few well chosen words.

* * * * *

We were honoured with a private visit to the College from His Excellency Khalil Khalid Beg, the Turkish Consul General. He was the guest of Nawab Haji Mohamed Ishaq Khan Sahib and was taken round the College by him. While passing along the Cricket field he stopped at the pavilion for some time to watch the Jhalawar Match. Later on, in the evening, at the request of the authorities, he attended the debate in the Union where he was garlanded. The Principal in a few choice words requested His Excellency to sign the Visitors' Book and accept the honorary membership of the Union which he willingly did. After

On the 6th February the annual Tennis dinner presided over by Mr. Fergusson, the President, was held in the Strachey Hall. There were many guests and it was a successful function. We are glad the Club is doing well in spite of the scanty support it receives from the College.

* * * * *

The Cricket Club has been having a busy time. In this month they played here two matches against the Jaipur Club and the Jhalawar Team and were successful in both. The Jaipur Club was defeated by an innings and the Jhalawar Team by four wickets and 200 runs. The Jhalawar Match was keenly watched by the whole College and created a great amount of interest. These are happy signs of the reawakening of our Cricket. We wait to hear more of the club from the Captain. Our thanks are due to Messrs. Salam-ud-din and Ali Hasan who came here at much personal inconvenience to take part in the Jhalawar Match.

* * * * *

The success of our cricketers at Delhi was celebrated by the Honorary Secretary of the College by inviting the players to a dinner given by him in their honour on the 9th February at his residence. Some of our Professors also attended it. The good thing about it was that every player had to make an after-dinner speech—not necessarily in praise of the host or the cricket. Some of the attempts did not fail to keep up the requisite standard of mirth.

* * * * *

"*Apropos* the cricket match," writes a correspondent, " while it must be admitted that the treatment of the spectators to the opposite side was generally very fair and that their good play was now and then freely admired, yet a

Syed Mahmood Court (East Side) and was witnessed by a large number of spectators. The latter won by 3—1 goals. The game was very interesting and the winners showed rather a fine combination.

* * * * *

On the Syed Mahmood Court side Rahmat Khan (Left Full Back) and Altaf (Left in) and Mustafa showed good pluck and coolness in trying moments, while Imam-ud-din (Centre Half), Fateh Mohamed Khan (Right in) and Mahbub Alam (Captain) did much for their side.

* * * * *

At the close of the game the Hockey Cup was given away to the winners by Mr. Marris for whom three lusty cheers were called by the Captain.

* * * * *

The Final Football League Match also took place on the 7th February between the Sir Syed Court (West) and Sir Syed Court (East). It was witnessed by a large crowd of spectators. The President and the Captain were 'at home' to Kunwar Maharaj Singh who is an old friend and a staunch supporter of the Football Club. A good number of the guests responded to their invitation. The Match was well contested and occasionally exciting. Sir Syed West won by 2—1 goals. Khaliq (Left Back) of the Sir Syed West played a good defensive game while Aziz Abbas (Centre Half) and Sher Zaman (Left Back) of Sir Syed East are worth mentioning for their exertions. The Kunwar Sahib gave away the cup to the winners and three very hearty cheers were given to him. On the following day a group-photo of the Football players with the Kunwar and the members of the staff was taken. The Captain is so much pleased with the work of the photographer that he is taking steps to induce every Footballer to order a copy.

* * * *

The Aligarh Monthly.

Vol. XII. } February 1914. { No. 2.

NOTES AND NEWS.

WE are glad to state that Mr. Towle safely reached Aligarh and took over his charge on the morning of the 4th February. In spite of the inconvenient hour of his arrival there was at the station a good representative gathering to receive him. On alighting from the train he was garlanded by Dr. Zia-ud-din on behalf of the members of the staff and by the Senior House Monitor on behalf of the boys. After he had met with all those present, he was driven to his bungalow, escorted by the College Riding Squad which was in readiness practically the whole night. The great warmth with which the Principal has been received, is a practical proof of the love of the undergraduate for him and the sympathy everyone had for him during his illness.

* * * * *

In the last General Meeting of the Trustees Nawab Shams-ul-Huda, Member of the Bengal Executive Council, Mr. Mohamed Ali Jinnah, Barrister-at-law, of Bombay, Mr. Mazhar-ul-Haq of Bankipore, Dr. M. A. Ansari of Delhi and Maulvi Mahbub Allam Sahib of Lahore, were elected Trustees of the College to fill the vacancies that occurred in 1913.

* * * * *

On the 3rd February the Final Hockey League Match was played off between Sir Syed Court (East Side) and

[REGISTERED NO. A.-234.]

THE ALIGARH MONTHLY.

VOL. XII. No. } February 1914. { Annual Subscription, Rs. 4. Post Free. Single Copy, As. 6.

No. CONTENTS OF ENGLISH SECTION. PAGE.

[For contents of Urdu section, see back cover.]

Allahabad:

Printed by Bishambher Nath Bhargava, at the Standard Press.

Publisher:—David Auchterlonie, M.A., Professor, M. A.-O. College, Aligarh.

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۳۴

علیگڈھ منتھلی

قیمت سالانہ للعہ مع محصول ڈاک قیمت فی رسالہ مرادی ۶ر	بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۴ء	نمبر ۱ جلد ۱۲

مقام اشاعت مدرستہ العلوم علیگڈھ

فہرست مضامین حصہ اُردو

پبلشر۔ مسٹر ڈی۔ آکٹرلونی۔ ایم۔ اے۔ پروفیسر مدرستہ العلوم علیگڈھ
اسسٹنٹ اڈیٹر۔ قاضی جلال الدین صاحب ماسٹر مدرستہ العلوم علیگڈھ
باہتمام بابو شمبھر ناتھ صاحب بھارگو
در اسٹینڈرڈ پریس الہ آباد طبع شد

شرحِ چھپائی اشتہارات حصّہ اُردو

ایک صفحہ	واسطے ایک سال کے	۲۴ روپیہ
دو	واسطے نصف سال کے	۱۲ روپیہ
دو	واسطے تین ماہ کے	۷ روپیہ
دو	واسطے ایک ماہ کے	۲ روپیہ ۸ آنہ

نصف صفحہ کے لئے مذکورہ بالا شرح کا نصف لیا جاویگا اور نصف صفحہ سے کم ہونے کی صورت مین بھی نصف صفحہ کی اُجرت لیجائیگی اُجرت ہمیشہ پیشگی وصول ہوگی۔

دی آکٹرلونی۔ ایم۔ اے منیجر

علیگڈھ منتھلی مدرستہ العلوم علیگڈھ

علیگڈھ منتھلی

قیمت سالانہ للعہ محصولڈاک قیمت فی رسالہ مرادی ۶ر	بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۴ع	نمبر ۱ جلد ۱۲

معلومات عامہ از اردو انسائیکلوپیڈیا

مؤلفہ اسسٹنٹ ایڈیٹر منتھلی

(ترتیب تفصیلی بحساب حروف تہجی کتابی صورت مین کیجاویگی)

اکاونٹینٹ۔ (Accountant) یا محاسب وہ شخص ہے جو کسی کمپنی تجارت یا ریلوے۔ یا کارخانے۔ یا انجمن یا کسی محکمہ کے حساب کتاب کی عام آمد و خرچ کی کتابون کو بہی کھاتہ کے اصول پر بھرنے۔ میزانین لگانے اور فرد بقایا اور گوشوارہ مجمل تیار کرنے کی پوری مہارت اور قابلیت رکھتا ہو۔ اور دوسرون کی تیار کی ہوئی بہی کھاتہ کو جانچ سکتا ہو۔

آڈیٹر۔ یعنی حساب کتاب کی تفصیلات اور رقوم اور رسیدات کو جانچنے والا۔

لغوی طور پر انگریزی مین لفظ آڈٹ کے معنی سننے کے ہین۔ ہر لایق اور سندیافتہ اکاونٹینٹ آڈیٹر ہوسکتا ہے۔ اِنکے فرایض تین ہوتے ہین (۱) اندراج رقومات کی صحت اور خیانت چالاکی دھوکہ دہی اور غبن کی گرفت (۲) تحریری اور سہوی غلطیون کی پکڑ (۳) اصولی غلطیونکا انکشاف

ڈایرکٹر کمپنیان عموماً ہر سالانہ جلسہ پر آڈیٹر پیشگی نامزد کردیتی ہین اور حصہ دارون کو اُنھین قبول کرنا ہوتا ہے۔ نتیجہ اِس طریق انتخاب کا یہہ ہوتا ہے کہ آڈیٹر لوگ ڈایرکٹرون کے حامی اور جنبہ دار ہوتے ہین حصہ دارون سے ہمدردی کم ہوتی ہے۔ بالعموم ہمیشہ ایک ہی آڈیٹرونکو مقرر کرتے رہنا ڈایرکٹرون اور افسران محکمہ کے لئے مفید لیکن پبلک اور حصہ دارون کے لئے مضر ہوتا ہے۔ جانچ کہین سالانہ ہوتی ہے کہین ششماہانہ۔ مقرر یا نامزد شدہ آڈیٹر حصہ دارون کے قانونی قایمقام اور دراصل ڈایرکٹرون یعنی منتظمونکی جماعت پر نگرانی رکھنے والے متصور ہوتے ہین

۱۸۴۵ء مین پہلا قانون بنام زد کمپنیز کلازیز کنسالیڈیشن ایکٹ پارلیمنٹ سے پاس ہوا جسمین کمپنیون کی جانچ پڑتال کے لئے دفعات منظور کی گئین۔ اور آخری ایکٹ بنام "کمپنیز (کنسالیڈیشن) ایکٹ" ۱۹۰۸ء حال مین جاری ہوا۔ اسکی روسے ہر سالانہ جلسونمین ایک سال کے لئے آیندہ جلسہ تک آڈیٹر نامزد کرنے کا قانونی حق حاصل ہے۔ ہر آڈیٹر کو جب ضرورت یا خواہش ہو اختیار ہے کہ کمپنی کے تمام حسابات۔ رسیدات۔ اندراجات۔ اور تمسکات کو دیکھ سکے۔ اور ڈایرکٹرون کی جماعت سے جسے بورڈ کہتے ہین کوئی استفسار کرسکے سالانہ رپورٹ حصہ دارون کے لئے تیار کرے اور اسکا فرض ہے کہ مفصلہ ذیل تصدیق رپورٹ کیساتھ شامل کرے۔

(۱) یہہ کہ اُسنے تمام ضروری اطلاعین منتظمین سے دوران سال یا معائنہ مین حاصل کین یا نہ کرسکا۔

(۲) یہہ کہ آیا اسکی راے مین بیلنس شیٹ یعنی گوشوارہ بقایا محولہ رپورٹ صحیح طور پر بنایا گیا ہے جس سے کمپنی یا کارخانہ کی حالت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے (فرد بقایا اسیوقت صحیح ہوگی جب ایک ایک

پانی کا حساب صحیح درج ہوا ہو)۔

ایئرڈیل۔ ٹے ریئر کتا (Airedaleterrior) ٹے ریر کی تمام اقسام مین بجز بل ڈاگ ٹے ریئر کے سب سے بڑا وزن مین چالیس پونڈ ہوتا ہے۔ رنگ بھورا سیاہی مایل بال سخت سید ھے اور گھنے۔ بچپن مین سیاہ۔ بڑھکر بھورے۔ جان ومال کا محافظ اچھا رفیق اور دریائی کام کے لئے مناسب ہوتا ہے۔

اسکاٹلینڈ کا ٹے ریئر کتا۔ توانا۔ محنتی۔ چالاک۔ ۱۰ پونڈ سے لیکر ۲۰ پونڈ تک وزنی۔ رنگ سیاہ۔ فولادی۔ نیلا۔ مٹیالا۔ یا گندمی۔ بال موٹے اور چھوٹے۔ دم شگفتہ۔ سر گنبد نما۔ کان نوکدار۔ سینہ چوڑا۔ عادت مین ذرا ہٹیلا۔ غصیلا۔ لیکن فرمانبردار۔ محافظ مکان خوراک سادہ۔ چلت پھرت کا نہایت شایق۔

اَے بَینڈن منٹ۔ (Abandonment) یعنی دست برداری تجارتی اصطلاح مین محکمہ جہازرانی سے تعلق رکھتی ہے۔ جہاز معہ مال کے روانہ ہونے سے بیشتر بیمہ کی کمپنیونکے ہاتھ بیمہ کرالیا جاتا ہے۔ اگر وہ ڈوب گیا۔ یا بیٹھ گیا یا تصادم سے ٹوٹ گیا یا آتش زدگی سے بیکار ہوگیا تو مالک جہاز دست برداری لکھ دیتے ہین جس سے کوئی حق انکا جہاز یا بار جہاز پر باقی نہین رہتا۔ بیمہ والے اسکے اجزا یا مال کو نکلواتے اور بیچڈالتے ہین۔ مالک جہاز کو بیمہ کی کمپنی سے پورا روپیہ جہاز اور سامان کی قیمت کا ملجاتا ہے۔

آبیار خلط۔ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوے نوین منزل۔ پانی شیرین ملتا ہے۔

ابرہہ۔ حاکم یمن منجانب نجاشی۔ شاہ حبش۔ قبل از تولد حضرت محمد مصطفےٰ صلعم جسنے زایرین کعبہ کے حسن عقیدت نذرانون اور تحفون کی کثرت سے حسد کرکے صنعا صدر مقام یمن مین ایک عبادتخانہ بنوایا عظیم الشان مرصع بجواہر۔ اسکے گرد طواف کراتا۔ عرب نہین مانے۔ قبیلہ بنی کنانہ کے ایک شخص نے دھوکے سے خاکروبی کی خدمت کے بہانہ اِس عبادتخانہ کو نجس کر دیا اور حرم کے ایک قافلے سے وہ تمام و کمال جلگیا۔ لشکر معہ ۱۳ ہاتھیونکے جس مین

بڑا محمود نامی تھا۔ مکہ شریف پر چڑھائی کی۔ وادی محسر تک پہونچا جو حرم سے ۶ کوس ہے مکہ والے بھاگے صرف عبد المطلب باقی رہ گئے۔ آخر بلائے آسمانی سے تباہ ہوگیا سورہ الم تر کیف مین اسیطرف اشارہ ہے۔

اصحاب فیل - ابرہہ کا لشکر (دیکھو ابرہہ)

اولاد ابوطالب - علیؓ - طالب - عقیل - جعفر - ام ہانی - طلیون - حجانہ - متوم کی اولاد - ہند -

اولاد عباس - (حضرت) عبداللہ - فضل - کثیر - امینہ - صفیہ - ام حبیبہ - صبیح - مسہر - عبیداللہ - تمام - حرث - قثم - معبد - عبدالرحمن -

ماسٹر قاضی جلال الدین اسسٹنٹ ایڈیٹر علیگڈھ منتھلی اور ماسٹر سعاد تعلیخان صاحب اسسٹنٹ ماسٹر کالجیٹ اسکول کا مکالمہ

ایم - کے - جے - آپ نے دیکھا ہوگا کہ مین نے اڈیٹرانہ حیثیت سے ایک عام تنقید کرتے ہوئے آپ کا اس خلوص اور محبت کے بالعوض نومبر کی اشاعت مین شکریہ ادا کیا ہے جو آپ نے اپنے کالج کے کرکیٹ ٹیم کے ساتھ بمقام جھالرا پاٹن برتی مین چاہتا ہون اگر آپ اجازت دین تو چند امور متعلق ممبران ٹیم کا انکشاف کرسکون۔

ایم - ایس - خے - مین نے جھالرا پاٹن مین کوئی قابل شکریہ کام نہین کیا - یہہ آپکا محض اخلاق ہے کہ آپ نے اسے شکریہ کے الفاظ مین یاد کیا - وہان میرے ہوتے ہوے اپنے بچون کی خدمت میرا فرض عین تھا نہ کہ تواضع۔

ایم - کے - جے - کیا جھالرا پاٹن آپ کا دولتخانہ ہے۔

ایم - ایس - خے - جی نہین - دولت خانہ تو علیگڈھ ہی ہے البتہ غریب خانہ اُس

اُس ریاست مین ہے۔

ایم۔ کے۔ جے۔ میری توجہ زیادہ تر علیگڈھ ٹون اور ڈسپلن کی طرف ہے۔ فتح و شکست تو "نصیبون" سے ہوا کرتی ہے لیکن چال وچلن۔ لحاظ وادب۔ طور طریقہ۔ قاعدہ قرینہ۔ چال ڈھال۔ میزبانون سے برتاؤ۔ اجنبیون سے نبھاؤ وہ چیزین ہین جو اچھا یا بُرا اثر مستقل طور پر چھوڑ آتے ہین اور کسی انسٹی ٹیوشن کی شہرت اور نیکنامی کا انحصار اِسکے ممبرون کے شریفانہ رویہ پر منحصر ہے اور جس لئے ہمارا کالج معزز و ممتاز ہے۔

ایم۔ ایس۔ خ۔ ہمارے طلبہ کا برتاؤ اول سے آخر تک ایسا شریفانہ رہا ہے جس سے زیادہ توقع نہین کیجا سکتی تھی آپ اطمینان رکھین کہ جھالرا پاٹن اور اوسکے قرب و جوار مین (اور جگہ کا حال نہین معلوم) تو ہمارے لڑکے ایسا کھیلے اور ایسا برتے کہ سالہا سال کے لئے علیگڈھ کا نام محبت کے ساتھ وہان کے باشندے لیتے رہینگے۔ اور کیا چاہئے۔ مجھ سے بہت سے لوگون نے کہا ہے کہ ہم اپنے بچون کو اسی کالج مین بھیجنا چاہتے ہین جہان شریف زادے اسیطرح میدان و بزم کی تربیت پاتے ہین۔

ایم۔ کے۔ جے۔ اگر جھالرا پاٹن کی ٹیم معمولی تھی تو ہمین وہان کے کھیل مین کوئی فخر نہین۔

ایم۔ ایس۔ خ۔ نہین جناب ریاست کی ٹیم ہندوستان کے زبردست کرکیٹ ٹیمون مین سے ہے اور آپ خیال فرما سکتے ہین کہ جہان کا والی ملک خود بنفس نفیس حصہ لیتا ہو وہ کسقدر زبردست ٹیم ہوسکتی ہے۔ اسلئے اِن سے برابر رہنا یا میچ کا غیر مختتم ہونا یا جیت لینا معمولی بات نہین ہے۔ بارش نے ۳۰ نومبر کا دن ضائع کر دیا ورنہ زیادہ لطف رہتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ بارش نہ بھی ہوتی تب بھی میچ ختم نہ ہوسکتی تھی۔

ایم۔ کے۔ جے۔ کھیل مین جناب کی راے مین کیا خصوصیت رہی۔

ایم۔ ایس۔ خ۔ خصوصیت کی یہہ بات تھی کہ تقریباً ہر کھلاڑی نے ۱۸ یا ۲۰ رن

کئے اور جیسا بیٹنگ اچھا تھا اِس سے زیادہ بولنگ اور فیلڈنگ خوبصورت تھا یہہ خصوصیت مین نے اسی اپنی ٹیم مین دیکھی ہے کہ ہر ممبر اسکا بولر بھی ہے مسٹر فیر سروس کی گیند گو سخت نہین ہوتی لیکن وکٹ افگنی مین کمال رکھتی ہے عزیزان خان محمد خان اور مصلح الدین کی گیندین تہلکہ انداز ہوتی ہین مسٹر عبدالسلام کی بولنگ بھی قابل دید اور قابل داد تھی۔ فیلڈنگ کا خلاصہ یہہ ہے کہ جھالاوار ٹیم دو تین باونڈریون سے زیادہ نہ لگا سکی۔ مسٹر عبدالجلیل کا ایک کیچ نہایت ہی خوبصورت سمجھا گیا۔

ایم۔ کے۔ جے۔ اور ڈسپلن؟

ایم۔ ایس۔ خے۔ واہ واہ! واللہ اسکی نہ پوچھیے کسی کو کسی کام مین عذر نہین تھا۔ ایک دوسرے کا احترام کرتا تھا۔ نہ پارٹی فیلنگ۔ نہ جتھا بندی۔ نہ ذاتیات کی بحث اور نہ خود غرضی کی رمق۔ صرف ایک خیال مین سب غرق۔ یعنی اسلامی اخلاق کا قیام اور کالج کا نام۔ جو کھلائے نہ گئے تھے اونھین بھی مطلق شکایت نہوئی یہہ سب خوبی ہمارے ہردلعزیز اور معزز کپتان صاحبزادہ حمید اللہ خانصاحب پرنس آف بھوپال کی توجہ پر مبنی ہے جو فی الواقع قابل مشکوری ہے۔ اُنھون نے کسی فرد واحد سے خصوصیت کا برتاؤ نہین کیا۔ ہر ممبر ٹیم انکو اپنا مخلص ہمدرد اور سچّا دوست سمجھتا ہے۔ مسٹر فیر سروس نے بھی اپنی خوش آیند برتاؤ سے طلبہ مین نہایت ہردلعزیزی حاصل کرلی تھی۔ ماسٹر ولی محمد صاحب کی شفقت اور الفت بھی قابل ممنونی ہے۔

ایم۔ کے۔ جے۔ درباری امرا اندرسری دربار کے ساتھ کیسے تعلقات رہے؟

ایم۔ ایس۔ خے۔ نہایت قابل تحسین و آفرین۔ ہمارے لڑکے ہر اک شخص سے کامل ادب اور اخلاق کے ساتھ ملتے تھے۔ اور ہر جگہ کے قاعدے اور قرینہ کو ملحوظ رکھتے تھے۔ درباری پگڑی اِنکے پاس نہ تھی لیکن حضور ہز ہائنس نے انکے اپنے لباس مین ملنے کی بخوشی تمام اجازت دے رکھی تھی۔ انکے مودّبانہ رویہ سے نہ صرف راج رانا سری دربار

بھوانی سنگھ صاحب بہادر جو ہمارے میزبان کرم تھے خوش رہے بلکہ تمام عمایداور اہل شہر بھی گرویدہ نظر آتے تھے۔ مسٹر ولسن صاحب مائننگ انجینیر اور کرنل کارڈ ہاٹ صاحب ایجنسی سرجن انکی تہذیب کے مدّاح تھے حتیٰ کہ وہ تمام ملازمین بھی جو انکی خدمت پر مامور تھے ایک عرصہ تک مدّاح رہینگے

ایم۔کے۔جے۔ مجھے امید ہے کہ آپکے یہ جملے فرط ہمدردی کے باوجود مبالغہ سے بالکل پاک ہونگے۔

ایم۔ایس۔خے۔ استغفراللہ! جناب من۔ اگر میرے اپنے کالج کے لڑکے نہ ہوتے تو مین انکی ایک ایک بات کی تفصیل کرتا۔ یہہ جو کچھ مجملاً کہہ رہا ہون اسی لئے کہ انکی تعریف خودستائی سے ہوجاتی ہے لیکن یہہ بھی زیادتی ہے کہ خودستائی کے خوف سے امر حق کو چھپایا جاوے۔

ایم۔کے۔جے۔ جھالاوارٹیم مین کون کون خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہین؟

ایم۔ایس۔خے۔ انمین ایک سے ایک بڑھکر ہے۔ لیکن پھر بھی مسٹر گندادھر اور مسٹر جوشی اور مسٹر سی لال کپتان نہایت اعلیٰ درجہ کے مشہور کھلاڑی ہین یہہ لوگ اتفاق سے آوٹ ہوگئے ورنہ بہت سے رن بنلاتے۔ آخر مین پیارے خان اور کرشن سنگھ جم گئے تھے لیکن وقت ختم ہونے کے باعث واپس ہوے۔

ایم۔کے۔جے۔ ہمکو بیحد ممنون ہونا چاہیئے کہ ریاست نے ہمارے لڑکون کی کافی خاطر و مدارات کی۔

ایم۔ایس۔خے۔ فی الواقع درست ہے راج رانا بہادر نے اس خوبی سے مدارات انتظام کیا تھا کہ کسی قسم کی تکلیف کسی کو نہوئی۔ ہم اسوقع پر ٹھاکر امراؤ سنگھ صاحب جو ج رانا صاحب کے ایڈیکانگ ہین اور جنھون نے اس تمام انتظام مین بڑی زحمت اوٹھائی رعبداللطیف خانصاحب منصرم کارخانہ جات کا شکریہ ادا کئے بغیر نہین رہ سکتے۔

راج راناصاحب کی مہمان نوازی اورسیرچشمی محتاج بیان نہین حقیقت یہہ ہے۔ اس سب کچھ پربھی راجہ راناصاحب کی طبیعت سیر نہوئی آن ممدوح کی خواہش تھی کہ صاحبزادہ صاحب کواورکل ٹیم کو ابھی کچھ دن اور ٹھہرائین بالخصوص یکم دسمبر کو جوآن ممدوح کی سالگرہ کادن ہے اورجشن سالگرہ مین شریک کرین لیکن صاحبزادہ صاحب کی پوبو لوٹرنمنٹ کی تاریخ کی وجہ سے روانگی ضروری تھی اوربوجہ محرم کاچاند ہوجانے کے ٹیم نہ ٹھہرسکی اسلئے تمام کھیل تماشہ جوخاص طورسے انلوگون کے لئے درست کرائے گئے تھے ملتوی کردئے گئے۔ اورایک طرح سے راج راناصاحب کے ارمان دل ہی مین رہ گئے۔

آخرمین راج راناصاحب نے یہہ فرمایاکہ اب جھالاواڑآناایک سالانہ معمول ہوناچاہئے یعنی جب کبھی کالج کی ٹیم باہرجاوے ایک میچ جھالراپاٹن مین بھی ضرورہو جسکے جواب مین صاحبزادہ صاحب نے راج راناصاحب کی ٹیم کوجنوری یافروری مین علیگڈھ میچ کھیلنے کے لئے مدعوکیااوراسکوراج راناصاحب نے بخوشی منظورفرمایا۔ اسلئے اُمید ہے کہ اب آپکو بھی راج راناصاحب کے شمائل حسنہ اوراوصاف حمیدہ دیکھنے کاموقع ملجاوے گا۔

ایم۔ کے۔ جے۔ ماسٹرصاحب مین آپ کااِس تکلیف دہی پربیحد ممنون ہون۔

ایم۔ ایس۔ کے۔ جی نہین یہہ تکلیف نہین میرے لئے عین راحت تھی مین خود آپ کاممنون ہون کہ آپ نے مجھے اظہارامرحق کاموقع دیا۔

ایم۔ کے۔ جے۔ یہہ تومیرافرض تھاکہ آپ کی وہان کی موجودگی سے استفادہ حاصل کرون مین حقیقت مین آپ کادل سے ممنون ہون۔

۹

فطرت انسانی کی کرتوت

نمبر ۲

ازبدر الحسن صاحب جلالی

دورہ عالم مدتون ایک ہی شان کے ساتھ جاری رہا۔ اسوقت جبکہ صبح کا سہانا وقت ہے اور لیلائے شب نے پوری طور سے اپنی لانبی زلفون کو سمیٹکر رخت تاریکی اور اور سامان خاموشی کو باندھکر ملک عدم کا راستہ پکڑا ہے نسیم سحری نے اون باقیماندہ ابر کے ٹکڑون جورات کے سامان سفر سے بچکر تمام آسمان پر بکھر گئے تھے اپنے تھپیڑون سے مارمار کر ایک ایک کر کے معدوم کر دیا ہے شہنشاہ خاور کی آمد آمد کا غلغلہ سنکر پرندون نے شور الحیات برپا کیا ہے لشکر شعاع پیش خیمہ لئے ہوئے قلعہ افق سے نمودار ہونے لگا ہے فوج ثابت سیارہ ہائے آسمانی سے جھرمٹ کھاکر باقاعدہ واپسی کی قواعد کو مدنظر رکھتے ہوئے گوشۂ مغرب مین پناہ لی ہے۔ شفق کا خونی چہرہ بھی آفتاب مشرقی کے عدل و انصاف کے خوف سے زرد پڑنے لگا ہے۔ ہم دو چھوٹے چھوٹے بچون کو لاؤ بالی شان کے ساتھ دست بدست ایک پرفضا میدان مین دیکھتے ہین جسمین بعض بعض جگہ چند قلیل الجسامت جھونپڑیان پتون اور شاخون کی بنی ہوئی نظر آتی ہین۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے جنگلی میوہ دار درختون کے جھنڈ کے جھنڈ گھرا سایہ زمین پر ڈال رہے ہین مختلف قسم کے پھول اپنی لچکدار شاخون پر متانت اور آزادی کے ساتھ بیٹھے جھوم رہے ہین۔ بعض بے اختیار شدت پیاس مین ندیا کی دھار پر جو اونکی جڑون اور شاخون کو سیراب کرتا ہوا آہستہ آہستہ بہتا ہوا چلتا ہے جھکے ہوے ہین اور اپنے خشک لبون کو ترکر رہے ہین۔ ایک بچہ جسکے ہاتھ مین ایک سفید انگورون کا خوشہ ہے جسکو اوسنے ابھی ابھی سامنے والے درخت سے توڑا ہے اپنے دوسرے ساتھی کو دکھا رہا ہے۔ اسکا نام سادگی ہے

دوسرے بچّہ کا نام حیا ہے دونون نہایت خوبصورت چاند کے ٹکڑے جیند ے آفتاب چیندے ماہتاب یا پرانی کہانیون کی زبان کو مدنظر رکھتے ہوے یون کہئے کہ ٹھوڑی پر تارہ ماتھے پہ چاند ایک دوسرے کے گلبہیان ڈالے ہوے پٹر پٹر باتین بناتے ہوے خوشی خوشی ایک طرف کو جارہے ہین جہان اور بچے کھیل کود مین مشغول ہین۔ کوئی مٹی کا گھروندا بنا رہا تھا۔ کوئی دائی چھونے کے پرانے کھیل مین مشغول تھا۔ اور ٹن کہٹولے کی کہانیان ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے سب کی پیشانیان روشن چہرہ سے بے فکری عیان بھوک لگی اور جنگل درختون کے میوہ سے اس ازلی غلبہ کو مٹالیا۔ کہ اتنے مین سادگی بھولے بھولے منھ سے اپنی ساتھی حیا سے یون کہنے لگی۔

سادگی۔ بہنا دیکھو تو یہہ انگورون کا گچھا بالکل پک گیا ہے۔ تم کو کیا یہہ انگور برے لگتے ہین۔

حیا۔ ہان انکا شوخ رنگ مجھے گھور گھور کے دیکھتا ہے جس سے مجھے شرم آتی ہے۔

سادگی۔ ارے توبہ۔ اچھا تو تم سیب کھایا کرو۔ دیکھو وہ بھی تو پک گئے ہین۔

حیا۔ نہین مین اسکو بھی پسند نہین کرتی۔ کیونکہ اسکا رنگ بھی سُرخ ہے۔ مین تو سچ کہتی ہون کہ مین بھوکی ہی اچھی رہتی ہون۔

اسی اثنا مین ایک بچہ جو نہایت بھولا بھالا تیلا چھریرا سانولا رنگ آنکھین بڑی بڑی انکے پاس آیا۔ جسکو دیکھکر سادگی پھر بولی۔

سادگی۔ لو بہیا قانع بھی آگئے اچھا ان سے پوچھون (قانع کی طرف مخاطب ہوکر) کیون بہیا تمکو کیا چیز اچھی لگتی ہے۔ انگور یا سیب۔

قانع۔ جو سچ پوچھو تو مجھے توجھربیری کے بیرہی اچھی معلوم ہوتی ہین۔ بلاسے وہ ہر جگہ مل تو جاتے ہین۔ یہہ کمبخت انگور تو منھ لگ کر پھر ملتے نہین۔

سادگی۔ اچھا یہہ تو بتلاؤ کہ ابھی کچھ دن ہوے یہہ انگور ہرے تھے پھر سفید کیون

ہو گئے اور بعض انہین سے کالے ہو گئے ہین۔

حیا (جو یہہ سب باتین سن رہی تھی چپکے سے بولی) اے تو یہ تمھین تو یہہ ہی باتین سوجھتی ہین چلو ہم بھی سب کے ساتھ کھیلین گے۔ اکیلا اکیلا برا معلوم ہوتا ہے۔

یہہ کہکر حیا نے تینون بچون کو ساتھ لیا اور اونہین بچون کے پاس چلی گئی۔

یہہ دونون قلانچین مارتے الھڑپنے کی چال چلتے ہوے اُنھین مین جا کر مل گئے۔ جنکا خیر مقدم نہایت جوش خروش کے ساتھ کیا گیا مختلف قسم کے سفید و سرخ پھولونکے تحفے پیش کیے گئے اور سب مل جل کر پھر گیت گانے اور کھیل کود مین مشغول ہو گئے۔ اور مختلف قسم کے میوؤن سے اپنی جھولیان بھر لین اور کھانے لگے یہہ سب بچے قریب قریب دشت کے تھے ہر ایک کا نام دوسرا جانتا اور اوسی نام سے پکارا جاتا تھا۔ دھوپ کی تیزی بڑھتی گئی آفتاب جسقدر افق سے بلند ہوتا جاتا تھا اِن بچون کے چہرہ پر مُردنی چھائی جاتی تھی آہ بیشک یہہ ہی ایک ظلم ناروا تھا جو اِن کمسنون کے سر پر بے محابا ٹوٹتا اور اِن بھولی بھالی صورتون کو پریشان کر دیتا مگر پھر دست رحمت اِنکے سرون پر کالی گھٹاؤن کا سایہ کر دیتا اور تھوڑی دیر کے لئے موسلا دھار مینھ کا تقاطر اِنکو اپنی سادہ جھونپڑیون مین پناہ لینے کیلئے مجبور کرتا مگر پھر بھی وہ اپنے اپنے جھونپڑون مین خوشیان مناتے اور اس باران رحمت کے نزول کا خیر مقدم کرتے اور شکر کے ترانے گاتے۔ (باقی دارد)

گورِ غریبان
اور
فنا

کل سوئے گورِ غریبان جو ہوا میرا گذر — ہوگیا پیشِ نظر عالمِ ہُو کا منظر

اپنی روداد سناتے تھے لحد کے کتبے — ایک افسانۂ عبرت تھے وہ خاموش کھنڈر

جنکے پرچم تھے فتحمندی و نصرت کی دلیل — جنکی شمشیر سے اقبال کے جھڑتے تھے ثمر
جنکی سطوت سے دلیرونکے تھے پتے پانی — جنکی ہیبت سے لرزجاتے تھے شیرون کے جگر
جنکے قبضے مین بر و بحر کی سلطانی تھی — جنکی چوکھٹ پہ جبین رکھتے تھے کسرئے قیصر
ناز تھا جن پہ جہانگیری و فتاحی کو — جنکی آواز پہ جھکتے تھے سلاطین کے سَر
جنکی عظمت کا جہان بھر مین بجا تھا ڈنکا — جنکا سکہ تھا روان دہر مین کشور کشور
نصب تھے تاج مین اور تخت مین جنکے الماس — اور سرِ چتر کھلے رہتے تھے زرین چھتر
جنکے ایوان تھے سر تا بہ فلک رفعت مین — زیب و زینت مین دلھن سے بھی کہین بڑھ چڑھکر
ماند تھی محفلِ جسم بزم طرب سے جن کی — شمع محفل تھے جہان اہلِ خرد اہلِ نظر
جنکے دروازہ سے دولت کا نشان ملتا تھا — کسی گنتی مین نہ تھے سیم و زر و لعل و گُہر
مستمندون کے لئے وقف تھی جنکی دولت — اک توجہ مین سنور جاتے تھے بگڑے ہوئے گھر
فکر تھی جنکی رسا جنکا ارادہ تھا صمیم — تھی ظفر جن سے قرین، اور نصیبا یاور
جنکی یہہ آن تھی، یہہ شان تھی یہہ شوکت تھی — جنکی تمکین سے تھی بزمِ جہان زیر و زبر

حیف، صد حیف، وہ تھے گورِ غریبان کے مکین — دفن تھے خاک مین اور خاک تھی اُن کے اوپر
اُنکی قبرون پر جو گنبد تھے، شکستہ تھے بہت — اینٹ مٹی سے، تو چونہ سے جدا تھا پتھر
بوم تھے گنبد شاہی کے نگہبانون مین — بیکسی مرثیہ خوان تھی، لحدِ شاہان پر

یہ سمان دیکھ مرا درد سے جی بھر آیا — اور وہین بیٹھ گیا خاک پہ مین تیورا کر

”وقت“ سے مین نے کہا پھر کہ یہ سارے کرتوت — ذاتِ والا ہی کے ہین، جو مجھے آتے ہین نظر
آپ کے دستِ تصرف نے بسایا ہے یہ شہر — آپ ہی کی ہے عنایت، جو یہ آباد ہین گھر

آپ کا سایہ بھی اک چھاؤن ہے ڈھلتی پھرتی
بات کی بات مین پھر جاتی ہے حضرت کی نظر
از رہِ لطف، کچھ اِس رمز سے کیجیے آگاہ
آپکی طینتِ منحوس مین کیون ہے یہہ اثر

"وقت" نے کچھ نہ دیا میرے سوالون کا جواب
اُسکے نزدیک تھی باتین مری سب پوچ و لچر
ایک پرواز مین جینیت وہ ہوا نظرون سے
اور مین رہ گیا ششدر، کفِ حسرت مل کر

اِس سے کچھ اور بڑھی، جب مری بیتابیِ دِل
اتفاقاً رخِ "شہرت" پہ پڑی جا کے نظر
مین نے شہرت سے کہا پھر کہ "ترا دنیا مین
نام رٹتا ہے" بصد شوق ہر اِک فردِ بشر
زندگی بخش ہے ہر سانس ترا مردون کو
روح پرور ہے تری ایک توجہ کی نظر
ہے تری راہِ طلب سب سے الگ سب سے جُدا
تجھ کو پاتے ہین ترے نام پہ سر کٹوا کر
تجھ سے سلجھے گا مرا عقدہ، ما لا ینحل
تجھ سے طے ہوگی، مری منزلِ دشوار گذر

کیا یہہ سب تیرے فدائی ہین جو یان سوتے ہین
چین کی نیند، نہین کچھ جنھین دنیا کی خبر
یہ غلط ہے، تو بتا اصل حقیقت کیا ہے
کِس کے ہاتھون ہوے یہہ شیر فگن زیر و زبر

بن پڑا اِسکا نہ "شہرت" سے بجُز "افسوس" جواب
شرم سے رنج سے، چُپ ہو گئی سب کچھ سنکر
دفعۃً شدتِ اندوہ سے کھینچی اِک آہ
"وقت" کیطرح سے لی وقت کی اِسنے بھی ڈگر
پھر وہی گنبدِ ویران تھے وہی مین تنہا
پھر وہی میرا جنون پھر وہی وحشت کا اثر

محو تھا، مین اِسی دھن مین کہ یہہ دیکھا مین نے
مُسکراتی ہوئی پھرتی ہے "فنا" قبرون پر
جسکے تیور سے ٹپکتا ہے غرور و نخوت
قدم اُٹھتا ہے بڑے ناز سے بل کھا کھا کر

سامنے جا کے کہا اس سے بھی مین نے کہ فنا
تو ہی بتلا مجھے اِس حال کی شاید ہو خبر
کِس نے اِس شہرِ خموشان کی بنا ڈالی ہے
خاک پر کِس نے بکھیرے ہین یہہ اعلی گوہر

سُنکے یہہ بات "فنا" مجھ سے ہوئی یون گویا
کیا ہوا پڑ گئے کیون تیری سمجھ پر پتھر
کِس مین قدرت ہے کرے گلشنِ عالم تاراج
کِس کی طاقت ہے کرے نظمِ جہان زیر و زبر
کِس کی ہستی ہے جو کہلائے خداوند جہان
ہان مگر، ایک خداوند خدائے اکبر
اُسکو زیبا ہے شہنشاہی کونین، کہ وہ
ایسا بے مثل ہے جسکا نہین کوئی ہمسر
اُسکی توحید کے گاتے ہین ترانے شب و روز
فرش سے عرش تلک حور و ملک جن و بشر
ذرّہ ذرّہ سے عیان شانِ خدائے یکتا
قطرہ قطرہ پہ روان حکم خدائے برتر
جسکو چاہے اُسے دنیا مین سرافراز کرے
جسکو چاہے اُسے ذلّت سے کرے خوار و تبر
جسکو چاہے اُسے دے سلطنت و تاج و سریر
جسکو چاہے وہ کرے "خاک نشین" "خاک بسر"
ہے بقا ایک اُسی ذات مقدس کو فقط
اور سب کے لئے ہے منزلِ فانی کا سفر
تاج والے ہی رہین گے، نہ یہان باجگذار
چل سکیگی نہ حکومت، نہ یہان زور نہ زر
اُسکی قدرت کا یہہ ادنےٰ سا کرشمہ ہے کہ مین
تاجِ شاہی پہ لگاتی ہون ہمیشہ ٹھوکر
خود "فنا" ہون مگر اورون کو فنا کرتی ہون
مجھ سے چھوٹےگا نہ دنیا مین کوئی فردِ بشر
کاہ سے کوہ تلک، جزو سے لے کر کُل تک
سب پہ چلتا ہے، عمل میرا، بفرمانِ قدر
مین نے ہی "شہرِ خموشان کی بنا ڈالی ہے"
میرے ہی زیر اثر تو ہین یہہ سب گنبد و در

مصنفہ خاکسار
سید نثار احمد احمدی

لطائف شعرائے عجم

(۱)

قبیلہ کبود جامہ کا ایک سردار نصیر الدین سلطان تکش کے عتاب مین آگیا۔ دربار سے ایک افسر بھیجا گیا کہ وہ جاکر اسکو قتل کردے۔ نصیر الدین نے اِس سے التجا کی کہ تم مجھے قتل نہ کرو بلکہ زندہ بادشاہ کے دربار مین لے چلو۔ وہ اسکو زندہ اپنے ہمراہ دربار مین لایا سلطان کا غصہ اسکو دیکھکر اور بھڑکا۔ اور چہرہ سُرخ ہوگیا۔ نصیر الدین نے آگے بڑھکر یہہ رباعی پڑھی۔

من خاک تو در چشم خرد می آرم — عذرت نہ یکے نہ دہ نہ صد می آرم
سرخواستۂ بدست کسے نتوان داد — می آیم و بر گردنِ خود می آرم

سُلطان اسکو سُنکر بہت ہی خوش ہوا۔ اسکو سینہ سے لگا لیا۔ جان بخشی کی اور فوج مین معزز عہدہ عطا فرمایا۔

(۲)

خواجہ امیر بیگ جو شاہ طہماسپ صفوی کا درباری اور تورانیون کا بڑا دشمن تھا اِس کو خراسان مین کسی جرم کی وجہ سے شاہ موصوف نے قید کردیا۔ اِسی زمانہ مین عبداللہ خان ازبک تورانی کا قبضہ خراسان پر ہوگیا۔ خان موصوف نے اپنے ملک کے پرانے دشمن خواجہ امیر بیگ کو ایک رقعہ لکھا جسمین صرف یہہ شعر تھا۔

اے خواجہ ببُر از این طمع از زندگی — زانرو کہ گشت مسندِ خانی مقام ما

خواجہ موصوف نے نہایت آزادی کے ساتھ قید خانہ سے اِسکا جواب مندرجہ ذیل لکھا جسکو حافظ کے مشہور شعر پر ختم کیا۔

اے باد اگر باہلِ خراسان نظر کنی — زنہار عرضہ دہ بر ایشان پیام ما
وانگہ بگو براہِ وفا آن گروہ را — کاے کشتہ کینہ خواہِ شما خاص و عام ما

کلکِ غرور وجہل شما ثبت کردہ بود در رقعۂ کہ بود دران رقعہ نامِ ما
"کاے خواجہ بعد ازین طمع از زندگی ببر زانرو کہ گشتہ مسندِ خانی مقامِ ما"
اے مدعی مگر نہ شنیدی کہ میرسد شاہِ ستارہ خیل وسپہر احتشامِ ما
باشد جواب دعوے خانی کہ کردۂ بینی کہ گفت حافظِ شیرین کلامِ ما
چندان بود کرشمہ ونازِ سہی قدان
کاید بجلوہ سروِ صنوبر خرامِ ما

(۳)

ملا محمد عصار نے تبریز کے شیخ الاسلام کی مدح مین ایک شاندار قصیدہ پڑھا شیخ الاسلام نے کمال خوشی اور قدر دانی سے ملا موصوف کو اپنا جبہ اتار کر اسیوقت عطا فرمایا۔ آداب مجلس کے لحاظ سے ملا عصار کو اسیوقت شکریہ کے طور پر وہ جبہ زیب بر کرنا چاہیئے تھا کیونکہ اپنا کپڑا اتار کر دیدینا اس زمانہ مین سب سے معزز انعام سمجھا جاتا تھا۔ لیکن وہ اسقدر بوسیدہ اور میلا تھا کہ شاعر کی نفاست پسند طبیعت نے اسکو پہننا گوارا نہ کیا۔ شیخ الاسلام کو اسبات کا ملال ہوا۔ ملا موصوف نے عذر خواہی کے طور پر یہ چند اشعار اپنے مکان سے لکھکر بھیجدیے

جامۂ بخشید شیخ اسلامِ اعظم ہذا آن مبارک جامۂ سالِ فراوان یافتہ
رشتہ حق از برائے آدمش در بدو حال مریمش در کارگاہ از بہر عیسٰے بافتہ
وانگہ از مقتول پشمِ ناقۂ پیغمبرش فاطمہ گشتہ رفوگر ہر کجا بشگافتہ
من چہ حد دارم کہ پوشم جامۂ را کاندرو
آفتاب طلعتِ چندین پیمبر تافتہ

(۴)

داوری کاشانی نے ایک خراسانی امیر کی مدح مین ایک قصیدہ لکھا نکتہ چین امیر نے بجاے صلہ دینے کے یہ کہا کہ اس قصیدہ کے اشعار بے معنی ہین۔ داوری نے

یہہ دو شعر لکھکر امیر مذکور کے پاس بھیجے۔

درخراسان مدحتے گفتم نہ ازروے طمع — اوغلط فہمید و گفتا مدح را معنی نداشت

گفتمش بسیار نیکو گفتی این انصاف بود — بندہ ہم دانستہ ام مدح شما معنی نداشت

(۵)

رشید وطواط اور مولانا عمعق بخاری دونون سلطان سنجر کے درباری شعراءمین سے تھے۔ ایکدن سلطان نے مولانا عمعق سے پوچھا کہ رشید کے اشعار کو تم کیسا خیال کرتے ہو چونکہ دونون ایکدوسرے کے حریف اور رقیب تھے اسلئے مولانا موصوف نے کہا کہ اچھے ہین لیکن نمک نہین۔ سلطان نے رشید کی طرف دیکھا۔ اسنے فی البدیہہ یہہ جواب دیا۔

شعرہاے مرا بہ بےنمکی — عیب کردن روا بود شاید

شعر من ہمچو شکر و شہد است — اندرین دو نمک نکو ناید

شلجم و باقلاست گفتہ تو — نمک اے قلتبان ترا باید

(۶)

عبداللہ خان ازبک تورانی کا جب خراسان پر قبضہ ہوگیا تو ایکدن اسکا گذر رستم کی قبر پر ہوا۔ اسنے فخریہ یہہ شعر پڑھا۔

سر از خاک بردار و ایران زمین — بدست دلیران توران ببین

ایک ایرانی سپاہی نے کہا کہ اگر رستم اُٹھتا تو جواب مین وہ شعر پڑھتا جو اسی داستان مین اسکے بعد ہے۔ عبداللہ خان نے کہا کہ کون شعر؟ اُسنے کہا۔

چو بیشہ تہی ماند از نرہ شیر — شغالان بہ بیشہ درآید دلیر

عبداللہ خان شرمندہ ہوکر واپس پھرا۔

(۷)

سلطان محمود سبکتگین کے عہد مین باغو پسر طغان شاہ ترکستان سے صوبہ قبا کا

کا حاکم تھا اِسکے مرنے کے بعد اوسکے پانچ بیٹون مین وہ صوبہ تقسیم ہو گیا سلطان نے جب سمرقند فتح کیا تو ان سے خراج طلب کیا اِنھون نے نہایت بے باکی کیساتھ جواب مین یہہ اشعار لکھ بھیجے۔

پانچ برادر از قبائیم   دریادل و آفتاب رائیم
با ملک زمین ہمہ گرفتیم   اکنون بتفکر سمائیم
گر چرخ بکام ما نگردد   چنبر ز ہمش فرو کشائیم

سلطان نے ایک فوج گران انکی گوشمالی کے لئے بھیجی۔ اور عنصری شاعر نے یہہ دو شعر جواب مین لکھے۔

نمرود بعہد پور آذر   می گفت خدائے خلق مائیم
جبار بہ نیم پشہ اورا   خوش داد سزا و ماگوائیم

آخران پانچون نے اپنے اندر مقابلہ کی طاقت نہ دیکھکر خوشامدانہ یہہ قطعہ بھیجا۔ اور اِنکی جان بخشی ہوئی۔

ما پنج برادر از قبائیم   در قحط و نیاز مبتلائیم
شاہا تو عزیز مصر جودی   واخوان گناہگار مائیم
برحالت زار ما ببخشائے   از فضل و کرم کہ بے نوائیم

(۸)

خاقانی نے منوچہر شروانی کے یہان یہہ شعر لکھکر بھیجا۔

وشقے وہ کہ در برش گیرم   یا وشاقے کہ در برم گیرد

وشق صوف کے گرم جبہ کو کہتے ہین اور وشاق حسینہ کنیز کو۔ منوچہر شاہ اِسکو پڑھکر خفا ہوا کہ شاعر نے کیون ہمکو اِسقدر سبک سمجھا کہ یہہ کہا ہے کہ یہہ ہمکو دے۔ یا وہ ہمکو دے۔ دونون چیزین اسنے کیون نہ مانگی۔

جب اسکی اطلاع خاقانی کو ہوئی تو اسنے ایک مکھی کو پکڑ کے اسکے پر نوچ دئے اور بادشاہ کے پاس بھیجدیا کہ مین نے تو "پادشا فے" لکھا تھا لیکن اس کمبخت نے ایک نقطہ اور لگاکر "پادشاقے" بنا دیا۔ میرا اسمین قصور نہین ہے

(۹)

کسی نے ایکبار مرزا بیدل سے کہا کہ آپ نے حمد الہی مین کوئی قصیدہ کیون نہین لکھا۔ مرزا نے فی البدیہہ کہا۔

"بیدل از بے نشان چہ گوید باز　　پیش ازین گفت سعدی شیراز"

(۱۰)

آذری طوسی نے اپنا دیوان ایک خوشنویس امینا نامی سے لکھوایا۔ لکھے جانے کے بعد اسنے دیکھا کہ قابل خوشنویس نے جا بجا اسمین اصلاحین دی ہین۔ اور تغیر و تصرف کیا ہے۔ مجبوراً دیوان کے آخر مین اسکو یہہ قطعہ لگانا پڑا۔

دیوان بندہ را کہ امینا سواد کرد　　تنہا درو نہ شعر مجدد نوشتہ است
از نظم و نثر ہر چہ طبعش خوش آمدہ　　دیوان بندہ پر ز خوشامد نوشتہ است
ہر جا کہ نقطہ یدبستلا گوید در سخن　　دست تصرفش ہمہ را بد نوشتہ است
اکنون شریک معتبر دیوان بندہ است　　زیرا کہ بیشتر سخن خود نوشتہ است

(۱۱)

مولانا وحشی کا قطعہ "برادر و تقسیم نابرابر" مشہور ہے۔

زیبا ترا نچہ ماندہ ز بابا از آن تو　　بداے برادر از من و اعلے از آن تو
این طاس خالی از من و آن کوزہ کہ بود　　پارینہ پر ز شہد مصفا از آن تو
یا بوے ریسمان گسل و میخ کن زمن　　مہمیز کلہ تیز مطلا از آن تو
این دیگ لب شکستہ صابون زری زمن　　وان جمچہ حریسہ و حلوا از آن تو

این اشترِ خموش لکدزن از آنِ من — جان گربهٔ مصاحب بابا از آنِ تو
از صحنِ خانه تا لبِ بام از آنِ من — وز بامِ خانه تا به ثریّا از آنِ تو

مولانا شبلی نے ہمشیرہ کے ساتھ اسی طرح کی تقسیم کی ہے۔

همشیره خرجِ ماتمِ بابا از آنِ تو — صبر از من و تردد و غوغا از آنِ تو
در حصهٔ استماعِ وصیت از آنِ من — در نوحه همسرائی ماما از آنِ تو
کهنه قلم دواتِ شکسته از آنِ من — طومارِ نظم و دفترِ انشا از آنِ تو
آن لاشه اشترانِ قطاری از آنِ من — وین بارکش خرانِ توانا از آنِ تو
یک هفته خرجِ مطرب و ساقی از آنِ من — هفتاد ساله طاعتِ بابا از آنِ تو
آن مالها که مانده بدنیا از آنِ من — وان چیزها که کرده به عقبیٰ از آنِ تو

رفیعی کاشانی کی بھی اسی طرح ایک تقسیم ایک تذکرہ میں نظر پڑی

مال و منالِ حضرتِ بابا برادرا — یک نیمه از تو نیمهٔ دیگر از آنِ من
من آن نیم که گویم ازین جنس هرچه هست — جنسی که باشد از همه بهتر از آنِ من
جان برادری تو ز تو هرچه بهتر است — بد هست هرچه جان برادر از آنِ من
فرضِ پدر که از همه بیش است از آنِ تو — وجهش که هست از همه کمتر از آنِ من
دانی که شیر داده به بابا از آنِ تو — گاوے کز وست خونِ دل غر از آنِ من
آن چار باغِ خرمِ مرهون از آنِ تو — وین یکده باغ کهنهٔ بیده از آنِ من
آن مادیان که دشتی صد کروز آنِ تو — وین اشترانِ بارکش تر از آنِ من

ناتمام

ا-ج

غزل

داغِ فراقِ دل سے مٹایا نہ جائیگا — جلتا ہوا چراغ بجھایا نہ جائیگا
بے طاقتی مین پاؤن اُٹھایا نہ جائیگا — ہمکو جو تم بلاؤگے آیا نہ جائیگا
مین اور بزمِ غیر ذرا شرم کیجئے — مجھ سے تو بعد مرگ بھی جایا نہ جائیگا
گردابِ بحرِ عشق مین ڈوبے کہ جی بچے — احسان ناخدا کا اُٹھایا نہ جائیگا
کس کام کی ہے پھر مری بیتابیٔ فراق — آہوں سے آسمان جو ہلایا نہ جائیگا
عشقِ بتان کی چوٹ نہ کھائینگے ہم کبھی — یہہ داغ پڑ گیا تو مٹایا نہ جائیگا
خاک انکے ناز سے مجھے ہونا قبول ہے — لیکن سرِ نیاز جھکایا نہ جائیگا
کمزور پر خدا کے لئے رحم کیجئے — بارِ فراق مجھ سے اُٹھایا نہ جائیگا
چہرے پر اپنے زلف کا پردا نہ چھوڑئے — ابرِ سیہ سے چاند چھپایا نہ جائیگا
بتلاؤن کیا ہوئی شبِ غم کسطرح تمام — پُردرد ہے یہہ قصہ سنایا نہ جائیگا
ہر داغ دل کو گرم نگاہی سے کام کیا — بجلی سے اپنا باغ جلایا نہ جائیگا
اے دل نگاہِ ناز سے بچنا فضول ہے — خنجر کا وار تجھ سے بچایا نہ جائیگا
پیری مین وہ خروش کہاں ولولے کہاں — عہدِ شباب دل سے بھلایا نہ جائیگا

بوسہ نہ لینگے اوسکا دمِ خواب اے رسا
ایک فتنہ سو رہا ہے جگایا نہ جائیگا

محمد کبیر رسا

مشاغل جنوری ۱۹۱۴ء متعلق بہ کالج

یکم جنوری۔ اجلاس اسپیشل میٹنگ حضرات ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم علیگڈھ
یہہ میٹنگ ایک بے مثل اجلاس تھا جسمین ۶۴ ٹرسٹی صاحبان نے شرکت فرمائی تھی
سب سے اہم رزولیوشن ہز ہائنس حضور نواب صاحب بہادر رامپور کی خدمتمین ڈیپوٹیشن
کے حاضری کے متعلق تھا۔

〃 ریاست مالیر کوٹلہ کی رقم امدادی مین سے ۴ ہزار روپیہ کالج کو وصول ہوگئے۔

۴-جنوری - ڈیوٹی ٹی شاپ کی سعی وکوشش بلیغ سے تقریباً ۸ سو روپیہ کا منافع ہوا۔
جسپر مسرز اسد محمد علی۔ اشفاق حسین۔ عظمت الٰہی۔ سید منور۔ سجاد علی انصاری۔ منظور احمد
لایق تحسین وآفرین ہین۔ مسٹر عبد الرشید اولڈ بواے کے مساعی بھی قابل داد ہین۔

۴-جنوری۔ کالج ہاکی ٹیم نے بمقام لکھنؤ "ڈاکٹر رام پال کپ" حاصل کیا۔ واپسی پر طلبہ
نے پرجوش استقبال کیا۔

۱۰-جنوری - ہز ایکسلنسی حضور والیسرائے بہادر نے بمقام لکھنؤ جناب نواب حاجی
محمد اسحٰق خانصاحب بہادر آنریری سکریٹری کالج کو سند خطاب "نواب" اور جناب نواب
عبد الصمد خانصاحب بہادر رئیس چھتاری وٹرسٹی کالج کو سند خطاب "نواب بہادر" عطا فرمائی۔

۱۲-جنوری۔ جناب ڈاکٹر صاحب قائمقام پرنسپل نے ہاکی ٹیم کو صوبہ کے سب سے زیادہ ممتاز
کپ کے جیتنے کی مسرت مین ایک شاندار ڈنر دیا جسمین طلبہ کے علاوہ مہمان بھی شریک تھے

تقررات۔ ہاکی کیپٹن براے ۱۹۱۴ء مسٹر محبوب عالم بار دگر۔ جنرل سکریٹری ٹینس۔
مسٹر اسد محمد علی۔ جائنٹ سکریٹری۔ مسٹر سید جعفری زیدی۔ اسسٹنٹ سکریٹری۔ مسٹر
حافظ فیاض اللہ

۱۳-جنوری۔ جدید مانیٹروں کے تقررات عمل مین آئے۔ جناب ڈاکٹر صاحب نے انکے

فرایض سے انکو آگاہ کیا۔

تقررات۔ علیگڈھ کالج سائنس سیر ز ایسوسی ایشن کے اجلاس منعقدہ کوٹھی جناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب مین قرار پایا کہ جناب ڈاکٹر صاحب اس ایسوسی ایشن کے پریزیڈنٹ مسٹر محمد الیاس برنی سکریٹری۔ ماسٹر قاضی جلال الدین صاحب ایڈیٹر۔ مسٹر مولوی احتشام الدین صاحب بی۔ اے۔ اور مولوی محمد اسلم صاحب جیراج پوری اسسٹنٹ ایڈیٹر ہونگے۔

علیگڈھ کالج پولٹکل سوسائٹی۔ یہہ جدید سوسائٹی مثل دیگر کالج کے علمی سوسائٹیون کے باضابطہ پرنسپل صاحب بہادر کی منظوری سے قایم ہوئی ہے۔ جسکے پریسیڈنٹ قاضی محمد جلال الدین صاحب اور سکریٹری مسٹر ایوب احمد انصاری مقرر کئے گئے ہین۔

انعامی تقریرین۔ ہفتہ سویم برابر اسمین صرف ہوا مسٹر عبدالحلیم چودھری (انگریزی) مسٹر سید حسن برنی (اردو) مسٹر مظفر حسین خان (انگریزی) مرزا سید محمد عباس زیدی۔ آغا محمد یعقوب۔ محمد شریف انصاری۔ محمد رفیع۔ سید عبدالصمد۔ سید اشفاق حسین۔ سید سجاد علی انصاری نے میڈل یا انعامات حاصل کئے۔

یونین کلب۔ وایس پریسیڈنٹ جدید مسٹر امیر احمد خان۔ سکریٹری مسٹر مظفر حسین لائبریرین مسٹر محمد نور الدین صوفی۔

اسٹاف کلب۔ بموجودگی جنرل سکریٹری صاحب مسٹر ناظر حسن صاحب جائنٹ سکریٹری کلب کی صدر جلسگی مین جناب ڈاکٹر صاحب کی تحریک پر جناب خانصاحب میر ولایت حسین صاحب سال آیندہ کے لئے کلب ہذا کے پریسیڈنٹ مقرر ہوے۔

منٹو سرکل ٹیم نے بریلی ٹیم کو دو گول سے شکست دی۔

کرکیٹ ٹیم۔ کالج کرکیٹ ٹیم نے میرٹھ اور دہلی کے معرکہ آرا ٹیمون کو دونون جگہ شکست دی۔ ہم تہ دل سے کرکیٹ کیپٹن یعنی صاحبزادہ میجر حمید اللہ خانصاحب پرنس آف بھوپال کو مبارکباد دیتے ہین۔

ماڈرن انڈیا

مین کسی علم و فن کے مضامین محض رٹ لینے کا سخت مخالف ہون لیکن فن تاریخ کا وہ حصہ جسمین سنہ اور تاریخین یاد رکھنے کا سلسلہ لازمی ہوتا ہے اور جسکی تلاش مین امتحان کے قیمتی انفاس فضول ضایع ہوتے ہین اگر چلتے پھرتے کسی ترکیب سے سپرد حافظہ کردئے جاوین تو وقت کی کفایت شعاری سے کافی فایدہ ہوسکتا ہے۔ مین نے نقشہ پُری کی آسانی کے لئے بالفعل تین نظمین ترتیب دے دی ہین۔ اول مین تمام گورنر جنرلونکی فہرست ہے۔ دوسری مین انکے تقرر کی تاریخین۔ تیسری مین برٹش انڈیا کی تکمیل کی ترتیب جس مین ضروری جنگین بھی مضمر ہین۔ ضرورت شعری کے باعث انگریزی تلفظ مین تصرف کر لیا گیا ہے۔

فہرست گورنر جنرلان ووایسران ہند

ہیسٹنگ[۱] اور کارنوالس[۲]۔ جان شور[۳] و ولزلی[۴] — بارلو[۵]۔ منٹو[۶] نے کی بعدش گورنر جنرلی

لارڈ[۷] ماٹرا۔ ایمرسٹ[۸] اور لارڈ[۹] ولیم بینٹنگ — لارڈ[۱۰] مٹیکاف۔ آکلینڈ[۱۱]۔ ایلنبرا[۱۲] اور ہارڈنگ[۱۳]

لارڈ[۱۴] لہوزی و کیننگ[۱۵]۔ ایلجن[۱۶] و لارنس[۱۷] و میو[۱۸] — لارڈ[۱۹] نارتھ اور پھر لٹن[۲۰] بعدش رپن[۲۱]۔ ڈفرن[۲۲] بریو

لینسڈون[۲۳] اور لارڈ ایلجن[۲۴] لارڈ کرزن[۲۵] ِ اجلال — لارڈ[۲۶] منٹو آجکل ہین ہارڈنگ[۲۷] بحر نوال

سنین متعلق بالا بالترتیب

سنہ[۱۷۷۴] چوہتر اور پچاسی نوے[۹۳] تین اٹھانوے — پانچ[۱۸۰۵]۔ سات۔ اور تیرہ تیئیس۔ پھر اٹھائیس جانئے

۳۵ اور ۳۶۔ بیالس ہارڈنگ چوالیس[۱۸۴۴] چار — پھر ہین ۴۸ - ۵۶ پھر اٹھاون گر شمار

۶۲ اور ۶۴ - ۶۹ پھر ۷۲ یاد کر — سنہ ۷۶ - ۸۰ - ۸۴ اٹھاسی ہین مگر

یان تلک ہین لینسڈون اب چار سنہ باقی ہین بس   نوے چار۔ اور نوے نو۔ ۱۹۰۶۔ انیس سو دس

جلال

تکمیل برٹش انڈیا

سورت بمبئی اور مدراس ۱۲۔ ۱۶۲ اتنالیس   چوبیس پرگنہ ۵۸ بسر کر ۵۹ مین ڈالا بیس
۱۶۱ مین بنگال لیا ۶۵ مین اڑیسہ اور بہار   ۹۲ مین سالم کو چھینا اور (شمالی سرکار) مدورا مالابار
ولیزلی نے مدراس بنایا لیا گڈاپہ اور دواب   کرناٹک تنجور کنارا۔ ٹھارہ سو کا کرو حساب
آگرہ۔ دلی۔ تین تین (احاطہ) پایا ماترا کا اب نمبر آیا   ۱۶ اکمایون ٹھارہ بمبئی ۲۶ مین آسام ملایا
چونتیس کرگ تینتالیس سندھ اور ۴۳ مین این ڈبلیو پی   ہاتھ آیا پنجاب۔ ستارا (احاطہ) پیگو۔ انچاس ۱۸۴۹ ڈلہوزی
۱۸۵۲ باون بعد ترپن ۱۸۵۳ آیا ناگپورا ور برار ملایا   چھپن اودھ۔ چھیاسی مین برھما پر باجا نقارا (بعہد)

جلال

فتوحات اکبر اعظم از ۱۵۵۸ء تا ۱۵۹۴ء

لکھنو اور جونپور ۶۱۔ ۵۸ گوالیار   آٹھ اجمیر مالوہ۔ برہان پور باسٹھ کر شمار
راجپوتانہ بہتر۔ سندھ پندرہ ۱۵۹۲ بانوے   سنہ پچاسی کا شمیر قندھار سنہ چورانوے
نوے۔ چوراسی اڑیسہ اور اک گجرات ہے   سنہ چھہتر بنگلہ چیتور سات اور ساٹھ ہے

جلال

شہنشاہ اکبر کا حلیہ

اوسط اندام و سیہ چشم و قوی۔ بازو دراز   بود پیشانی کشادہ۔ جرم بخش و سرفراز
مستعد شیرین زبان۔ طبع ظریف و ذی وقار   تارک لذات و شیر افگن دلیر و چشم باز

جلال

I—II Year.

1. English-speaking Prize—Syed Mohamed Abbas Zaidi, II year.

2. English Extempore-speaking Prize—Agha Mohamed Yakub, II year.

3. Urdu-speaking Prize—Mohamed Rafi, II year.

4. Urdu Extempore-speaking Prize—Mohamed Sharif Ansari, II year.

M. E. BURNEY.

Our Contemporaries.—We beg to acknowledge with thanks the receipt of the following periodicals:—

For November-December: *The Students' Own Magazine.*

For December: *The Aligarh Institute Gazette, The Bareilly College Magazine, The Central Hindu College Magazine, The Collegian, The Comrade, The Madras Christian College Magazine, The Observer, The Ravi, Young India.*

host left for his room, and fetching a purse of five hundred sovereigns, presented it to me saying that I should use it in my time of need.

I declined it, however, saying that the kindness and the strict observance of the bonds of hospitality that he showed when he was able to revenge himself, needed no supplement."

Saffah was touched to his heart on hearing this story.

AZIZ ABBAS.

THE SIDDONS UNION CLUB.

ANNUAL SPEAKING COMPETITION RESULT,

1913.

College Competition.

1. Said-Morison English-speaking Medal—Abdul Halim Chaudhry, IV year.

2. Said-Morison Urdu-speaking Medal—Syed Hasan Burny, III year.

3. Harold Cox speaking Prize (1912)—Amir Ahmad Khan, III year.

4. Said-Morison English Essay Prize—Mozaffar Husain Khan, IV year.

Class Competition.

III—IV Year.

1. English-speaking Prize—Syed Abdus Samad, III year.

2. English Extempore-speaking Prize—Syed Ashfaq Husain, III year.

3. Urdu-speaking Prize—Sajjad Ali Ansari, III year.

4. Urdu Extempore-speaking Prize—Sajjad Ali, III year.

Oh! Commander of the Faith, I could hardly express the bewilderment I was in! I cursed my stars for the irony of my fate for taking refuge in the very jaws of death. The world grew dark in my eyes; the very elements, it seemed, were set against me. Recruiting all my sense, however, I prepared to face death rather than to continue such a miserable life, and asked him the name of his father and particulars about his murder. He related a true account of my story to the last.

I began: 'You have afforded me shelter under your roof and treated me generously. I owe you much and, I fear, I cannot any way repay you. It lies in my power to put you on the scent of your father's murderer.'

A live crimson rushed over his face and he assured me in a half-cry of a high reward of his favour and gratitude. I tore off my veil, saying, "Here is the culprit!" The young lord eyed me from head to foot, and exclaimed doubtingly: "True, your face bears a resemblance to that of Ibrahim's; I could even say it is the same." "It is the self-same man," said I. "I, cannot," said he, "believe your story, and I conceive that the hazardous, nomadic life has distracted your brain and you court death as propitious."

I did, however, successfully convince him of the truth, and identified my personality, giving as my witness, the particulars of the sad event. Once convinced, he plunged into a deep reverie, resting his head, on his knees, deep in thought, for a long time. Then he raised his head, a new expression dawning in his eyes and said, "You will be judged by one, who is unmistakably the best Judge, the most true. I have afforded you shelter and received you as a guest. The bonds of hospitality, to a believer, are ever unbreakable. Quit the place lest some ill-thought should accidentally get the best of me." With this my

for dear life, I began to devising some means to weather the storm as best as I could. The precious moments were growing fewer. I put on my rustic garb and took to my heels. In Kufa, to my disappointment. I could recollect no acquaintance from whom to crave shelter. Passing as I did hurriedly, I came upon a big expanse in the fore-front of which stood a stately mansion with spacious pre-mises around it. Without any hesitation I went to the main gate. There I stood, at my wits' end, not knowing what step to take next. A young lord, riding a grey Arab horse, with many of his own age as satellites, made his way in by the same entrance. His bearing and style marked him out to be the master. Getting close to me, he reined in his horse, read from my face the trouble and anxiety that hovered over me and with the characterstic benignity of his nation, he asked me my name and my purpose. My worn-out spirits broke. I melted into tears and said, in short, that my life was in danger and that I solicited shelter under a generous roof. He stepped in, leaving me outside in suspense. A servant, however, before long, showed me into a room, well furnished with every necessity. The man served me at the board with delicious dishes and the nobleman, too, visited me once every day, to inquire after my health and comfort. I was, however, at a loss to reason why he never asked me my name or any-thing about me, week followed week, still not a word of it.

He set out early in the morning and returned late in the day with a settled anguish on his face. One day I could not but ask him where he used to go that he daily returned dejected, as if after a hard day's labour.

The nobleman.—There is news afloat that Ibrahim, the murderer of my father, is in the vicinity. I go to get scent of him and to be avenged on him for my father.

A GOLDEN DEED.

(An Arab's hospitality.)

With the exit of the Omiyads the Abbasides came to the helm of the Muslim democracy. When enough of the blood of the fallen house had been shed at the altar of the goddess of war, a general amnesty was proclaimed through the length and breadth of the country for them.

Ibrahim, son of Sulaiman, justly feared that his falling into their hands meant his instant death, hence his travels for such a long time in various disguises, through Iraq and Asia Minor. The proclamation was not hailed by any more propitiously than by him, who, indeed, felt tired of his life in such sore straits. He therefore with no further ceremony presented himself before Saffah, then the Caliph, for better or for worse.

Saffah proved, however, as good as his word and treated him with due regard for his birth and respect for his letters. Being asked to narrate his experiences during that time of ill luck, Ibrahim began :—

I had once shut myself up in a house, from the attic roof of which I could command a goodly sweep of the country and could rest my eyes on the pleasant country scenes surrounding me. On such occasions I veiled my face lest some passers-by should recognize me. Sitting one day on the alcove of the window, to my great bewilderment, I perceived, looming on the horizon an object that filled me with terror—the black colours of the Abbasides, advancing from Kufa to Hyra. Suspicion haunting my mind, I jumped immediately to the conclusion that they were sent against me, and my fear exaggerated the train of consequences : the prison, the torture, and above all the ultimate horrible death, that was staring me in the face. My hair stood erect and I shivered like an aspen leaf. Plucking up all my courage, however,

some hundreds of *convives*. Men of taste good enough for the understanding and enjoyment of M. Anatole France have quite a different ideal of dining. Their ideal, we say at a hazard, would be a dinner of not more than eight or ten persons, with no more noise than their own merriment or geniality might cause, in a room not too large, with servants not too many.

"Long and crowded tables, the clamour of a hundred voices striving to be heard by their neighbours, the simultaneous use of as many knives and forks, together with that inconvenience or discomfort which the best management in the world may minimise but cannot entirely remove from the concourse of so many diners—all that must detract sadly from the pleasure enjoyed by the person of taste in assisting at the welcome of an admired guest. Some more graceful and spiritual method could surely be devised: might not the presentation of a gift subscribed by those who would have dined, and who would assist at the ceremony (after dining in a fashion more agreeable to their taste), be such a method?

"Many a diner, we imagine, quite apart from his liking or disliking a large public dinner, has felt that the guineas the dinner cost might have bought some beautiful thing which the guest might have kept and enjoyed. It may be objected that the suggestion is materialistic; that we are urging a coarse principle of 'something to show for it'; that the memory of a social occasion and of brilliant speeches is a more spiritual possession than painting or statue. Yet the brilliant speeches scarcely need the inspiration of the dinner, and as for the social occasion, when more than twenty or so hosts entertain a guest it is plainly impossible for more than a small fraction of them to enjoy his society."

The lovers of the Graduates' Lawn have given a sigh of relief on the installation of an "Alladin" near it while many an unwary thinker has been saved the pleasures of a cold and unexpected bath in "the Kausar" tank by the posting of another near the Strachey Hall.

*   *   *   *

Some changes have taken place in the Presidents of the various sporting clubs. Mr. Fergusson takes over the charge of the Tennis Club from Dr. Zia-ud-din who will henceforth look after the Hockey Club. Mr. Gage guides the cricket. Messrs. Purves and Lias still remain Presidents of the Athletic Sports Club and the Foot-ball Club respectively.

*   *   *   *

On the 28th January Maulvi Sibt-e-Hasan Sahib of Lucknow delivered a sermon in the Strachey Hall on the Martyrdom of the Imams Hasan and Husain. There was a very large attendance; all the students being present.

*   *   *   *

Every well-wisher of Aligarh will be glad to hear of the withdrawal of the resignation of His Highness the Nawab of Rampur from the Visitorship of the College. A deputation consisting of ten of the trustees waited upon His Highness at Rampur: and were successful in persuading him to retain the office.

*   *   *   *

Regarding the week of banquets given in London recently in honour of M. Anatole France, the *Times* makes an interesting suggestion:—

"There is no need to depreciate conviviality and good cheer—far from it," says the *Times*, "but by men of good taste these things cannot be best enjoyed in dinners of

News comes of the opening of the Golden Tennis Club in the Morison Court. Mr. Lias and a number of guests were invited to an evening party on the occasion of its formal opening.

* * * *

Mr. Justice Shah Din, Professor Inayat-ullah, and the Raja of Jahangirabad visited the College recently. They were extremely pleased with what they saw and the Raja Sahib made a donation of Rs. 1,000 to the College Riding School.

* * * *

The Trustees' Meeting on the New Year's Day brought quite a large number of the trustees to Aligarh, but the College being closed on account of the Christmas holidays, they were not able to see it in its working aspect.

* * * *

Some steps are being taken to revive the Graduates' Association which had but an aerial existence of a couple of hours a few years back.

* * * *

We congratulate Mr. Sheikh Abdullah on the completion of the building of the Girls' Normal School Boarding House. Her Highness the Begam of Bhopal is expected to perform the opening ceremony in March.

* * * *

A photographic society has been started under the guidance of Dr. Wali Mahomed who is now doing all the 'spade work.' We wish the new club long life and a large measure of success. It should certainly become very popular, as notwithstanding the small subscription, it provides very material help to amateur photographers.

* * * *

of the country to join it. Sir Theodore had many kind words of advice to offer to his old pupils.

* * * *

We heartily congratulate Mr. Marris, on receiving the title of C.I.E. Mr. Marris has now been Collector of Aligarh for four years during which he has always taken a sincere interest in the affairs of the College.

* * * *

Mahomed Sadiq and Zia-ul-Hasan Alvi, the late Food Monitors, were, on the ve their laying down their office, "at home" to a large party to meet Mr. Dunncliff, the Supervisor of the Dining Hall, on 15th January on the Graduates' Lawn. Games were provided and an enjoyable afternoon was spent.

* * * *

League matches of the Cricket, Football, Hockey and Tennis Clubs are in full swing and are creating quite a healthy interest in all the sides of the houses.

* * * *

The Union Election is now a thing of the past. In the first two weeks of January all was excitement and we are right glad it was soon over. The following are the new officers for 1914 :—

Amir Ahmed	...	... *Vice-President.*
Muzaffar Husain	...	... *Secretary.*
Nur-ud-din	...	... *Librarian.*

Cabinet.—Fazl-e-Amin, Hafiz Ashfaq Husain, Razam Rahman Mahmud, Aga Muhammad Yakub, Muhammad Hazik, Abdul Ghani, Saif-ud-din, H. Fyaz Ahmed, Qutub-ud-din Malik. We offer them hearty congratulations and trust they will do their level best to improve the union during their term of office.

* * * *

The Cricket Club is making steady progress under the new Captain, Sahibzada Hamid-ullah, who is very energetic and painstaking. The Kent County Champion, Mr. Fairservice, has been here for some time past and has considerably helped in putting the team into form. In December last the First Eleven had an extended and a very successful tour in Central India. On January 20th the team again went to Meerut and Delhi where they have given a good account of themselves. The Match at Delhi was most keenly contested and was won by our men who played a very plucky game. On the second day of the Match His Excellency the Viceroy and Lady Hardinge also came to watch the game when the members of our Team were presented to His Excellency. At the close of play both the teams were photographed with Sir Henry MacMoham in the centre. We heartily congratulate the Captain and the members of the club and wish them all good luck.

* * * *

The College Hockey Club is the happy winner of the Ram Lal Challenge Cup. On the team's return to Aligarh they were well received at the Railway Station. Subsequently the members of the Team and other friends of Hockey were entertained by the President of the Club, Dr. Zia-ud-din, at a dinner which was, in every way, a success. We join with their President in congratulating the Hockey Club and its Captain.

* * * *

On the occasion of the last Conference at Agra the Old Boys entertained Sir Theodore Morison, the late Principal of the College, at a lunch. It was a very successful function and old boys came from distant parts

[REGISTERED No. A-234.]

THE ALIGARH MONTHLY.

VOL. XII. No. 1. } January 1914. { Annual Subscription, Rs. 4, Post Free. Single Copy, As. 6.

No. CONTENTS OF ENGLISH SECTION. PAGE.

Allahabad:

Printed by Bishambher Nath Bhargava, at the Standard Press.

Publisher:—David Auchterlonie, M.A., Professor, M. A. O. College, Aligarh.